صفر المظفر ۱۴۴۲ھ
اکتوبر ۲۰۲۰ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بس شریعت! شریعت! پکارو بھی اب

امین الامت سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی نصیحت

حضرت سعید بن ابی سعید مقبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی قبر اُردن میں ہے، جب وہ
طاعون میں مبتلا ہوئے تو وہاں جتنے مسلمان تھے ان سب کو بلا کر فرمایا:

''میں تمہیں وصیت کرنے لگا ہوں......اگر تم اسے قبول کرو گے تو ہمیشہ خیر پر رہو گے......
نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، صدقہ خیرات دو، حج اور عمرہ کرتے
رہو، ایک دوسرے کو وصیت کرو، اپنے امرا کی خیر خواہی کرو، ان کو دھوکہ نہ دو اور دنیا تمہیں
اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے......اگر کسی آدمی کو ہزار برس کی زندگی بھی مل
جائے تو آخر اسے اسی جگہ جانا ہو گا جہاں آج تم مجھے جاتا ہوا دیکھ رہے ہو......اللہ تعالیٰ نے
تمام بنی آدم پر موت کو لکھ دیا ہے، لہٰذا ان سب کو مرنا ہے اور ان میں سب سے زیادہ عقل
مند وہ ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہے اور اپنی آخرت کے لیے
سب سے زیادہ عمل کرنے والا ہے......والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''

[ابن عساکر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۱۰

صفر المظفر ۱۴۴۲ھ اکتوبر ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرھواں (۱۳) سال!
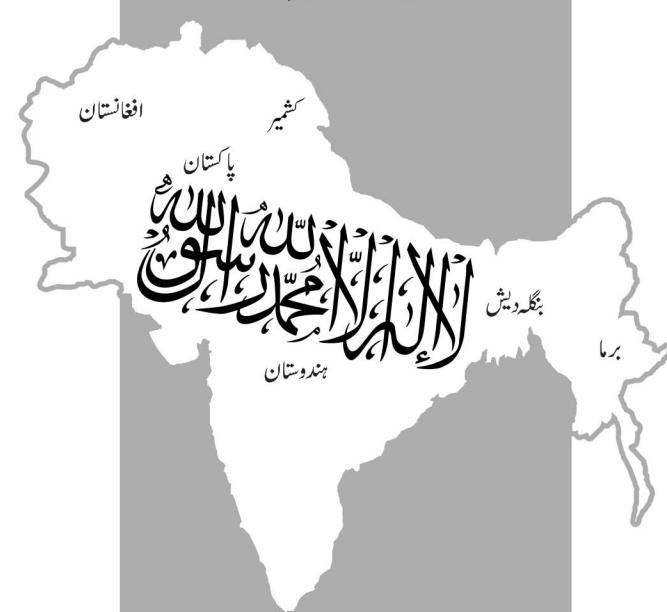
تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaighazwaehind.co

www.nawaighazwaehind.co

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Channel

www.nawai.io/Bot

قیمت: اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا......
اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ کے راستے کا مجاہد، حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں وہ جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور وہ جو کچھ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔‘‘

(ابن ماجہ و صحیح ابن حبان)

اس شمارے میں

قارئینِ کرام!

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور ان کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہتر بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

بس شریعت! شریعت! پکارو بھی اب

ذرا برِّ صغیر کا جائزہ لیجیے۔ برما سے شروع کیجیے، وہاں برمی مسلمانوں کے چھریوں اور خنجروں سے کٹنے کے مناظر دیکھیے، لٹتی عصمتیں، جلتے گھر، یتیم بچے اور بے آسرا، یاس و حسرت کی تصویر وہاں کی عورتیں، بوڑھے اور مرد۔ ڈھاکہ میں نیلام ہوتی عزت و غیرتِ اسلام اور ہندوؤں کے ماتحت مسلمانوں کو رام کرتی 'تیسویں' بھارتی ریاست دیکھیے، ہندوتوا اور سیکولرازم کی پرچارک بھارتی مقبوضہ بنگلہ دیشی ریاست۔ دِلی میں مسلمانوں کے لیے برپا 'برما'، 'بوسنیا' اور 'مشرقی تیمور' دیکھیے، کورونا وائرس کو مسلم وائرس اور گاؤ کشی کے بدلے مسلم کشی! کشمیر میں پیلٹ گنوں کی نذر ہونے والی نابینا جوانیوں، دریدہ آنچلوں اور لہو رنگ چناروں کو دیکھیے۔ یہ سب مناظر دیکھنے کے بعد 'مرکزِ یقین' کو دیکھیے۔ وہ مرکزِ یقین جس کو مدینۂ ثانی بننا تھا اور جس مدینۂ ثانی نے یہود سے لے کر ہنود تک سب ہی کو لگام ڈالنی تھی اور جس نے اس ظلم کی چکی کے پاٹوں کو پاش پاش کرنا تھا جس میں مشرق و مغرب کے مسلمان پس رہے ہیں۔

صرف پچھلے ایک ماہ میں پاکستان کے حالات کا جائزہ لیجیے۔ یہاں چند سال کی معصوم کلیوں سے لے کر معصوم کلیوں کی ماؤں تک کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ کراچی کی چار سالہ 'مروہ' کو درندگی کا نشانہ بنانے کے بعد، قتل کیا گیا، پہچانی نہ جائے اس لیے اینٹیں مار مار کر چہرہ مسخ کیا اور پھر ایک کچرا کنڈی میں اس مسلی ہوئی کلی کو پھینک دیا۔ لاہور کے سگیاں پل سے لے کر لاہور-سیالکوٹ موٹر وے پر امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا صلاۃ و سلام) کی بیٹیوں کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔

پاکستان کی اقتصادی شہ رگ پانی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ باب الاسلام کراچی جو کُل پاکستان کی چالیس فیصد آمدن پیدا کر کے دیتا ہے تباہ و برباد کیا جا چکا ہے۔ دنیا کے ساتویں بڑے شہر میں بجلی کا نظام، سرکاری مواصلاتی نظام، سڑکیں، بلدیہ سب صفر ہے اور طبی نظام تو پہلے ہی نجی ادارے چلا رہے ہیں۔

سیاسی اکھاڑوں میں 'ہڈی' پر لڑائی جاری ہے اور یہ سب 'پاک' فوج کی زیرِ نگرانی 'پاک' فوج کی آشیر باد سے ہو رہا ہے۔ ملک بھر میں لوگوں کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں اور جن کو میسر ہے تو ان سے چھیننے کے لیے حکومت میں موجود وردی والوں سے لے کر بے وردی والوں تک سب چوکس ہیں۔ جو ہڈی روٹی ان چوکس لوگوں کے منہ سے گر جاتی ہے تو اس کو عوام میں موجود لٹیرے اٹھا لیتے ہیں۔

نصابِ تعلیم یکساں کیا جا رہا ہے اور اب بقولِ وزیرِ تعلیم جو لوٹ مار پہلے سول بیوروکریسی، فوج و پولیس میں بھرتی ہو کر سکول کالجوں والوں کے لیے روا تھی، اب اہلِ مدارس کے لیے بھی انہی ملازمتوں کے پھندے تیار کیے گئے ہیں۔ نصابِ تعلیم کو یکساں بنانے کا عمل ملک کو 'منافقانہ-سیکولرازم' کی طرف لے جانے کی سعی ہے۔

عدالتوں میں 'انصاف' بِک رہا ہے، گاڑی چڑھا کر ٹریفک کانسٹیبل کو قتل کرنے والے سابقہ رکن صوبائی اسمبلی کو باعزت بری کر دیا گیا ہے۔ شراب و شباب سپلائی کرنے والوں کو بری کیا جا رہا ہے۔

یہ سارے منظر دیکھنے کے بعد 'راہنماؤں' کو دیکھیے۔ عمران خان و باجوہ، بزدار و مراد علی شاہ راہنما نہیں ہیں، یہ تو کھلے راہزن ہیں۔ راہنماؤں کا حال یہ ہے کہ دہائیوں تک جمہوریت کی غلام گردشوں میں بھٹکنے کے بعد آج بھی لوگوں کو اسی نظام کے اندر سے کسی 'فلاحی' اور کسی 'اسلامی' ریاستی نظام کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حکومتِ وقت ہی کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے جہاد کا 'اعلان' کرے گی، کراچی تا خیبر بجلی بھی حکومت دے گی، انصاف بھی انہی عدالتوں کو دینا ہے، بس قانون پر عمل درآمد نہیں ہو رہا۔ ان کا خیال اب بھی پختہ ہے کہ ملک کو بچانے والے

کلیدی اداروں میں 'فوج' شامل ہے اور سی سی پی او لاہور جیسے بھتہ خور، راشی اور بدکار افسروں پر مبنی یہ پولیس ہماری ہی پولیس ہے، بس کچھ افسر یہاں سے وہاں اور کچھ ڈی آئی جی بظاہر متشرع قسم کے لگ جائیں تو سب اچھا ہو جائے گا۔

دہائیوں کی بے معنیٰ کوششوں کے بعد بھی قصہ مختصر حل اسی الیکشن، اسی سیاست، انہی اداروں، اسی بیوروکریسی، اسی فوجی نظام، اسی عدالتی نظام، اسی پولیس و تھانہ کلچر اور اسی معاشی و انتظامی نظام میں بتایا اور تلاشا جا رہا ہے۔ آج جس قدر مایوسی اور اندھیرے کا راج ہے، شاید پرویز مشرف، زرداری و کیانی اور نواز شریف و راحیل شریف کے زمانے میں بھی نہ تھا۔ سابقہ ادوار میں عوام کو ایک ٹرک کی بتی سے ہٹا کر دوسری کے پیچھے لگایا جاتا تھا، لیکن آج تو ایک ہی ٹرک ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر اس کی بتی کے پیچھے نہ بھاگے تو 'پاکستان گیا'!

صداقت و حقیقت بھی یہی ہے کہ اوپر ذکر کیے اداروں، نظاموں اور ٹرک کی بتیوں کا پیچھا کرنے کا صد فی صد نتیجہ 'پاکستان گیا' ہی ہو گا۔

ہماری دعوت پاکستان پر ہم 'مجاہدین' کو قابض کرنے کی دعوت نہیں۔ ہم تو یہ دعوت دے رہے ہیں کہ نظامِ شریعت کو حاکم بنا لیا جائے اور نظامِ شریعت موجودہ جاری نظام سے کلیتاً مختلف ہے۔ موجودہ نظام اندھیرا جبکہ شریعت اجالا ہے، موجودہ نظام آگ جبکہ شریعت پانی ہے، موجودہ نظام مبنی بر کفر و الحاد ہے اور شریعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے۔ ہماری دعوت وہی دعوت ہے جو ہمارے قائد و راہنما حضرت سید احمد شہیدؒ بیان کر گئے ہیں کہ:

> ”اگر اسلامی ملک آزاد ہو جائے اور ریاست و سیاست اور قضا و عدالت میں شرعی قوانین کو مدارِ عمل بنا لیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالکِ سلطنت بننے کے بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرماں رواؤں کی حکمرانی کا سکہ جاری ہو جائے۔“

اور آپ نے کس وضاحت سے مزید فرمایا:

> ”اس ملک (یعنی مغربی ہند) کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت و سلطنت کا استحقاق، ریاست اور انتظامِ سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسانِ خداوندی کا شکر بجا لائیں گے اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف و مقدمات کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز اور انحراف نہیں کریں گے اور ظلم و فسق سے کلیتاً اجتناب کریں گے۔ اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو شرک اور کفر سے پاک کیا جائے۔ اس لیے کہ میرا مقصودِ اصلی ہندوستان پر جہاد ہے۔“

پس آج ضرورت اس امر کی ہے کہ دہائیوں کا قرض جو ہر لمحے بحیثیتِ قوم، بحیثیتِ علمائے دین، بحیثیتِ اصحابِ حل و عقد، بحیثیتِ اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے قائدین، اسلامی مفکرین و دانشور، اسلامی صحافی و اساتذۂ عالی قدر، الغرض جس جس حیثیت میں ہم موجود ہیں، تو یہ قرض ہر لمحے ہم پر بڑھتا جا رہا ہے۔ اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے، اقامتِ دینُ اللہ کے لیے ہم پر محنتیں کھپانا اور جدوجہد کرنا ہر ہر دقیقے کے ساتھ مزید واجب ہوتا جا رہا ہے۔

اور اگر ہم آج بھی اصلاح کے لیے اسی نظام میں حل ڈھونڈنے کی سعی کرتے رہے تو یہ خسارہ اس خسارے سے زیادہ ہے جو یومیہ پاکستان کی معیشت کو تین سے چار ارب روپے کے درمیان کم از کم ہو رہا ہے[1]۔ شریعت کی اقامت کے لیے، شریعت کے بتائے طریقے کے مطابق سعی نہ کرنے کا نقصان یا کسی اور 'فلاحی' اور 'خوشحال' ریاست کے لیے محنتیں کھپانے کا نقصان دنیا میں ذلت کا سامان ہے ہی، خدانخواستہ آخرت کے خسارے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

أللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، آمین یا ربّ العالمین!

◆◆◆◆◆

[1] سوا(1.25)ارب روپے کا یومیہ نقصان تو صرف 'واپڈا' کر رہا ہے اور یہ عمران خان نے اپنی حکومت کے دو سال پورے ہونے پر صحافی کامران خان کو انٹرویو میں اقرار کیا ہے، جبکہ ۲۰۱۳ء کے الیکشن سے قبل عمران خان نے صحافی حامد میر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ واپڈا ایک ارب روپے یومیہ کا نقصان کر رہا ہے۔ یعنی خسارہ اس 'تبدیلی' حکومت میں بڑھا ہے، گھٹا نہیں ہے۔ اور دکھ و غم کی بات یہ ہے کہ یہ خسارہ غریب عوام کی جیب سے پورا کیا جائے گا، جس کا عندیہ عمران خان گاہے بگاہے دیتا رہتا ہے، اِنا للّٰہ و اِنا اِلیہ راجعون!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

179۔وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ مَّا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَّهٗ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِیْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِیْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِیْ حُلَّةٍ وَّرَاحَ فِیْ حُلَّةٍ وَّوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَّرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَااَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر رو پڑے کہ ایک زمانے میں وہ کس قدر خوش حال تھے اور آج ان کی کیا حالت ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کہ تم صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلو گے اور شام کو ایک جوڑا پہن کر نکلو گے (یعنی مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے صبح کو ایک لباس پہنو گے اور شام کو دوسرا) اور تمہارے سامنے کھانے کا ایک بڑا پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا (یعنی انواع واقسام کے کھانے تمہارے سامنے رکھے جائیں گے) اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردے ڈالو گے جس طرح کعبہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس روز آج کے دن سے بہتر حال میں ہوں گے اس لیے کہ ہم اس وقت عبادت کے لیے فارغ ہوں گے اور محنت واشغال سے بے فکری ہو گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! آج کے دن تم اس دن سے بہتر ہو۔

تشریح: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مصعب بن عمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور وہ اس حالت میں تھے کہ (بکری کی کھال کے) تسمہ سے اپنی کمر باندھے ہوئے تھے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو کہ ان کا قلب حق تعالیٰ نے روشن فرمایا ہے اور میں نے ان کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ ان کے والدین ان کو نہایت عمدہ کھانا کھلاتے تھے اور یہ دو سو درہم کا لباس پہنے رہتے تھے۔ اور اللہ اور رسول کی محبت نے ان کو اس حال میں پہنچا دیا جس میں تم اب ان کو دیکھتے ہو۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قریشی ہیں، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں، ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ حالتِ کفر میں رئیس اور شاہزادۂ مکہ کہلاتے تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو سب چھوڑ کر ہجرت کی اور زہد اختیار کیا اور جنگِ احد میں شہید ہوئے اور اس وقت ان کی عمر چالیس برس تھی یا کچھ زیادہ۔ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفقت اور رحم کے سبب روئے کہ ایسے معزز اور رئیس اور صاحبِ نعمت و دولت کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق نے اس حال کو پہنچایا کہ آج اس کے لیے کفن بھی پورا نہیں ہے۔ پس یہ رونا رنج سے نہ تھا بلکہ اس خوشی سے تھا کہ اُمت کے اندر ایسے عاشقِ حق اور ایسے زاہد پیدا ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر کُھری چار پائی کے باندھ کے نشانات دیکھے اور روئے کہ چین کسریٰ اور قیصر کا کیا ہے اور لاڈلے رسول پر کیا تکلیف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر صابر افضل ہے غنی شاکر سے اور کافر فقیر کا عذاب خفیف تر ہو گا بہ نسبت کافر غنی کے دوزخ میں؛ پس جبکہ نفع دیا فقر نے فقیر کو اس دارِ فانی میں تو کیوں کر نفع نہ دے گا دار القرار میں۔

180۔وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا جس میں دین پر صبر کرنے والا شخص اس آدمی کی مانند ہو گا جس نے اپنی مٹھی میں انگارہ لے لیا ہو (یعنی جس طرح انگارے کو ہاتھ میں رکھنا دشوار ہے اسی طرح دین پر قائم رہنا دشوار ہو گا)۔

تشریح: یعنی فسق اتنا عام ہو جائے گا کہ ہر طرف فساق ہی کا غلبہ نظر آئے گا پس دین داروں کا دین پر قائم رہنا دشوار ہو گا بسبب قلت مددگاروں کے اور بہت صبر کی ضرورت ہو گی۔

181۔وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ بَطْنِهَا وَاِذَاكَانَ اُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَاءِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ ظَهْرِهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے امرا تمہارے بہتر لوگ ہوں اور دولت مند تمہارے سخی ہوں اور تمہارے اُمور باہمی مشورہ سے طے پائیں اس وقت زمین کی پشت تمہارے لیے زمین کے پیٹ سے بہتر

ہو گی (یعنی زندگی موت سے بہتر ہو گی اس لیے کہ تم کتاب وسنت کے مطابق عمل کرو گے۔ اور نیک اعمال کے ساتھ درازیٔ عمر نعمت ہے۔ اور جبکہ تمہارے امرا تمہارے شریر وبدکار لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند تمہارے بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں اس وقت تمہارے لیے زمین کا پیٹ زمین کی پشت سے بہتر ہو گا (یعنی تمہاری موت تمہاری زندگی سے بہتر ہو گی)۔

تشریح: عورتوں سے مشورہ لینا مناسب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ناقصاتِ عقل اور ناقصاتِ دین ہیں اور ان کے لیے وارد ہے شَاوِرُوْهُنَّ وَخَالِفُوْهُنَّ عورتوں سے مشورہ تو کرو مگر اس کے خلاف کرو[1]۔ اور وہ مرد بھی عورتوں کے حکم میں ہیں کم عقل ہونے میں جو ان کے مشابہ ہیں یعنی جن پر مال اور جاہ کی محبت غالب ہو اور جن کو انجام کی خبر نہیں اور نہ گناہوں کے وبال کی فکر۔ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اکثر جھگڑا اور فساد عورتوں کی تابع داری اور ان کے کہنے پر چلنے سے ہوتا ہے۔

182۔وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَّمِنْ قِلَّةٍ نَّحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَّارَسُوْلَ اللهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر وضلالت کے گروہ قریب ہیں کہ ان کے بعض آدمی بعض کو تم سے لڑنے اور تمہاری شان وشوکت کو مٹانے کے لیے بلائیں گے جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت جمع ہوتی ہے اور اس کے بعض بعض کو کھانے کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا: کیا وہ لوگ اس لیے ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس زمانے میں بڑی تعداد میں ہو گے لیکن ایسے جیسے نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں یعنی تم میں قوت وشجاعت نہ ہو گی اس لیے نہایت ضعیف وکمزور ہو گے، تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وھن (ضعف وسستی) پیدا ہو جائے گا۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وھن (ضعف وسستی) کیا چیز ہے؟ (یعنی اس کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے؟) فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے بے زاری اور نفرت۔

تشریح: اس زمانے میں اہلِ کفر سے اہلِ اسلام کا رعب جاتا رہا اور اہلِ کفر جنگ میں غالب آرہے ہیں۔ اس کا راز یہی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت پیدا ہو گئی ہے اس وجہ سے جہاد کی اصلی روح نہیں پیدا ہوتی۔ اور اسلامی ملک صرف نام کا تو اسلامی ہے لیکن اکثریت اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں مبتلا ہے۔ بے پردگی، بے حیائی، سینما، نائٹ کلب، ٹیلی ویژن اور پوری زندگی سنتِ نبوی سے دور اور اہلِ مغرب کی عیاشی کے خطوط پر محو گردشِ ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لیے اسباب پیدا فرمائیں، آمین۔

فصلِ سوم

183۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس قوم میں مالِ غنیمت کے اندر خیانت کرنے کا عیب پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمنوں کا رعب اور خوف پیدا کر دیتا ہے اور جس قوم میں زناکاری پھیلتی ہے اس میں اموات کی زیادتی ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپنے تولنے میں کمی کرتی ہے (یعنی کم ناپتی اور کم تولتی ہے) اس کا رزق اٹھالیا جاتا ہے (یعنی رزقِ حلال یا رزق کی برکت اٹھالی جاتی ہے) اور جو قوم ناحق حکم کرتی ہے (یعنی اس کے امرا احکام نافذ کرنے میں عدل وانصاف کو ملحوظ نہیں رکھتے اور ناحق احکام جاری کرتے ہیں) اس میں خونریزی پھیل جاتی ہے اور جو قوم اپنے عہد کو توڑتی ہے اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی سزا آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی بصورت مصائب (یعنی بے اطمینانی اور عمر میں کمی، رزق میں تنگی اور آپس میں خونریزی اور ظالم دشمن کا تسلط وغیرہ) ہوتی ہے، اب کوئی نادان یہ کہے کہ فلاں فلاں رات دن نافرمانی کر رہے ہیں اور ان کو دنیا خوب مل رہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ہرگز سکون نہیں۔ ان کی دنیا کا ٹھاٹ باٹ صرف ظاہری جسم پر نظر آتا ہے ان کے قلب ہزاروں غم اور فکر میں مبتلا ہوتے ہیں، جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل
و اندروں قہرِ خدائے عز وجل

ترجمہ: کافر کی قبر باہر سے بہت پُر رونق ہے مثلاً پھول کی چادر، روشنی کے قمقمے، بینڈ باجے اور اندر اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کا قہر ہو رہا ہے۔ اور گناہ جس کو موافق آجائے اور پکڑ نہ ہو اور گناہ کے ساتھ دنیا خوب ملے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے۔ زہر کا ہضم ہونا خطرناک ہوتا ہے اور زہر کا قے ہونا مفید ہوتا ہے پس گناہوں کے ساتھ نعمت نعمت نہیں عذاب ہے، مصیبت ہے، اور جو مصیبت غفلت دور کر دے وہ رحمت ہے۔

[1] عموماً عورتوں کا معاملہ اسی طرح ہوتا ہے مگر استثنا کسی بھی جگہ ہو سکتی ہے۔ (ادارہ)

ڈرانے اور نصیحت کرنے کا بیان

184۔وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْعَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ فَصَعِدَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِیْ يَابَنِیْ فِهْرٍ يَّابَنِیْ عَدِیٍّ لِّبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَقَالَ اَرَأَيْتُكُمْ لَوْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِیْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ ؟قَالُوْا نَعَمْ مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّاصِدْقًا، قَالَ: فَاِنِّیْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ فَقَالَ اَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ نَادٰی يَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَّاٰى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ اَهْلَهٗ فَخَشِیَ اَنْ يَّسْبَقُوْهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ يَا صَبَاحَاهُ

ترجمہ:حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماسے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور پکارنا شروع کیا: اے بنی فہر! اے بنی عدی! یعنی قریش کے فرقوں اور جماعتوں کو بلانا شروع کیا، جب سب جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آکر اترا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو سچا مانوگے ؟ قریش نے کہا: ہاں! آپ ہمیشہ ہمارے تجربہ میں سچے ثابت ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے پر مامور ہوا ہوں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھ پر ایمان لے آؤ ورنہ تمہارے سامنے سخت عذاب موجود ہے۔ یہ سن کر ابو لہب نے کہا: تجھ پر سارے دن ہلاکت ہو (نعوذ باللہ)۔ کیا اسی (غلط بات) کے لیے تو نے ہم کو جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ یعنی ابو لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کرکے یہ فرمایا: اے عبد مناف کی اولاد! میرا اور تمہارا حال اس شخص کی مانند ہے جس نے دشمن کے لشکر کو دیکھا پس وہ اپنی قوم کو دشمن کے قتل وغارت سے بچانے کے لیے ایک پہاڑ پر چڑھا تاکہ قوم کو آواز دے کر آگاہ کرے لیکن پھر اس خوف سے کہ کہیں دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اس نے پہاڑی پر سے یہ چلّانا شروع کیا یاصباحاہ یعنی دشمن کی غارت گری سے بچو۔

185۔وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَابَنِیْ كَعْبِ ابْنِ لُؤَیٍّ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَابَنِیْ مُرَّةَ ابْنِ كَعْبٍ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَابَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ! انْقِذُوْااَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَابَنِیْ هَاشِمٍ! اَنْقِذُوْا اَ نْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَابَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ يَافَاطِمَةُ! اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّيَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ! لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ! لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّيَافَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِيْنِیْ مَاشِئْتِ مِنْ مَّالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ڈرایئے اپنے کنبہ کے لوگوں کو جو بہت قریب کے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا۔ جب وہ جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب میں تعمیم کی اور تخصیص بھی (یعنی ان کے جد بعید کا نام لے کر بھی مخاطب کیا تاکہ سب کو عام شامل ہو جائے اور ان کے جد قریب کا نام لے کر بھی مخاطب کیا تاکہ بعض کے ساتھ مخصوص ہو جائے چناں چہ آپ نے فرمایا: اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے مرہ بن کعب کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد مناف کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے ہاشم کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کی اولاد! اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنی جان کو آگ سے بچا، اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ (یعنی میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا) البتہ مجھ پر تمہارا قرابت کا حق ہے جس کو میں قرابت کی تری سے تر کرتا ہوں اور بخاری ومسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو خرید لو (یعنی ایمان لاکر اور اطاعت وفرماں برداری کرکے دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچالو میں تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ بھی دور نہیں کر سکتا۔ اور اے عبد مناف کی اولاد! میں تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دفع نہیں کر سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اور اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو کچھ تو چاہے مانگ لے لیکن میں تجھ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

تشریح: اس حدیث سے اُمت کو یہ سبق ملتا ہے کہ جب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو محنت کی طرف متوجہ کیا گیا تو آج کس احمق ونادان کا منہ ہے کہ پیروں یا اولیا کی سفارش پر یا خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بھروسے پر یا حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے بھروسے پر گناہوں اور سرکشی پر جری اور گستاخ ہو اور نیک اعمال سے بے پرواہو۔ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو حق تعالیٰ شانہٗ کے لاڈلے اور محبوب رسول ہیں اور ایسے محبوب ہیں جو آپ کے نقشِ قدم کی اتباع کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاوے کس قدر عبادت فرماتے تھے کہ طولِ قیام سے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا، تعجب ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت پر بھروسے کا پُر فریب دعویٰ کرکے نیک اعمال سے کاہل اور گناہوں میں چست وچالاک بنے ہیں یہی لوگ حق تعالیٰ کی دوسری صفت رزاقیت پر بھروسہ کرکے گھر میں نہیں بیٹھتے بلکہ روزی کے لیے مارے مارے سرگرداں وپریشاں دربدر چکر کاٹتے ہیں اور کس کس خاکِ آستاں کو بوسہ دیتے ہیں......

(باقی صفحہ نمبر 31 پر)

اطاعتِ امیر

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لوگ اس وقت تک خیر و عافیت میں ہیں جب تک وہ علما اور سلطان کی تعظیم کرتے رہیں، اگر ان دونوں کا احترام بجالاتے رہیں تو دنیا و آخرت ان کی کامیاب ہوں گی اور اگر ان دونوں کی تحقیر کرلی تو دنیا و آخرت ان کی ناکام ہوں گی۔"

حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے دنیا میں اللہ رب العزت کے خلیفہ کو عزت دی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عزت دے گا اور جس نے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ و سلطان کی تحقیر کی اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن تحقیر کرے گا۔"

زیاد بن کسیب عدوی سے روایت ہے کہ میں ابو بکرہؓ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا، آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپ نے پتلے کپڑے زیب تن کیے تھے، تو ابو بلال نے کہا، دیکھو! اپنے امیر کو، جس نے فاسقوں کے کپڑے پہنے ہیں، ابو بکرہؓ نے فرمایا: خاموش ہوجاؤ! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو فرما رہے تھے 'جو شخص زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور سلطان کی تحقیر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن تحقیر کرے گا'۔

جیسا کہ خلیفہ اور مسلمانوں کے بڑے امیر کا احترام کرنا لازم ہے، ایسا ہی ان کے تحت امرا کے امر کی اطاعت کرنا اور ان کی تعظیم و احترام کرنا بھی لازم ہے۔ ہجرت کے گیارہویں سال نبی کریم ﷺ نے روم کے غزوہ کے لیے ایک لشکر تیار کیا، جس میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ شامل تھے اور اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا، جب کہ ان کی عمر اس وقت بیس سال سے کچھ اوپر تھی، اس وقت نبی کریم ﷺ کا مرض شدید ہوگیا جس کی وجہ سے لشکر کی روانگی میں تاخیر ہوگئی، آپ ﷺ اسی مرض میں فوت ہوگئے، اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعتِ امارت کی، آپؓ نے اس لشکر کی روانگی کا حکم دیا اور اسامہ بن زیدؓ سے کہا، اگر آپ کی اجازت ہو تو حضرت عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ دیں، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اس کی اجازت دے دی اور حضرت عمرؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس رُک گئے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا جب بھی حضرت اسامہؓ سے سامنا ہوتا، تو آپ ان کو کہتے 'خوش آمدید میرے امیر'، جب حضرت عمرؓ اسامہؓ کو عزت دیتے تو لوگ حیران ہوتے، تو آپؓ فرماتے، نبی کریم ﷺ نے ان کو میرے اوپر امیر مقرر کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا جب بھی حضرت اسامہؓ سے سامنا ہوتا، تو آپ ان کو کہتے 'خوش آمدید میرے امیر'، جب حضرت عمرؓ اسامہؓ کو عزت دیتے تو لوگ حیران ہوتے، تو آپؓ فرماتے، نبی کریم ﷺ نے ان کو میرے اوپر امیر مقرر کیا تھا۔

یہاں امیر کی تعظیم کرنا بھی واضح ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا، کہ اگر بڑا امیر آپ پر کسی اور کو امیر بنائے، چاہے وہ آپ سے عمر میں چھوٹا ہی ہو تب بھی اس کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، گویا اس نے میری نافرمانی کی۔"

ایسی ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری بھی نقل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم سب ہر حال میں امیر کی اطاعت کروگے اگرچہ تنگی میں ہو یا آسانی میں، پسند ہو یا ناپسند، اگرچہ تم پر کسی اور کو فوقیت دی جائے۔"(مسلم)

فتح الملہم میں [اثرۃ......(فوقیت)] کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ:

"اگرچہ تم پر دوسرے کو زیادہ فوقیت دی جائے، اس کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور دیگر لوگوں کو آسانیاں دے دی جائیں، تب بھی ان وجوہات کی بنا پر اس کی اطاعت چھوڑنا جائز نہیں، یعنی امیر اپنے مامورین کے بارے میں عدل سے کام نہیں لیتا اور ایک پر دوسرے کو زیادہ توجہ دیتا ہو تب بھی اس کی اطاعت کی جائے۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میرے دوست محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں اپنے امیر کی اطاعت کروں گا اگرچہ وہ مقطوع الاطراف ہی کیوں نہ ہو یعنی کہ وہ ایک ناچیز ہی کیوں نہ ہو۔"

تنبیہ: اگرچہ مجاہدین کا امیر 'دَنِي النسب' (کم ذات) ہی کیوں نہ ہو اس کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

(وما علينا إلّا البلاغ المبين!)

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

ألحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آلهِ وأصحابه وذريته أجمعين، و بعد!

لقد قال النبي صلى الله عليه وسلم:

”الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَأَمَّا مَنْ غَزَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ وَأَنْفَقَ الْكَرِيمَةَ وَيَاسَرَ الشَّرِيكَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ وَأَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَا يَرْجِعُ بِالْكَفَافِ.“

یہ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ’الغزو غزوان‘...... کہ جنگ دو طرح کی ہے، کہ جہاد دو طرح کا ہے یا جس طرح شارحین نے لکھا ہے کہ جہاد کرنے والے دو طرح کے ہیں۔ تو اس کے بعد یہ حدیث جہاد کرنے والی دو مختلف شخصیتوں یا دو مختلف کرداروں کا نقشہ ہمارے سامنے کھینچتی ہے اور بتاتی ہے کہ جس کے اندر یہ پانچ صفات یا خوبیاں پائی جاتی ہیں، ان پانچ صفات کے ساتھ جو جہاد کر رہا ہے اس کا جہاد اللہ کے یہاں مقبول ہے اور اس کے لیے وہ سارے فضائل ہیں جس کا قرآن و حدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔

دوسری طرف تین چار صفات اس کے برعکس بتائی گئی ہیں کہ جس کے اندر وہ پانچوں صفات نہیں ہیں اور اس کی جگہ یہ منفی صفات، اللہ کی ناپسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں اگرچہ وہ جہاد میں ہے، اگرچہ وہ جنگ کر رہا ہے اور بظاہر وہ بھی فی سبیل اللہ نظر آتا ہے لیکن اللہ کے ہاں اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ تو یہ دو مختلف قسم کے جہاد کرنے والے ہیں جن کا نقشہ ہمارے سامنے کھینچا گیا۔ ایک بات تو اس حدیث سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ محض میدان جہاد میں پہنچ جانا قبولیت کے لیے کافی نہیں ہے اور محض جنگ کے اندر اتر جانا بھی قبولیت کے لیے کافی نہیں ہے۔ جس طرح محض نماز میں کھڑے ہو جانا اور مسجد پہنچ جانا اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں یہ نماز قبول بھی ہو گی، اس کے اندر اور بھی عوامل ہیں جو دیکھے جائیں گے؛ بالخصوص اخلاص نیت اور اسی طرح نماز کی سنت کے مطابق ادائیگی؛ یہ سارا کچھ دیکھا جائے گا اور اس کی بنیاد پر فیصلہ ہو گا کہ یہ نماز مقبول ہوئی اللہ کے دربار میں یا نہیں ہوئی۔ یہی معاملہ جہاد کا بھی ہے کہ جہاد کی مقبولیت کے لیے بھی شریعت نے کچھ آداب اور شرائط لگا دی ہیں، وہ شرائط اگر ہم میں پائی جائیں گی تو اللہ کے ہاں ہمارا جہاد مقبول ہو گا، اور اگر نہیں پائی جائیں گی تو باوجود اس کے کہ، نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ہم اسی جہاد میں ہوں گے لیکن اللہ کے ہاں رد ہو جائیں گے۔ تو یہ صفات دیکھتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ’الغزو غزوان‘...... کہ جنگ دو طرح کی ہے، جہاد کرنے والے دو طرح کے ہیں۔ فَأَمَّا مَنْ غَزَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تعالیٰ تو ایک وہ جہاد کرنے والا ہے جو اللہ کے ہاں مقبول ہوتا ہے کہ جس کی پہلی صفت یہ ہے کہ ”ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ تعالیٰ“...... کہ وہ بس اللہ اور اللہ ہی کے لیے جہاد کرتا ہے کہ اس کی نیت خالص ہوتی ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے۔ تو یہ پہلی شرط ہے جو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب تک اخلاص نہیں ہو گا نیتوں میں تو اللہ کے ہاں جہاد قبول نہیں ہو گا اور ایک اور جگہ مسلم کی ایک حدیث میں یہ بات آتی ہے کہ جو شخص بھی اللہ کے رستے میں زخمی ہوتا ہے......فی سبیل اللہ تعالی ...... اللہ کے رستے میں زخمی ہوتا ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ ...... اور اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اللہ کے رستے میں کون زخمی ہوا؛ چھوٹی سی بات ہے، حدیث آگے جاری رہتی ہے لیکن اس ایک ٹکڑے نے بات واضح کر دی کہ یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ واقعتاً اخلاص کے ساتھ کون اترا تھا، اللہ کے ہاں فی سبیل اللہ کون تھا، اللہ کے ہاں کون قبول ہوا تھا، تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں؛ یعنی معاملہ سیدھا...... مجاہد کا معاملہ براہ راست اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہے، نہ امیر کے ساتھ ہے نہ کسی اور کے ساتھ ہے، ساری دنیا اس سے راضی ہو جائے لیکن اگر اللہ کے ہاں عمل رد ہو جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس کو۔ اللہ جانتے ہیں کہ کون اللہ کے رستے میں زخمی ہو رہا ہے، کون اللہ کے رستے میں جان دے رہا ہے۔ اللہ جانتے ہیں کہ اتنے مقتولین میں سے شہید اللہ کے ہاں کون ہے؟ اللہ جانتے ہیں کہ اتنے خرچ کرنے والوں میں سے کس کا خرچ کرنا قبول ہوا؟ اتنی تھکن برداشت کرنے والوں میں سے کس کی تھکن اللہ کے ہاں قبول ہوئی؟ یہ اللہ بہتر جانتے ہیں۔ تو جو اللہ ہی کے رستے ہی میں زخمی ہوتا ہے پھر حدیث پوری ہوتی ہے کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس کا زخم جو ہے وہ ابل رہا ہو گا۔ صرف تھوڑا تھوڑا قطرہ قطرہ خون نہیں بہہ رہا ہو گا بلکہ یوں جیسے بالکل تازہ زخم لگتا ہے اس طرح اس سے خون ابل رہا ہو گا...... اور اس کا رنگ اسی طرح ہو گا جیسے خون کا رنگ ہوتا ہے لیکن خوشبو ویسی ہو گی جیسے مشک کی ہوتی ہے۔ اگر اخلاص نیت موجود ہو تو اللہ کے ہاں وہ زخم قبول ہے اگر اخلاص نیت نہ ہو تو وہ رد ہے۔

اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے جس کے اندر یہ بات آتی ہے کہ وہ تین افراد جو جہنم میں ڈالے نہیں جائیں گے، بلکہ حدیث کہتی ہے کہ وہ تین افراد جن کے اوپر جہنم کی آگ گرم کی جائے گی، جو ایندھن بنیں گے تو جہنم کی آگ گرم ہو گی، وہ سب سے پہلے تین افراد جو جہنم کا ایندھن بنیں گے قیامت کے دن، ان میں سے تین عظیم الشان اعمال والے لوگ ہوں گے؛ ایک شہید ہو گا، ایک سخی ہو گا اور ایک عالم ہو گا۔ اور اللہ ہر ایک سے باری باری پوچھیں گے کہ

تونے خرچ کس کے لیے کیا، جہاد کس کے لیے کیا، اور قتل کس کے رستے میں ہوا اور تو نے علم کس کے لیے حاصل کیا اور وہ تینوں یہی کہیں گے کہ اے اللہ تیرے رستے میں۔ اس لیے کہ ظاہراً دنیاوالوں نے ان کو یہی کہا، دنیاوالوں نے یہی ان کی حقیقت سمجھی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو رد کر دیں گے اور نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ من ذالک ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر پھر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ تو یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ جب سناتے ہیں تو ایک دفعہ سنانا شروع کی تو بے ہوش ہو جاتے ہیں دوسری دفعہ سنانا شروع کی پھر بے ہوش ہوگئے تیسری دفعہ سنانا شروع کی اور اپنے اوپر مشکل سے ضبط رکھتے ہوئے روتے ہوئے یہ پوری حدیث سنائی، اس لیے کہ جب اتنے بڑے اعمال بھی نیت کے کسی کھوٹ کی وجہ سے رد ہو جاتے ہیں تو پھر اور کون سی چیز ہے جو باقی بچتی ہے؟ اس سے بڑا کون سا عمل کوئی لا سکتا ہے؟ شہادت سے بڑا کون سا عمل ہے جو کوئی لا سکتا ہے؟ اپنا مال اللہ کے رستے میں نکال دینے سے بڑی کیا چیز ہے جو کوئی لا سکتا ہے؟ عالم ہونے سے بڑا اور کون سا مقام ہے جو کوئی لا سکتا ہے؟ لیکن اگر یہ بھی قبول نہیں اخلاص نیت کی کسی کمی کی وجہ سے تو اور کیا قبول ہو گا؟ تو یہ مسئلہ اتنا خطرناک ہے! تو پہلی بات کہ ہر بھائی اپنے اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ، میں بھی اور آپ بھی کہ ہم کس لیے یہاں پر بیٹھے ہیں؟ اپنے آپ سے یہ سوال ہر کچھ عرصے بعد کرنے کی اور قدم قدم پر کرنے کی ضرورت ہے کہ اولاً میں یہاں آیا کیوں ہوں؟ اللہ کرے کہ ہم سب کی نیتیں یہاں آتے ہوئے واقعتاً اللہ کے لیے خالص ہوں اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات...... اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے...... ہر بندے کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی...... تو جس کی ہجرت واقعتاً اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے...... تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے ہاں قبول بھی ہو گی...... لیکن جس کی ہجرت دنیا کی طرف تھی، دنیا پانے کی خاطر تھی...... یا کسی عورت کی طرف تھی، اس سے شادی کرنے کے لیے وہ ہجرت کر کے آیا تھا...... تو اس کی ہجرت اسی کے لیے تھی جس کے لیے وہ آیا تھا...... مطلب اس کو دنیا مل جائے گی، جو عورت کے پیچھے گیا اس کو عورت مل جائے گی لیکن اس کو اللہ نہیں ملے گا۔

اعمال کی قبولیت جس پہلی چیز پر کھڑی ہے وہ یہ بات ہے کہ ہماری ہجرت کس کے لیے ہے؟ ہمارا جہاد کس کے لیے ہے؟ ہم نکلے کس کے لیے ہیں؟ اگر اس میں کوئی کھوٹ رہ بھی گیا تھا تو اب تجدید نیت ہو سکتی ہے۔ اس نیت کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اس کو تازہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا ہر لمحہ ہر کام کرتے ہوئے نیت تازہ رکھنا، نیت تازہ رکھنے کی کوشش کرنا اور اس کا اہتمام کرنا کہ ہماری ہر تھکن، ہر کام، ہر بھاگ دوڑ، سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہو۔ شیخ ابو خباب المصریؒ جب

اعمال کی قبولیت جس پہلی چیز پر کھڑی ہے وہ یہ بات ہے کہ ہماری ہجرت کس کے لیے ہے؟ ہمارا جہاد کس کے لیے ہے؟ ہم نکلے کس کے لیے ہیں؟ اگر اس میں کوئی کھوٹ رہ بھی گیا تھا تو اب تجدید نیت ہو سکتی ہے۔ اس نیت کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اس کو تازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں بارود کا دورہ کروا رہے تھے تو ایک کتاب تھی کسی عالم کی اس میں سے وہ کچھ اقتباسات پڑھ کے سناتے تھے، دل کے امراض کے حوالے سے شریعت نے جو علاج دیے ہیں اس کے اوپر کچھ گفتگو تھی۔ اس میں ایک بات یہ تھی کہ دل کی صحت کی علامت کہ دل کسی کا مریض نہیں ہے، اس کو مرض نہیں لاحق ہے اس میں سے ایک علامت یہ ہے کہ...... کوئی فرد جتنا اہتمام اس بات کا کرتا ہے کہ زیادہ عمل کرے اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا کرتا ہو کہ جو عمل کر رہا ہے اس میں نیت درست ہو...... تو یہ دل کے درست ہونے کی علامت ہے۔

قیامت کے دن ایسے لوگ آئیں گے جن کے ساتھ پہاڑ جیسے اعمال ہوں گے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا[1]...... ہم ان کے اعمال کی طرف بڑھیں گے اور اس کو خس و خاشاک کی طرح دھول بنا کے اڑا دیں گے۔ کچھ نہیں ہو گا کچھ بھی باقی نہیں بچے گا ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ سورۂ نور میں اس طرح آتا ہے کہ أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً...... ان کے اعمال ایسے ہوں گے جیسے صحرا میں کسی کو سراب نظر آتا ہے، دور سے ان کو یوں لگ رہا ہو گا کہ جیسے بہت پانی ہے، بہت اعمال ہیں ان کے، لیکن جب قریب آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے کہ وہاں پر پہنچیں گے تو کیا پائیں گے؟ اللہ کو وہاں پر موجود پائیں گے۔ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ...... اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا حساب دیں گے، اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں۔ تو معاملہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بڑے بڑے اعمال ہوں لیکن نیتوں میں کھوٹ ہو تو سب ضائع ہیں اور اس کے برعکس نیتیں خالص ہوں تو ہو سکتا ہے ایک شخص اپنے بستر پر جان دے رہا ہو، گھر میں بیٹھا ہو یہاں پہنچا بھی نہ ہو وہ اپنی نیت کی وجہ سے ہم سے اونچے درجے اللہ کے ہاں پا جائے۔ اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ جہاد کے لیے انسان نہ نکلے، شریعت معاف ہو گئی۔ یہ اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جو صرف اپنے صدق نیت کی وجہ سے کہ جس نے صدق نیت سے اللہ سے شہادت مانگی، اللہ اس کو شہداء تک، اس کی منزلوں تک پہنچائیں گے حالانکہ وہ عملاً شہید نہیں ہوا لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بھی ثواب میں وہاں تک پہنچا دیں گے۔ تو ایک بندہ جو واقعتاً یعنی اس سے مراد وہ شخص نہیں کہ جس کے پاس کوئی عذر نہیں اور وہ بیٹھا ہوا ہے، اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کوئی عذر ہے کوئی بوڑھی خاتون ہے، وہ اپنی جان پیش کرنا چاہتی ہے، کوئی بوڑھا مرد ہے جو اپنے آپ کو پیش کرنا چاہتا ہے نہیں کر پاتا، شرعی طور پر وہ عند اللہ معذور ہے۔ شریعت میں جن چیزوں کو عذر قرار دیا گیا ہے ان چیزوں میں سے کوئی عذر اس کے پاس موجود ہے، تو جو شرعی عذر سے وہاں رکے ہوئے ہیں اور ان کی تڑپ ہماری تڑپ سے زیادہ سچی

[1] سورۃ الفرقان: ۲۳

ہے ان کا اللہ کے ساتھ جو سچائی و صدق کا معاملہ ہے وہ ہم سے بہتر ہے، تو ہو سکتا ہے وہ ہم سے اونچے درجے پا رہے ہوں حالانکہ وہ گھر پر بیٹھے ہیں۔ جیسے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم کچھ ایسے لوگوں کو مدینہ چھوڑ آئے ہو کہ جو داوی تم نے طے کی اور جتنی مسافت بھی تم نے پار کی وہ سب میں تمہارے ساتھ تھے حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں لیکن وہ سب تمہارے ساتھ تھے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جن کو شرعی عذر نے روک دیا تھا! تو جو شرعی عذر سے رکے اور نیتیں خالص تھیں ہو سکتا ہے وہ بڑے بڑے اعمال کرنے والوں سے بھی آگے نکل جائیں اخلاص نیت کی بدولت۔

تو پیارے بھائیو اس بات کا ایک مجاہد کو اہتمام کرنے کی ضرورت ہے اگر وہ عند اللہ مقبولیت چاہتا ہے، اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا جہاد اللہ کے ہاں مقبول ہو کہ وہ ہر قدم پر یہ دیکھے کہ میں امیر کی خاطر تو یہ کام نہیں کر رہا؟ اور اس میدان کے اندر ہوتا یہی ہے کہ انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسا کوئی کام نہ کرے کہ جس سے امراء ناراض ہوں اور ایسا کوئی کام کرے کہ جس سے امراء خوش ہوتے ہوں۔ تو اگر تو یہ نیت اس لیے ہے کہ ان کا حکم ماننا اللہ کا حکم ہے اور اس لیے میں اس کو پورا کر رہا ہوں تو یہ ایک بات ہے، لیکن اگر اس میں کبھی کبھی وہ خود مقصود بن جائے، ان کی رضا اور ان کی عدم رضا خود مقصود بننا شروع ہو جائے تو عملاً ہم نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک کیا۔ تو یہ نیت خالص رکھنا کہ میں امراء کے لیے نہیں کر رہا اللہ کے لیے کر رہا ہوں، میں ساتھیوں کے لیے نہیں کر رہا اللہ کے لیے کر رہا ہوں، میں کسی خاص فرد کے لیے، جس سے مجھے محبت ہے اس کی وجہ سے میں جہاد میں نہیں آیا، میں خاص اللہ کے لیے جہاد میں آیا ہوں، سب شہید ہو جائیں گے تو بھی میں جہاد جاری رکھوں گا، فَقَاتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفۡسَكَ[1]...... اکیلے اللہ کے رستے میں جنگ کرو تم پر اپنی جان کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں...... میں اکیلے ہی لڑوں گا مجھے کسی کے اور کے رہنے نہ رہنے، باقی رہنے، شہید ہو جانے یا پھر جانے سے، جہاد سے بیٹھ جانے سے، اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو یہ نیت کا جائزہ ہر چھوٹے چھوٹے کام جو بھائی کرتے ہیں ناں، آپ یہاں پیاز کاٹ رہے ہیں، کھانا پکا رہے ہیں، پانی بھر کے لا رہے ہیں، گاڑی چلا رہے ہیں، پہاڑ چڑھ رہے ہیں، یہ جتنی تھکن ہے...... کتنی حماقت ہو گی کہ یہ ساری تھکن اللہ کے لیے نہ ہو؟!

مثال دیتا ہوں کہ ہم آج جو یہ دو گھنٹے پار کر کے آئے ہیں، اب ہو سکتا ہے کہ ایک سفر میں ہم تین بندے شریک ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اللہ کے ہاں کس کی تھکن قبول ہوئی اور کون وہ ہے جو بس ایسے ہی تھکا ہے، ملا اس کو کچھ بھی نہیں، یہ اللہ بہتر جانتے ہیں؛ تو یہ نیت کی بنیاد پر ہے کہ میں نے نیت کی تجدید کی کہ نہیں کی؟ میں نے اللہ کو حاضر ناظر جان کے اللہ کی طرف اپنے اس پورے عمل کو اللہ کے لیے خالص کیا کہ نہیں کیا؟ تو وہ وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلٗا ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔ تبتّل کہتے ہیں...... سورۂ مزمل میں آتا ہے، عربی میں استعمال ہوتا ہے کہ جو تعلق ایک بیوی کا شوہر کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلیتاً اس کی ملکیت سمجھتی ہے اور اس کے لیے دنیا میں شوہر کی ذات محور ہوتی ہے، اس کی کل زندگی کا سب کچھ وہی ہوتا ہے، اس کا شوہر اس کا سب سرمایہ ہوتا ہے اور اس سے زیادہ عزیز چیز اس کے نزدیک اور کوئی نہیں ہوتی؛ مرد کا معاملہ مختلف ہے، لیکن بیوی کا جو تعلق ہوتا ہے وہ بالکل مختلف ہے۔

شادی کے بعد اس کی پوری زندگی اسی کے گرد گھومتی ہے تو جو بیوی کا تعلق ہوتا ہے اس کو تبتّل کہا جاتا ہے۔ وہ بیوی جو ہے وہ اپنے آپ کو خالص کر لیتی ہے نکاح میں داخل ہونے کے بعد شوہر کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلٗا...... اللہ کے لیے تبتّل اختیار کرو ایسے اللہ کے ہو جاؤ کہ بس اللہ ہی کے ہو جاؤ۔ اور تمہارا انگ انگ رخ رخ اللہ کی طرف ہو اللہ کے سوا کسی اور کی طرف نہ ہو۔ تو پیارے بھائی! یہ پہلی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی نیتیں خالص کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اس گفتگو کرنے اور اس گفتگو سننے کو بھی اپنے لیے خالص کرنے کی توفیق دے، آمین۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] سورۃ النساء: ۸۴

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بسنے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔

’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ (سابقہ ’نوائے افغان جہاد‘) ہے۔ لہٰذا ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے تمام معزز قارئین سے گزارش ہے کہ مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کو تمام مکاتبِ فکر سے وابستہ علمائے کرام، طلبائے علمِ دین، داعیانِ دین...... اور اہلِ فکر و دانش، طلبہ، اساتذہ، صحافیوں، سماجی کارکنوں، ملازمت پیشہ حضرات...... الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اہلِ ایمان تک پہنچایئے اور اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ ڈالیے!

صدی کا بہترین سودا...یا...صدیوں سے جاری صلیبی جنگ؟!

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ

ذیل میں حکیم الامت، امیر المجاہدین العرب والعجم، فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم العالیہ) کے جدید بصری بیان 'صفقة القرن أم حملات القرون' کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ شیخ محترم کے بیان کو شیخ کی ہدایات کے مطابق 'ادارہ السحاب (عربی)' نے مختلف حقائق، اعداد و شمار اور شخصیات کے بیانات کے اقتباسات کے ذریعے مرتب کیا ہے۔ زیرِ نظر ترجمے میں بھی اسی انداز کو بحال رکھا گیا ہے۔ شیخ ایمن کی گفتگو کی عبارتوں کو عام حالت میں رکھا گیا ہے جبکہ دیگر شخصیات کی گفتگو یا اقتباسات کو واوین "" میں بند کر دیا گیا ہے۔ (ادارہ)

بسمِ اللہ و الحمدُ للہ والصلاۃ والسلامُ علی رسولِ اللہ وآلہ وصحبِہ ومن والاہ

دنیا بھر میں بسنے والے میرے عزیز مسلمان بھائیو اور بہنو......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی ابتدا سے لے کر اب تک مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان آتشِ جنگ کے شعلے نہیں بجھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج مغرب کا پیشوا امریکہ، خطرناک تر اقدامات کرتے ہوئے اسرائیل کو تقویت پہنچانے کی کوشش میں ہے، جیسا کہ اپنا سفارت خانہ یروشلم منتقل کرنا، گولان کو اسرائیل کا حصّہ بنانے کا اعلان کرنا اور منامہ مذاکرات کو بطور رشوت فلسطینوں کے سامنے پیش کرنا تا کہ وہ اپنی زمینیں ان کے ہاتھوں فروخت کر دیں۔

ٹرمپ:

> "اس نقطۂ نظر کے تحت، یروشلم اسرائیل کا 'غیر منقسم' ---اور (میں) یہ انتہائی ضروری بات کہہ رہا ہوں---'غیر منقسم' دارالحکومت رہے گا، لیکن ہم کبھی بھی اسرائیل سے اس کی سکیورٹی پر سمجھوتہ کرنے کو نہیں کہیں گے (کہ اسرائیل یروشلم میں عملاً دار الحکومت بنا کر خطرے کا شکار ہو جائے)۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں میں نے اسرائیل کے لیے بہت کچھ کیا ہے: امریکہ کا سفارت خانہ یروشلم میں منتقل کرنا اور گولان کو اسرائیل کا حصہ تسلیم کرنا۔"

نیتن یاہو:

> "بیک وقت اسرائیل اپنے قوانین کا اطلاق وادیٔ اردن پر بھی کرے گا، یہودیہ اور سامریہ کی تمام یہودی بستیوں پر اور تمام دیگر علاقوں پر بھی، جنہیں آپ کا منصوبہ اسرائیل کا حصّہ مقرر کرتا ہے، اور جنہیں اسرائیل کا حصّہ ماننے کے لیے امریکہ رضامند ہے۔ مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔"

آج، میں اپنے بھائیوں کو مسلمانوں اور صلیبیوں کے مابین اس کشمکش کے کچھ تاریخی حقائق مختصراً یاد دلانا چاہتا ہوں۔

اوّل، اس تنازع کی نوعیت کیا ہے؟

اس تنازع میں مذہبی پہلو سب سے اہم ہے۔ اسی طرح جدوجہد بھی طویل ہے، یہ ماضی میں جاری رہی ہے اور جب تک اللہ چاہے جاری رہے گی۔ دورِ حاضر میں صہیونیوں نے اہلِ مغرب سے اتحاد کر لیا ہے، جو کہ از خود ایک لمبی لیکن معلوم رُوداد ہے۔

عام طور پر اہلِ مغرب اپنے جذبات و خیالات پوشیدہ نہیں رکھتے، لیکن ہم میں سے بہت سے اپنے سامنے موجود حقیقت کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔

یہ مقامی نہیں بلکہ بین الاقوامی جدوجہد ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مقامی جدوجہد کو اس وسیع تر جدوجہد سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ امر واضح ہے تو ہمیں یہ سوال اُٹھانے کی ضرورت ہے کہ **"اس جارحیت کا مقابلہ کرنے کے بنیادی اُصول کیا ہیں؟"**۔

میں کچھ گہرائی سے اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ اور ایسا کرتے ہوئے ممکن ہے کہ میں کچھ ایسی باتیں دہراؤں جو میں پہلے پیغامات میں کہہ چکا ہوں۔ مجھے ہماری جدوجہد سے متعلق بنیادی نقاط دہرانے میں کچھ نقصان نظر نہیں آتا۔

دعوتِ جہاد اور آگاہی بڑھانا

یہ جہاد وسیع تر محاذ کی نمائندگی کرتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ جہاد، تلوار اور اسلحے کے جہاد (قتال) سے زیادہ ضروری ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ اس وسیع تر محاذ کے متعلق اپنی بات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے میں ان نکات پر بات کرنا چاہتا ہوں:

- آگاہی کی جنگ
- اخلاقی تربیت کا جہاد
- دعوت کا معرکہ
- سیاسی جہاد
- اتحاد

جہاں تک آگاہی کی جنگ کا تعلق ہے یہ اہم ترین جنگوں میں سے ایک ہے۔ سوچی سمجھی سازشی اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے آگاہی کے فقدان کے ذریعے امتِ مسلمہ کو گمراہ کیا جاتا ہے، دھوکہ دیا جاتا ہے اور اس کی صلاحیتوں کو ضائع کیا جاتا ہے۔ جہاد کے اس اہم پہلو پر قابلِ فہم طریقے سے بات کرنے کے لیے میں چند سوالات اٹھاتا ہوں:

پہلا سوال: ہمارا دشمن کون ہے؟
دوسرا سوال: ہم الولاء والبراء کے عقیدے کو بطور اسلوبِ حیات پھر سے کیسے جِلا دے سکتے ہیں؟
تیسرا سوال: ہم کس سے رہنمائی چاہیں اور کس کی پیروی کریں؟
جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ ہمارا دشمن کون ہے...... تو اس میں کوئی اشتباہ نہیں کہ ہمارے دشمنوں میں مغربی دنیا کے بین الاقوامی مجرم جن میں امریکہ سرِفہرست ہے اور مقامی حکمرانوں میں ان کے اجرتی نوکر، روس، چین، ہندوستان اور ایران شامل ہیں۔
لیکن آج میں دشمن کی ایک خطرناک قسم کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، یعنی وہ ریاستیں جو مغرب کے تابع فرمان ہیں اور امت کے تحفظ کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مضر سازش میں مؤثر ہتھیار ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ریاستیں مساجد تعمیر کریں، حفظِ قران کی حوصلہ افزائی کریں اور پوری اسلامی دنیا میں ضرورت مندوں اور تارکین وطن کی مدد کریں۔ ان میں سے کچھ ریاستیں ایسی شخصیات کی میزبانی کرتی ہیں جو فیاضی سے ان کی تعریفیں تو کرتے ہیں لیکن ان کے جرائم اور غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ان ریاستوں میں سے زیادہ تر کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ اسلامی دنیا میں امریکی-صہیونی منصوبے کے سرگرم حصہ دار ہیں۔ ان میں سے کچھ نے اسرائیل کے ساتھ خفیہ تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔ جبکہ دوسری ریاستیں یہی کام ڈنکے کی چوٹ پر کرتی ہیں اور پوری دنیا کے سامنے اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لاتی ہیں۔
ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ ریاستیں عرب انقلابات اور مسئلۂ فلسطین کی حمایت اور دفاع کا دعویٰ بھی کرتی ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ ریاستیں اسرائیل کے ساتھ دفاعی معاہدوں کے جوہڑ میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ان کی سرزمینیں امریکی فوجی اڈوں کے زیرِ قبضہ ہیں۔ حتیٰ کہ یہ ریاستیں نیٹو اور تعاون برائے علاقائی تحفظ کے جھنڈوں تلے خود اپنی افواج لڑنے کے لیے افغانستان اور صومالیہ میں بھی بھیجتی ہیں۔ ان میں سے کچھ ریاستیں اسرائیل سے تعلقات معمول پر لانے کی کھلی کوششیں بھی کرتی ہیں۔
یہ ریاستیں عوامی نظر میں اپنا تاثر بطور ''محافظینِ امتِ اسلامیہ'' پیش کرنے میں انتہائی سرگرم ہیں، اور اسی دوران اُمت کی دولت ضائع کرتی ہیں، زمینوں اور عوام کو قابض سامراجی قوتوں کے حوالے کرتی ہیں اور اُمت کے ایمان و اخلاق کو خراب کرنے کے لیے سازشوں پر عمل درآمد کرتی ہیں۔ خطرناک تر بات یہ کہ یہ دھوکے باز میڈیا اور علم و دانش کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے اُمت میں آگاہی کا دانستہ اور سوچا سمجھا فقدان پیدا کرنا چاہتی ہیں۔
اپنے نقطے کی وضاحت کے لیے میں ایک زندہ مثال دیتا ہوں اور اس کی تکمیل کے لیے استعمال ہونے والی چکر بازی اور فریب پر تفصیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔
الجزیرہ نے ''اللاعبون بالنار'' کے نام سے ایک فلم ریلیز کی ہے، جس میں انہوں نے دو افراد کو پیش کیا اور بے جا طور پر ان کا تعلق القاعدہ سے بتایا ہے۔ انہوں نے ایک کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے ''القاعدہ کی قیادت'' میں سے بتایا ہے، جبکہ دوسرے کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ وہ القاعدہ کے قریبی گروہ سے منسلک ہے، یوں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دونوں کے بحرینی انٹیلی جنس اداروں سے تعلقات تھے۔ کہانی میں بتایا جاتا ہے کہ پہلا شخص کچھ شیعہ شخصیات کو مارنے پر، جبکہ دوسرا ایران کی جاسوسی کرنے پر رضامند ہوتا ہے۔ اسی فلم میں الجزیرہ نے ایک سابقہ امریکی انٹیلی جنس افسر کی گواہی بھی شامل کی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے شیخ ابو زبیدہ کی جیب سے ڈائری ملی جس میں تین سعودی شہزادوں کے فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔
میں کردار کشی کی اس زبردست مثال پر تفصیل سے درج ذیل عنوانات کے تحت بات کرنا چاہتا ہوں:
- سراب بیچنا اور حقیقت چھپانا
- کیا تاریخی اعتبار سے الجزیرہ، القاعدہ کے خلاف الزام تراشی کر تا رہا ہے؟
- الجزیرہ کردار کشی کی مہمات کیوں چلاتا ہے؟ من و عن یہ کہ الجزیرہ اور جماعت القاعدہ کے درمیان مسئلہ کیا ہے؟
جہاں تک سراب بیچنے اور حقیقت کو چھپانے کا تعلق ہے، اس فلم میں جو میڈیا کی فریب کاری کی بہترین مثال ہے ناظرین کو کئی جھوٹ بیچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بیک وقت بہت سی اہم سچائیوں کو چینل چھپاتا اور بیان کرنے سے کتراتا ہے۔
الجزیرہ اپنے سامعین کو کون سے سراب بیچنے کی کوشش کرتا ہے:
پہلا سراب: محمد صالح علی محمد اور اس کے اعترافات کو القاعدہ سے جوڑنا
دوسرا سراب: ابو حفص بلوچی سے منسلک چیزوں کو القاعدہ سے جوڑنا
تیسرا سراب: سابقہ امریکی انٹیلی جنس اہلکار کے الزامات
پہلے سراب کے بارے میں ہمارا جواب سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ محمد صالح علی محمد کا القاعدہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اس نے بحرین کی انٹیلی جنس کے ساتھ تعاون کرنے کے بارے میں جو کچھ بھی کہا، اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس نے سچ بولا ہے اور اس سے یہ اعترافات جبراً نہیں لیے گئے تو بھی وہ مکمل طور پر القاعدہ کے منہج کے متضاد ہے۔ الجزیرہ کی بہتان تراشی کو کچرہ دان میں پھینکنے کے لیے یہ دلیل واحد ہی کافی ہے۔ لیکن وجوہات کے دیگر تین مجموعے الجزیرہ کے الزامات کو ان کے لیے مزید باعثِ شرمندگی بناتے ہیں۔
پہلے مجموعے کا تعلق اس کے بیان کو الجزیرہ کی جانب سے نیا رنگ دینے کی اساسی وجوہات سے ہے۔
دوسرے مجموعے کا تعلق اس سے روا رکھے سلوک کی وجوہات سے ہے۔
تیسرے گروہ کا تعلق منحرف گروہوں اور دوسروں کے لیے کام کرنے والی ریاستوں کے بارے میں ہمارے منہج اور اس کے بارے میں ان نظریات سے ہے جو کئی دہائیوں سے ہمارا موقف ہیں۔

جہاں تک الجزیرہ کی جانب سے اس کے الفاظ کو نیا رنگ دینے کا تعلق ہے... محمد صالح علی محمد نے الجزیرہ کی طرف سے اس سے منسلک کیے گئے اعتراف میں یہ نہیں کہا کہ وہ القاعدہ کا رکن ہے۔ بلکہ اس نے یہ کہا کہ بحرینی انٹیلی جنس کے افسر نے اس سے کہا "تم جماعت القاعدہ کے ارکان اور مجاہدین میں سے ہو"۔ الجزیرہ نے بحرینی انٹیلی جنس کے افسر کے قول کے بارے میں کم گوئی برتی۔ الجزیرہ نے ایک اور بڑا ڈگ بھرا اور محمد صالح علی محمد کو اس سے بھی بڑا عہدہ عنایت کیا اور اسے القاعدہ کے سربراہان میں سے ایک مقرر کر دیا۔

یہ الزامات کا ایک مجموعہ ہے جو الجزیرہ کی جانب سے برتے جانے والے سابقہ رویے کی رو سے حیرانی کا باعث نہیں ہے۔

"القاعدہ کے رہنماؤں" والی کہانی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی۔ اسے پہلے ابراہیم البدری (ابو بکر بغدادی) نے اپنا جھوٹ طشت از بام ہونے تک استعمال کیا۔

اور کیا بحرین میں القاعدہ کے ارکان کی موجودگی پر امریکہ خاموش رہے گا اور انہیں گرفتار کر کے گوانتاناموبے نہ بھجوائے گا، باوجود اس حقیقت کے کہ گوانتاناموبے میں ایسے بحرینی موجود ہیں جن پر القاعدہ سے تعلقات کا الزام ہے!

وجوہات کے دوسرے گروہ کا تعلق محمد صالح محمد کے ساتھ برتا جانے والا خصوصی سلوک ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ القاعدہ کے کسی رہنما کے ساتھ اتنی نرمی برتی جائے کہ اسے صرف چند ماہ ہی حراست میں رکھا جائے، جس دوران وہ نہ صرف اپنے خاندان سے بلکہ ریاض میں بحرینی سفارت خانے سے بھی رابطہ کرے؟

مزید بر آں، یہ شخص اپنی مرضی سے بات کرتا ہے اور اپنی خواہش کے معاملات پر خاموش بھی رہتا ہے؟ اور اپنے تفتیش کاروں کے سامنے ایسے مضحکہ خیز جملے کہتا ہے... "میں نے ساتھیوں کے ساتھ اپنی فون کالوں کے بارے میں اور ہتھیاروں کے تصرف اور مطالبے کی وجہ پر بات کرنے سے گریز کیا"۔ (!!!)

تفتیش کاروں نے اس سے انتہائی نرمی برتی۔ فلم میں بتائی گئی کہانی کے مطابق کئی ماہ گزر جانے کے بعد تفتیشی اہلکار اس سے کہتے ہیں "اپنے آپ کو بچاؤ۔ دیکھو، قید میں تمہارا وقت بہت لمبا ہو گا...... کس وجہ سے تم نے اپنے بھائیوں سے رابطے کیے؟" اور وہ جواب دیتا ہے "میں آپ سے اب کچھ کہنا چاہتا ہوں...... یہ بتانے میں مجھے کچھ دیر ہوئی"۔

کیا یہ ممکن ہے کہ سعودی تفتیش کار القاعدہ کے ایسے رہنما کی منت سماجت کریں جسے قیادت کے دیگر ارکان کے ساتھ رابطے کے الزام میں قید کیا گیا ہو اور وہ بڑی نرمی سے انکار کر دے اور پھر اپنی گرفتاری کے کچھ ماہ بعد اپنی مرضی سے ہی انکشافات کرنا شروع کر دے؟

یا ایسا ہو گا کہ شروع سے ہی خالد شیخ محمد (اللہ انہیں جلد رہائی عطا فرمائے) کی طرح اسے لٹکایا جائے، کوڑے مارے جائیں، بجلی کے جھٹکے دیے جائیں اور پانی میں ڈبکیاں لگوانے کی اذیتیں دی جائیں، یا کولہے کی ٹوٹی ہڈی ہلا کر شیخ ابو زبیدہ (اللہ انہیں جلد رہائی عطا فرمائے) کی طرح، جن پر اس فلم میں کیچڑ اُچھالا گیا ہے، اسے اذیت دی جائے؟

پھر وہ اپنی کہی بات سے یہ کہہ کر اختلاف کرتا ہے کہ تفتیش کے نگران سعودی اہلکار نے اس سے کہا، "تم خود کو بچا سکتے ہو، یہ مسئلہ گھمبیر ہے۔ تفتیش کے بعد ہم نے بحرینیوں کو یہی بتایا ہے کہ اس شخص کے خلاف کچھ بھی نہیں ملا...... لیکن دیکھو بحرینی ہمیں رپورٹیں بھیج رہے تھے کہ یہ شخص سعودی عرب یا بحرین میں امریکی اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی الجزیرہ کہتا ہے کہ شاہ نے اس شخص کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لیے وفد سے بھی بڑھ کر ایک گروہ بھیجا!

یہ چیز اس کے اس بیان سے مطابقت میں کیسے ہو سکتی ہے کہ بحرینیوں نے اس پر امریکی اہداف کو نشانہ بنانے کی سازش کا الزام لگایا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ امریکی کسی ایسے شخص کو گوانتاناموبے بھیجے بغیر نظر انداز کر دیں جس پر امریکی اہداف کو نشانہ بنانے کی منصوبہ بندی یا القاعدہ سے روابط کا الزام ہو؟ کیا سعودی انٹیلی جنس کے اہلکار کسی ایسے شخص کے بارے میں، جو الجزیرہ کے مطابق القاعدہ کے رہنماؤں میں سے ہے اور سعودی عرب میں القاعدہ کے رہنماؤں سے رابطے کی کوشش میں تھا، یہ کہہ کر بات کو موقوف کر سکتے ہیں کہ "اس شخص کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہوا......یہ بے قصور ہے"۔

مزید بر آں، اگر وہ القاعدہ کا رہنما ہوتا جیسا کہ الجزیرہ نے الزام لگایا ہے تو الجزیرہ کی منطق کے مطابق بحرین میں دیگر قیادتی عناصر بھی ہوتے، کیونکہ ان کے استعمال کیے الفاظ کے مطابق 'قیادات'، 'قیادة' کی جمع ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محمد صالح علی محمد بحرین میں القاعدہ کے رہنماؤں میں سے ایک ہو اور دیگر رہنماؤں سے مشاورت کیے بغیر ہی اپنے منصوبوں پر عمل کرے؟ اور پھر اس نے اس اہم معاملے کے بارے میں القاعدہ کی مرکزی قیادت سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ کس نے اسے اجازت دی کہ وہ اپنی مرضی سے ہی بحرینی انٹیلی جنس کے ساتھ سمجھوتہ کرے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ القاعدہ کے رہنماؤں میں سے ہو اور القاعدہ کے ضابطۂ کار کا پابند ہو اور پھر معاملے کے بارے میں شاہ کے علم کو اپنے سمجھوتے کی بنیاد بنائے، جبکہ القاعدہ شاہ کو مرتد، غدار اور مغرب کا آلۂ کار سمجھتی ہے؟

تو محمد صالح کے بیانات میں واضح تضادات اور چھید نظر آتے ہیں۔ سو یہ ناممکن ہے کہ کوئی فرد القاعدہ کا قریبی ہو یا اس پر قریبی ہونے کا شبہ ہو اور اس کے ساتھ ایسی نرمی برتی جائے...... خاص کر کوئی ایسا شخص جو الجزیرہ کی دروغ گوئی کے مطابق جماعت القاعدہ کے رہنماؤں میں سے ہے۔

اس سے بھی بدتر یہ بات ہے کہ بحرین کا بادشاہ القاعدہ کے رہنما کو پاس کیوں بلائے گا اور اس کی مشکلات کے لیے اس سے تلافی کا وعدہ کرے۔ کیا الجزیرہ یہ کہنا بھول گیا کہ شاہِ بحرین بھی القاعدہ کے رہنماؤں میں سے ہے؟! کہاوت ہے کہ "اگر جھوٹ بولنے کے عادی ہو تو کم از کم مردانگی تو دکھاؤ"۔

القاعدہ کے ارکان یا اس جماعت سے مشتبہ رابطے والوں کو گوانتاناموبے بھجوایا جاتا ہے جہاں ان پر تشدد ہوتا ہے۔ سعودی عرب میں ان پر سنگین تشدد کیا جاتا ہے اور بالآخر انہیں مار دیا جاتا ہے یا

عمر قید ہوتی ہے۔ انہیں چار ماہ کے پُر آسائش برتاؤ کے بعد رہا نہیں کر دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بھی گوانتانامو میں ایسے بحرینی موجود ہیں جن پر القاعدہ سے تعلقات کا الزام ہے۔

پھر وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی نیت سعودی عرب میں القاعدہ کے ارکان سے ملنے کی تھی، لیکن وہ ان کی شناخت ظاہر نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے دعوؤں میں سچا ہے تو اس نے سعودی تفتیش کاروں کو ان کے نام تو بتائے ہوں گے۔ لیکن وہ اپنے ناظرین کو نہیں بتاتا کہ آیا ان افراد پر بھی اس کی طرح القاعدہ سے تعلقات کے جھوٹے الزامات ہیں یا نہیں؟

یہ بات بھی عجیب ہے کہ القاعدہ نے جزیرہ نما عرب اور سعود خاندان کے زیرِ اختیار علاقوں میں شیعوں سے لڑائی نہیں کی، بلکہ مغربی مفادات کو نشانہ بنا کر اور پٹرولیم کی چوری کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے شیخ اسامہ بن لادن کے احکام کا نفاذ کیا۔ بعد ازاں جماعت نے سعودی سکیورٹی اداروں کو جماعت کے خلاف جارحیت کی وجہ سے نشانہ بنایا۔ تو پھر جزیرہ نما عرب میں القاعدہ اپنے ہی طریقۂ کار (جو شیخ اسامہ کی ہدایات کے مطابق ہے) کے خلاف جا کر شیعہ شخصیات کو مارنے میں اس شخص کی مدد کیوں کرے گی؟ اور وہ بھی ایسی دغاباز حکومت کے لیے جسے جماعت پہلے ہی مرتد گردانتی ہے؟

جہاں تک عراق، شام اور یمن میں شیعہ تنظیموں کے خلاف القاعدہ کی لڑائی کا تعلق ہے، میں القاعدہ کے ضابطۂ کار اور اس بارے میں جماعت کی مستقل پالیسی بیان کرتے ہوئے اس پر بات کروں گا، ان شاءاللہ۔

ایک اور عجیب معاملہ: کیا محمد صالح کو ہتھیار خریدنے کے لیے سعودی عرب جانے اور پھر انہیں بحرین لانے کی ضرورت تھی؟ وہ کہیں سے بھی ہتھیار خرید سکتا تھا۔ بحرینی انٹیلی جنس بڑی آسانی سے اس معاملے کا بندوبست کر سکتی تھی، بجائے اس کے کہ محمد صالح خود کو خطرے میں ڈالتا اور اس دوران پورا منصوبہ فاش کرتا۔ ایک فرد کو مارنے کے لیے ایک پستول سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی، اور خاص کر ایسی بڑی مُہمات کی تو بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔

وجوہات کا تیسرا گروہ جو الجزیرہ کی جانب سے محمد صالح کو القاعدہ سے جوڑنے کے بے بنیاد الزامات کو بے نقاب کرتا ہے، اس کا تعلق منحرف فرقوں اور دوسروں کے لیے کام کرنے والی ریاستوں کے بارے میں القاعدہ کے ضابطۂ کار اور اس بارے میں ہمارے نظریات سے ہے جن پر ہم کئی دہائیوں سے عمل پیرا ہیں۔

میں دستاویز ''جہادی عمل کے لیے عمومی ہدایات'' سے چند مثالیں دینا چاہتا ہوں جو ہماری عملی ترجیحات کی ترجمان ہیں جو ہم اس مرحلے میں بطور مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دستاویز میں لکھا ہے:

اوّل: مقدمہ

۱۔ ہمارے ساتھیوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس مرحلے میں ہمارے کام کے دو زاویے ہیں؛ پہلا عسکری ہے اور دوسرا دعوتی۔

۲۔ عسکری کام اولاً بین الاقوامی کفر کے سرغنہ، امریکہ اور اس کے اتحادی اسرائیل کو نشانہ بناتا ہے۔ دوئم یہ ان کے مقامی اتحادیوں کو نشانہ بناتا ہے جو ہماری زمینوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

سو یہ واضح ہے کہ ہم مرتد وغدار شاہِ بحرین کو اپنے دشمنوں میں سے ایک گردانتے ہیں۔ شاہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں محمد صالح علی محمد کا جوش اس دشمنی کو کیسے ختم کر سکتا ہے، اس کا اصرار کہ یہ مُلکی فائدے کے لیے ہے، ایسا ملک جو مکمل طور پر شاہ کے زیرِ اختیار ہے...... کہ وہ اپنی واپسی کے بعد شاہ سے ملا اور شاہ نے اسے یقین دہانیاں کروائیں۔ یہ ایسے شخص کے کام ہیں جو اپنے رویے میں القاعدہ کے منہج کا متضاد ہے۔ اسی دستاویز میں یہ بھی لکھا ہے:

دوئم: مجوزہ رہنما اُصول

....

۲۔ عسکری کاموں پر توجہ مرکوز کی جائے تاکہ بین الاقوامی کفر کے سرغنہ کی فوجی، معاشی اور افرادی قوت میں کمی لائی جا سکے تاکہ وہ پسپائی کے مرحلے میں داخل ہو جائے، ان شاءاللہ۔

پھر دستاویز میں لکھا ہے:

بین الاقوامی کفر کے سرغنہ پر توجہ، مسلمان عوام کے حق سے متصادم نہیں ہے کہ وہ زبانی، جسمانی اور عسکری طور پر اپنے اوپر جبر کرنے والوں کے خلاف جہاد کریں۔

دستاویز میں مزید یہ لکھا ہے:

فلپائن، برما اور ہر سرزمین پر جہاں مسلمانوں پر جبر ہوتا ہے وہاں ہمارے بھائیوں کو حق حاصل ہے کہ اپنے پر جبر کرنے والوں کے خلاف لڑیں۔

۳۔ مقامی حکومتوں سے عدم عسکری تصادم کی پالیسی، سوائے اس کے کہ جب انہیں مجبور کیا جائے، یعنی اگر مقامی حکومت امریکی افواج کا حصہ بن جائے جیسا کہ افغانستان میں ہوا یا مقامی حکومت امریکیوں کے لیے نیابتی طور پر لڑے جیسا کہ صومالیہ، جزیرہ نما عرب میں ہوا یا حکومت مجاہدین کی موجودگی کو قبول نہ کرے، جیسا کہ اسلامی مغرب، شام اور عراق میں ہوا۔

پھر دستاویز میں لکھا ہے:

۴۔ منحرف گروہوں جیسا کہ رافضیوں، اسماعیلیوں، قادیانیوں اور منحرف صوفی گروہوں سے لڑائی نہ کی جائے جب تک وہ اہلِ سنت سے لڑائی نہیں کرتے۔ اگر وہ لڑیں تو جوابی لڑائی صرف اسی واحد گروہ سے ہونی چاہیے۔ اس صورت میں شفافیت کے لیے وضاحت دینا ضروری ہے کہ ہم صرف اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کے غیر عسکری افراد، خاندانوں، گھروں، عبادت گاہوں تہواروں، مذہبی جلوسوں کو نشانہ بنانے سے سختی سے گریز کرنا چاہیے۔ تاہم ان کے بہتان اور ان کے عقیدے اور اخلاق کے انحراف کو مسلسل طشت ازبام کرتے رہنا چاہیے۔

یہ ایک عوامی دستاویز تھی جسے القاعدہ کی مقامی شاخوں سے مشاورت کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ میڈیا کی طرف سے اس پر تبصرے ہوئے۔ عوامی طور پر اس کے اجرا سے ایک سال پہلے اسے ابراہیم البدری (ابو بکر بغدادی) کو بھیجا گیا۔ تاہم اس نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ جب اسے جاری کر دیا گیا، تب بھی اس نے کوئی تبصرہ نہیں دیا۔ جب اس کے خلاف فیصلے جاری ہوئے اور

اسے جماعت سے نکال دیا گیا، تب اس نے اپنی پُر فریب میڈیا مشین کو متحرک کیا(اعتراضات اُٹھانے کے لیے)......اور جسے جھوٹ کی لت پڑگئی ہو کیا اس کا کوئی علاج ہے ؟!

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارے بھائی عراق میں شیعہ گروہوں سے لڑ رہے تھے اور اب بھی شام اور یمن میں لڑائی جاری رکھے ہوئے ہیں کیونکہ یہ مسلح گروہ ہیں جو اہلِ سنت پر حملے اور امریکیوں کے ساتھ تعاون اور سمجھوتے کرتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہم کسی منحرف فرقے کے ایک شخص کو مرتد حکومتوں کے کہنے پر قتل کریں-ایسی حکومتیں جو امریکہ کی زر خرید ہیں، جو اسرائیل سے معمول (نارمل) کے تعلقات رکھتی ہیں-وطن سے محبت اور شاہ سے وفاداری کے عذر کے تحت......یہ دروغ گوئی اور جھوٹ ہے جس سے ہم خود کو اللہ کے حضور لاتعلق کرتے ہیں۔ القاعدہ کے ابتدائی دنوں سے لے کر اب تک ہمارا منہج روزِروشن کی طرح عیاں اور تلوار کی دھار کی طرح تیز رہا ہے۔ کسی نامعلوم فرد یا میڈیا کے ادارے کی طرف سے یہ الزام لگانا کہ القاعدہ کسی مرتد حکومت کے تحت چلنے والے انٹیلی جنس ادارے کے کہنے پر کام کرتی ہے سراسر جھوٹ اور تہمت ہے۔

اس لیے الجزیرہ کی کہانی کے مطابق محمد صالح علی محمد کی غلطیاں مکمل طور پر القاعدہ کی مستقل پالیسی کے خلاف ہیں جنہیں شیخ اسامہ، میرے اپنے اور جماعت القاعدہ کی جانب سے جاری کی جانے والی دستاویزات، جیسے کہ ''جہادی عمل کے متعلق عمومی ہدایات''، ''وثیقۂ نصرتِ اسلام'' اور ایسی ہی دیگر مطبوعات میں بیان کیا گیا ہے۔

محمد صالح علی محمد اور اس جیسوں کے بارے میں ایک آخری بات: الجزیرہ کی خود اس سے متصادم اور مشکوک پیشکش پر سوچنے والا کوئی بھی شخص دو میں سے ایک ممکنہ نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ پہلا ممکنہ نتیجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی رضامندی سے یہ اعترافات کیے اور وہ اپنے دعوؤں میں سچا ہے۔ اس صورت میں وہ بحرین کی انٹیلی جنس کا کارندہ ہے اور سعودی انٹیلی جنس کے ساتھ بھی کام کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے اس نے اپنے لیے بڑا عذاب مول لیا ہے جو اس کی آخرت برباد کر سکتا ہے۔ اگر واقعی یہ بات ہے تو اسے جلد از جلد اللہ سے توبہ کرنی چاہیے اور تمام جابروں سے لاتعلقی کا اعلان کرنا چاہیے۔ اسے شاہ اور مُلک کی اطاعت شعاری اور وفاداری اور ایسے بے راہ روکاموں کی وجہ سے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔

دین کے حامی، اہلِ تقویٰ اور جہاد میں مشغول افراد کو اس شخص سے دور رہنا چاہیے کیونکہ وہ مکمل طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ یہ ان شیاطین کے ساتھ کس قسم کے سمجھوتے کر چکا ہے۔ بشمول محمد صالح علی محمد ہر ایک شخص یہ جان لے کہ القاعدہ ایسی سنگین غلطیوں کی مذمت کرتی ہے اور لوگوں کو ایسی غلطیاں کرنے والوں کے خلاف خبر دار بھی کرتی ہے۔ اگرچہ ایسی غلطی کرنے والا القاعدہ کا پرانا رکن کیوں نہ ہو، جماعت اس سے لاتعلقی کا اظہار کرنے میں بالکل بھی نہیں ہچکچائے گی، اسے خارج کیا جائے گا اور دوسروں کو اس کے بارے میں خبر دار کیا جائے گا۔

دوسرا ممکنہ نتیجہ یہ ہے کہ محمد صالح علی کو یہ اعترافات کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس صورت میں اسے یہ چیزیں بیان کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے، اپنا نام ایسے الزامات سے پاک کرنا چاہیے اور اپنی عزت کا دفاع کرنا چاہیے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے راستہ بناتا ہے۔

اب تک ہم نے پہلے سراب کی بات کی ہے جو الجزیرہ نے محمد صالح اور القاعدہ کے درمیان رابطہ بتا کر بیچنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرا سراب ابو حفص بلوچی کی ریکارڈنگ کے بارے میں ہے۔ ابو حفص بلوچی نے یہ نہیں کہا کہ وہ القاعدہ کا رکن ہے۔ نہ ہی اس نے یہ کہا کہ بحرین کی انٹیلی جنس نے اس پر القاعدہ کا رکن ہونے کا الزام لگایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ جنداللہ کا رکن ہے۔

تاہم الجزیرہ نے اپنے ثابت شدہ صحافتی وقار کے مطابق چلتے ہوئے کہا کہ وہ جنداللہ کا رکن تھا اور پھر اضافی طور پر یہ بھی کہا کہ جنداللہ کے القاعدہ کے ساتھ تعلقات ہیں۔ الجزیرہ نے یہ افسانہ اپنے سامعین کو یہ بتانے کے لیے گھڑا کہ کسی لمبے چوڑے خیالی رابطے کی وجہ سے القاعدہ بحرین کی انٹیلی جنس سے جڑی ہوئی ہے۔ الجزیرہ کی گھڑی کہانی کے مطابق القاعدہ کا جنداللہ سے تعلق ہے؛ جنداللہ، الجزیرہ کی بہتان کشی کے مطابق ابو حفص بلوچی سے تعلق رکھتی ہے جس کے بحرینی انٹیلی جنس سے مراسم ہیں۔ یوں القاعدہ کا بحرینی انٹیلی جنس سے تعلق ہے۔ آئیں ہم سب ایسے درخشاں دماغوں کو سلام پیش کریں! امریکہ کی غلیظ تشہیری مہم زندہ باد، جسے العُدید کے فوجی اڈے میں سینٹ کام (CENTCOM) کے مرکزی دفتر سے چلایا جاتا ہے۔

حقائق کی درستی کے لیے مختصراً: جنداللہ کا القاعدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ مکڑی کے جال کو توڑنے کے لیے کافی ہے۔ تاہم اس جھوٹ اور بہتان تراشی کو مزید اُدھیڑنے کے لیے میں درج ذیل نقاط کا اضافہ کرتا ہوں:

- جنداللہ کے ترجمان نے پریس انٹرویو میں کہا ہے کہ اس کے گروہ کے طالبان اور القاعدہ کے ساتھ کوئی روابط نہیں ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ الزامات ایران کی وزارتِ داخلہ کی جانب سے عائد کیے گئے ہیں۔ یوں الجزیرہ کی طرف سے القاعدہ کو جنداللہ کے ساتھ جوڑنے کی کوشش ایران کی وزارتِ داخلہ کی میڈیا پالیسی کے مطابق ہوئی۔
- ابو حفص بلوچی نے اس ریکارڈنگ میں یہ نہیں کہا کہ وہ جنداللہ کا رکن ہے۔ بلکہ بحرینی انٹیلی جنس افسر، احمد الشروقی نے اس سے جنداللہ کے بارے میں کہا، ''ہم چاہتے ہیں کہ تم اس گروہ کو دیکھو...... یہ کس کا ہے، اس کے خیالات کیا ہیں''۔ پھر وہ کہتا ہے، ''تم جنداللہ سے ہو''۔
- جب ابو حفص بلوچی نے ایرانی حکومت سے لڑنے کے لیے گروہ بنایا تو اس نے جنداللہ میں شمولیت نہیں اختیار کی۔ بلکہ اس نے خود اپنی تنظیم بنائی، انصاراللہ، جس نے بعد میں جماعت الفرقان میں شمولیت اختیار کی۔ اس گروہ نے بعد میں اپنا نام انصار الفرقان رکھا۔

تیسرا دھوکہ یا سراب جسے الجزیرہ نے بیچنے کی کوشش کی ہے اس کا تعلق امریکہ کے سابقہ انٹیلی جنس افسر سے ہے جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے ابو زبیدہ کے پاس ایک ڈائری ملی جس میں سعودی شاہی خاندان کے تین شہزادوں کے فون نمبر درج تھے۔

سب سے پہلے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ابو زبیدہ (اللہ ان کی جلد رہائی کا انتظام فرمائے) کو امریکیوں نے شدید تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ انہوں نے اس کے خلاف استعمال کیے جانے والے تشدد کے کچھ طریقوں کا اعتراف بھی کیا ہے، بشمول ران کی ہڈی توڑنے کے تاکہ ان سے اعتراف کروایا جائے۔ جبکہ محمد صالح علی محمد، اگر ہم الجزیرہ کی صحافتی دیانتداری اور غیر جانبداری پر یقین کریں تو، اس سے پُر تعیش رویہ روا رکھا گیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ کہانی جس کا ذکر سابقہ انٹیلی جنس اہلکار نے کیا ہے ۱۱/۹ کی سرکاری رپورٹ کا حصہ نہیں تھی جسے کانگریس نے جاری کیا تھا، اس حقیقت کے باوجود کہ ''ابو زبیدہ'' نام رپورٹ میں پچاس (۵۰) مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور ''زین العابدین'' دو بار۔ لیکن سابقہ اہلکار کی اس گواہی کا بالکل کوئی ذکر نہیں ہے۔

سو ان معلومات کو انیس سال تک صیغۂ راز میں کیوں رکھا گیا اور اب ان کو خصوصاً الجزیرہ افشا کیوں کر رہا ہے؟ کیا اس لیے کہ الجزیرہ ایسی معلومات ظاہر کرنے میں زیادہ فراخدلی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ مزید بر آں یہ سابقہ انٹیلی جنس اہلکار نئے نتیجے اخذ کرتا ہے اور تجویز دیتا ہے کہ یہ فون نمبر ۱۱/۹ کے حملوں میں سعودی عرب کے ملوث ہونے کا سراغ دے سکتے ہیں!

اگر ہم الجزیرہ پر اسی اصول کا اطلاق کریں تو ہمیں یہ حقیقت ضرور سامنے رکھنی پڑے گی کہ یہ اہلکار ایف بی آئی یا سی آئی اے کی خصوصی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے یہ پیشکش ایف بی آئی یا سی آئی اے کے ساتھ الجزیرہ کے سمجھوتے کے بعد نشر ہوئی۔ اس سابقہ اہلکار کی منطق کے مطابق الجزیرہ ایف بی آئی یا سی آئی اے کے پراپیگنڈے کی شاخ ہو سکتی ہے۔

السحاب:

> ہم، السحاب میڈیا کے کارکنان نے سی آئی اے کے اہلکار، جان کیریاکو (John Kiriakou) کے ماضی کے بارے میں کھوج کی۔ ہمیں پتہ چلا کہ یہ شخص کئی دفعات کے تحت جیل جا چکا ہے، جن میں حلف اٹھانے کے بعد جھوٹ بولنا بھی شامل ہے۔ اس کی ۲۰۱۷ء میں شائع ہونے والی کتاب وہ کہانی بتاتی ہے جو اس نے سعودی شہزادوں کے فون نمبروں کے بارے میں لکھی۔ اس میں لکھا ہے:
>
> ''اس کی گرفتاری کے بعد جب سی آئی اے کے تفتیشی اہلکاروں کو محسوس ہوا کہ وہ ابو زبیدہ سے قابلِ عمل معلومات حاصل نہیں کر پا رہے تو انہوں نے اسے بولنے پر مجبور کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا۔ وہ اسے افغانستان میں سی آئی اے کے خفیہ ٹھکانے پر لے گئے لیکن اسے بتایا کہ اسے وقتی طور پر سعودی فوج کی حراست میں بھیجا جا رہا ہے تاکہ سلطنت والے اس سے سوال کر سکیں۔ پر اصل میں سعودی فوجیوں کے روپ میں دو امریکی نژاد عرب فوجیوں نے اس سے سوال پوچھنے تھے جو ہری فوجی ٹوپی (Green Berets) پہنے ہوئے تھے۔ تفتیشی اہلکاروں کا خیال تھا کہ ابو زبیدہ اس طرح کے ماحول میں مفید معلومات فراہم کرے گا۔ لیکن اس منصوبے میں لینے کے دینے پڑ گئے۔
>
> بجائے خوفزدہ ہونے کے ابو زبیدہ مطمئن اور واقعی خوش ہوا۔ اس نے فوجیوں کو بتایا کہ وہ تین سعودی افسران کو جانتا ہے، اور ان کے موبائل نمبر بھی جانتا ہے اور اگر فوجی اسے صرف کال کرنے کی اجازت دے دیں تو وہ اس کی رہائی کے حکم صادر کریں گے۔ فوجیوں نے یہ نمبر لکھ کر سی آئی اے کے حوالے کر دیے۔
>
> حیران کُن طور پر نمبر درست تھے۔ ایک نمبر احمد بن سلمان بن عبد العزیز کا تھا، جو سعودی شاہ فہد کا بھتیجا تھا۔ یہ بہت نمایاں شخص تھا اور اپنا کافی وقت امریکہ میں گزارتا تھا اور ''وار ایمبلم'' نامی گھوڑے کا مالک تھا جس گھوڑے نے ۲۰۰۲ء میں کنٹکی دوڑ جیتی تھی۔
>
> دوسرا نمبر شہزادہ ترکی الفیصل بن عبد العزیز کا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے ۱۹۹۱ء میں اسامہ بن لادن کے ساتھ سیاف کے معسکرات میں ٹریننگ کے لیے معاہدہ کروایا تھا۔ تیسرا نمبر پاکستانی ایئر مارشل مصحف علی میر کا تھا۔ اس کے پاکستانی خُفیہ ایجنسی آئی ایس آئی سے قریبی روابط تھے۔ امریکی انٹیلی جنس کو بہت دیر سے شک تھا کہ آئی ایس آئی کے ارکان القاعدہ کو ہتھیار، رسد اور انٹیلی جنس معلومات مہیا کرتے ہیں۔
>
> ......جب ان ناموں اور نمبروں کی سی آئی اے نے تصدیق کر لی تو ایجنسی نے یہ معلومات سعودی انٹیلی جنس والوں کو بتائیں۔
>
> پھر تینوں اشخاص کی موت ہو گئی۔
>
> ۲۲ جولائی ۲۰۰۲ء کو شہزادہ سلیمان بن عبد العزیز تینتالیس سال کی عمر میں بظاہر دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا۔ ایک ہفتے بعد شہزادہ تُرکی الفیصل بن عبد العزیز گاڑی کے حادثے میں مارا گیا۔ پھر ۲۰ فروری ۲۰۰۳ کو ایئر مارشل مصحف علی میر بڑے صاف موسم میں اڑتے ہوئے جہاز کے حادثے میں مارا گیا۔''

(باقی صفحہ نمبر 28 پر)

کون ہے جو ابنِ زاید سے نمٹے...... کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کو اذیت پہنچائی ہے!

شیخ ابو خبیب ابراہیم القوصی سوڈانی دامت برکاتہم

ألحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان إلا على الظالمين،
والصلاة والسلام على النبي الأمين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.
أما بعد!

میرے مسلمان بھائیو!

آج میں اس واقعے پر بات کرنا چاہتا ہوں جس کا متحدہ عرب امارات کی حکومت اور اس کے ولی عہد محمد بن زاید کے ہاتھوں پیش آنا کسی طور بھی غیر متوقع نہ تھا...... وہ محمد بن زاید جو آج خوشی خوشی دشمنانِ دین کی صف کا حصہ بن گیا ہے اور کسی بھی ایسے کام سے دریغ نہیں کرتا جو اس کے یہودی و نصرانی دوستوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ واقعہ جس پر میں بات کرنا چاہتا ہوں، وہ محمد بن زاید کی طرف سے فلسطین پر غاصب یہودیوں کے ساتھ امن کے معاہدے کا اعلان ہے۔ اس کی یہ حرکت اس کے سابقہ خسیس مواقف سے کچھ مختلف نہیں، اور نہ ہی اس کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات کسی پر مخفی تھے۔ یہ واقعہ تو بس ان تعلقات کی علی الاعلان تشہیر ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں اس قسم کی حرکتوں سے باخبر کر دیا تھا اور ایسے خائنین کے اپنے دوستوں یہود و نصاریٰ سے متعلق رجحانات بھی واضح کر دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ○ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُواْ عَلَى مَا أَسَرُّواْ فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ○ (سورۃ المائدۃ: ۵۱-۵۲)

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ یہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو کوئی ان سے دوستی کرے گا، تو وہ انہی میں شمار ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پس (اے نبی ﷺ!) آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ ان یہود و نصاریٰ کے پیچھے دوڑے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں حالات کی گردش کا خوف ہے۔ پس شاید کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کو فتح دے دیں، یا کوئی دوسرا فیصلہ فرمادیں تو یہ لوگ اپنے کیے پر سخت پچھتاویں گے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں ایسے لوگوں کے بارے میں خبر دار کر دیا تھا جو اس قسم کے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، اور دین، اخلاق، مروت، حیا...... کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگوں کے پاس سابقہ انبیا علیہم السلام کی جو باتیں پہنچی ہیں، ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب تم حیا چھوڑ دو تو پھر جو جی میں آئے کرو۔" (بخاری)

عرب امارات کے حکمرانوں کی طرف سے یہ حرکت خود خطے کے دیگر حکمرانوں کے لیے ایک تمہید ہے، جن میں سرِفہرست آلِ سعود کے حکام اور ان کا ولی عہد محمد بن سلمان ہے۔ بہت جلد دیکھنے والے دیکھ لیں گے۔

اور ہم نے عرب امارات کی اس حرکت پر مصر، بحرین اور ایسے ہی دیگر ممالک کی مبارکباد اور حمایت کے پیغامات بھی دیکھے ہیں اور سوڈانی حکومت تو حالات کی نزاکت کو دیکھ رہی ہے اور بس موقع کی تلاش میں ہے (کہ وہ بھی اس اقدام میں حصہ ڈالے)۔

امارات اسرائیل کے اس معاہدے پر ہم بھی کچھ نکات سامنے رکھنا چاہتے ہیں:

پہلی بات جو انتہائی عجیب ہے، وہ یہ ہے کہ اس معاہدے کو اللہ کے نبی سیدنا ابراہیم (علیہ الصلاة والسلام وعلى نبينا محمد) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس زعم پر کہ وہ تینوں ادیان (اسلام، یہودیت اور عیسائیت) کے بڑے ہیں، اور تاکہ دنیا کو یہ دھوکہ دیا جا سکے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہود و نصاریٰ سے بھی تعلق تھا۔ اللہ کی قسم! یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ایک کھلا جھوٹ اور بہتان ہے۔ اللہ کی کتاب کی رو سے یہ زعم خود انہی پر پلٹتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيّاً وَلاَ نَصْرَانِيّاً وَلَكِن كَانَ حَنِيفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ○ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَاللّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ○ (سورۃ آلِ عمران: ۶۷-۶۸)

"ابراہیم (علیہ السلام) نہ ہی یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی، بلکہ اللہ کے لیے یکسو اور مسلمان تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخر الزمان ﷺ) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان (آخری نبی ﷺ) پر ایمان لائے، اور اللہ مومنین کا کارساز ہے۔"

اور اگر آج یہ نبی (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) خود موجود ہوتے تو وہ سب سے پہلے مسلمانوں پر مسلط ان کافر حکام اور ان کے دوستوں سے اللہ کے حضور برأت کرتے۔ یہ کیسے نہ ہوتا جبکہ وہ

ولاء وبراء کے امام ہیں، جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جن کے اسوے پر چلنے کی تاکید کی گئی ہے۔ میرے رب نے فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (سورۃ الممتحنۃ: ۴)

”تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے انکاری ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔“

دوسری بات جو تمسخر آمیز ہے، وہ اس معاہدے کو ”اتفاق سلام“ یعنی 'امن و سلامتی کے معاہدے' سے موسوم کیا جانا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ پہلے کب امارات کی ریاستوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ تھی، جو اب یہ امن پر اتفاق کر رہے ہیں؟ اور کیا دنیا میں کسی نے دیکھا ہے کہ یہ ریاستیں فلسطین کی حمایت میں کھڑی ہوئی ہوں، سوائے اس کے کہ حقیقت سے خالی مذمتی بیانات دیے جاتے رہے!!

اور یہ تو لوگوں کی عقلوں کے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں جب یہ کہتے ہیں کہ وہ اس معاہدے سے یہود کے فلسطینی علاقوں پر مزید قبضے کو روکنا چاہتے ہیں، حالانکہ اس بات کی نفی یہودی خود کر رہے ہیں، جیسا کہ ان کے وزیرِ اعظم 'بنیامین نیتن یاہو' نے کہا۔[1]

جہاں تک دیگر مسلم ممالک کے رسمی مواقف اور حکومتی ردِ عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی کوئی غیر متوقع نہ تھے، گویا کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یہاں تک کہ سفارتی سطح پر بھی کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ نہ ہی کسی نے امارات کے سفیر کو ملک بدر کیا، نہ سفارت خانے بند کیے اور نہ ہی کسی نے امارات سے تعلق قطع کیا۔ عادتاً بس مذمتی بیانات جاری کیے گئے۔

محمد بن زاید کو ان مواقف کا پہلے سے علم تھا اور وہ جانتا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ مواقف بھی بدل جائیں گے، نہیں تو وہ جو امدادی رقم ادا کرتا ہے، اس کی بدولت بدل جائیں گے۔

سبحان اللہ! دیکھیے کہ کیسا بڑا فرق ہے ان مواقف میں۔ جس وقت انور سادات نے کیمپ ڈیوڈ کا معاہدہ کیا تھا تو تمام عرب ریاستوں نے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تک مصر سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ حالانکہ مصر نے تو باضابطہ اسرائیل کے ساتھ جنگ کی تھی، اور دونوں نے ایک دوسرے سے نقصان اٹھایا تھا۔ اور عراق نے بغداد میں ۲ نومبر ۱۹۷۸ء کو عرب ریاستوں کی سربراہی کانفرنس بلائی جس میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے کو رد کیا گیا، جامعہ عربیہ کے مرکز کو مصر سے منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اور اس سے مصر کی رکنیت کو ختم کر دیا گیا۔ اس کانفرنس میں دسیوں عرب ریاستیں شامل ہوئیں جنہوں نے 'پی ایل او' کی حمایت کی تھی۔ اور اس کانفرنس کو 'جبهة الرفض' (انکاری محاذ) کا نام دیا گیا تھا۔ اسی طرح ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو تیونس سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مصر سے قطع تعلق کو جاری رکھنے کی قرار داد منظور کی گئی تھی۔ مزید خود مصر کے اندر شدید ردِ عمل سامنے آیا تھا، یہاں تک کہ حکومتی حلقوں میں بھی مخالفت ہوئی۔ اس معاہدے کی مخالفت کرتے ہوئے وزیرِ خارجہ محمد ابراہیم کامل نے استعفیٰ دے دیا تھا اور اسے 'مذبحة التنازلات' (پسپائی کی گھاٹی) کا نام دیا تھا۔ یہی نہیں، بلکہ یہی معاہدہ ۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو عسکری کارروائی میں پانچ نوجوانانِ اسلام کے ہاتھوں 'انور سادات' کے قتل کا سبب بنا، وہ نوجوان جنہوں نے فلسطین اور رسول اللہ ﷺ کے مقامِ اسریٰ بیت المقدس کی غیرت و ناموس میں یہ کام کیا۔ یہ نوجوانان خالد اسلامبولی، عطا طائل، الشیخ محمد عبد السلام، عبد الحمید عبد السلام اور حسین عباس رحمہم اللہ تھے، اور یہ اکثر مصری فوج کے افسران تھے۔

جہاں تک ان مسلمانوں کا تعلق ہے جنہوں نے محمد بن زاید کے اس معاہدے کی مخالفت کی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو روشن کر دے، ان کے اس کام پر انہیں بہترین بدلہ دے، اور بہترین اجر دے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ خود امارات کے مسلمان بھی اس حرکت کے مخالف ہیں، اور اس مجرم محمد بن زاید کی سیاسیات سے سخت متنفر ہیں۔ اور ہم منتظر ہیں کہ ان سے وہی اقدام دیکھیں جو اقدام خالد اسلامبولی اور ان کے ساتھیوں نے کیا تھا۔

پس اے نوجوانانِ اسلام! دین کی نصرت کے لیے اٹھیے، اور اپنے مقدسات کے دفاع کے لیے اٹھیے جس پر یہود و نصاریٰ اور ان کے آلۂ کار مسلط ہیں، اور اکابر مجرمین کی ٹارگٹ کلنگ کی سنت کو زندہ کیجیے جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے آپ ﷺ کی تائید سے قائم کیا تھا! جیسا کہ محمد بن مسلمہؓ اور آپ کے ساتھیوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا، اور عبد اللہ بن عتیکؓ اور آپ کے ساتھیوں نے اللہ کے دشمن سلام بن ابی الحقیق کو قتل کیا تھا، اور عبد اللہ بن انیس نے اکیلے اللہ کے دشمن خالد بن سفیان ہذلی کو قتل کیا تھا۔

اور اس دور میں ہم نے کئی مثالیں دیکھیں، جیسا کہ خالد اسلامبولی اور آپ کے ساتھیوں نے کیا۔ پس کون ہے جو بن زاید اور ابن سلمان کے لیے کھڑا ہو جائے کیونکہ انہوں نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو اذیت دی ہے، اور دین کے تمام مقدسات کو پامال کیا ہے، اور ہماری اعلیٰ اقدار پر بٹہ لگایا ہے۔

پس اے نوجوانانِ اسلام! کون ہے جو ان سے بدلہ لینے کے لیے اٹھے؟؟؟

اے ہمارے اللہ! اسلام کو باعزت کر دے، اور مسلمانوں کی مدد فرما، ان مجرم حکام اور جو کوئی ان کی مدد کرے، انہیں تباہ و برباد کر دے۔

(باقی صفحہ نمبر 31 پر)

[1] اور اسی موقف کی تائید بعد اَخود عرب امارات کے وزیرِ خارجہ اور نائب وزیر خارجہ نے بھی کر دی۔ (ادارہ)

لَوْ لَا الْمَشَقَّة......

شہید عالم ربانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

سربلندی و سرفرازی حاصل کرنے کے جذبات سینے میں موجزن ہونا اور عالی مقامات پانے، آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے خواب دیکھنا انسانی طبیعت کا جزو ہے۔ انسان بیش تر جان داروں کے برعکس دو ٹانگوں پر چلتا ہے، سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ علما لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی طبیعت و فطرت بلندیوں کی طرف مائل ہے، جب کہ چار یا زائد ٹانگوں پر چلنے والے، زمین کی طرف جھکے ہوئے جانور، چوپائے اور حشرات، بس اسی دنیا، اسی زمین اور اس کی حقیر لذتوں کی طرف مائل رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انسان اگر اپنی فطرت کے برخلاف، اپنے مقصدِ تخلیق کو بھلاتے ہوئے، زمین سے چپک کر رہنے اور اثَّاقَلتُم اِلَی الارَض کا مصداق بننے کا فیصلہ کر لے، تو وہ اَسفَلَ السَّافِلِین (نیچوں سے بھی نیچ) اور کَالانعَامِ بَل ھُم اَضَل (جانوروں سے بھی بدتر) بن جاتا ہے۔ ہاں، جو انسان اپنی فطرت پر قائم رہے اور بلندیوں کی طرف پرواز کرنے کا خواہاں ہو، اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بلندیوں تک کا سفر قربانیوں، سختیوں اور مشقتوں سے پر ہے۔

ہم یہاں ان بلندیوں کا ذکر نہیں کر رہے جنہیں دجالی میڈیا اور امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے مختلف اداروں نے مصنوعی طور پر بلندیاں بنا کر پیش کیا ہے، حالانکہ وہ حقیقت میں محض پستیاں، ذلت، ضلالت اور گراوٹیں ہیں۔ ہم یہاں کرکٹ کے کھلاڑیوں، سیاست کے مداریوں، ملت فروش جرنیلوں، ضمیر فروش صحافیوں، فلمی اداکاروں، رقص و موسیقی کے ماہروں، ماڈلنگ کی قبیح صنعت کے ستاروں، مسلمان عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی مہمات کی سرغنہ فاحشاؤں اور عصرِ حاضر کی ملاؤں کا ذکر نہیں کر رہے کہ ان مقامات تک گرنے کے لیے کوئی قربانی نہیں درکار ہوتی، سوائے ایک قربانی کے، اپنی انسانیت کی قربانی کے۔ یہ ایک قربانی دینے کے بعد جہاں تک گرنا چاہو، گرتے جاؤ، مغرب کی جاہلی حیوانی تہذیب کے پرستاروں کی نگاہ میں اتنا ہی بلند قرار پاؤ گے!

ہم تو حقیقی بلندیوں کی بات کر رہے ہیں۔ وہ بلندیاں جو آخرت میں رب کی رضا، جنت کے عالی مقامات اور اونچے درجات دلوا دیں اور دنیا میں انسانی تہذیب کا دھارا خیر و بھلائی کی طرف پھیرنے، اسے حقیقی علم و تہذیب کی روشنی سے روشناس کرنے اور انسانی تاریخ پر ان مٹ مثبت نقوش چھوڑنے کا ذریعہ ہوں۔ یہ بلند مقامات یقیناً قربانی و مشقت کے بغیر ملنا محال ہیں۔ عربی کے ایک شعر کا مصرعہ ہے:

لَو لَا المَشَقَّة سَادَ النَّاسُ کُلُّھُم!

”اگر مشقت نہ لگتی، تو سب انسان ہی سرداری و سیادت پا لیتے!“

جی ہاں! سرداری پانے، انسانیت کی امامت کا مستحق بننے، اللہ کی خلافتِ ارضی کا منصب سنبھالنے، آنے والی نسلوں تک اپنا ذکرِ خیر باقی رکھنے، قربِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مقامات پانے اور جنتِ فردوس کے وسط میں، جوارِ رب میں گھر لینے کے لیے مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ غَالِيَةٌ، أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللَّهِ الْجَنَّةُ.“[1]

”جان لو! اللہ کا سامان بہت مہنگا ہے، جان لو کہ اللہ کا سامان جنت ہے۔“

لَو لَا المَشَقَّة سَادَ النَّاسُ کُلُّھُم!

”اگر مشقت نہ لگتی، تو سب انسان ہی سرداری و سیادت پا لیتے!“

جان لیجیے! کہ اللہ جل شانہ جو سامان اپنے بندوں کے سامنے بیچنے کے لیے پیش کر رہے ہیں، اس کی قیمت بہت زیادہ ہے یہی قیمت بیان کرتے ہوئے تو سورۂ توبہ میں کہا گیا:

”اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے، وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔“

سبحان اللہ! کیسا مشکل، مگر عمدہ سودا ہے! اور جس کے لیے اللہ یہ سودا آسان کر دیں، اسے یہ سودا چھوڑنے، یہ عہد توڑنے ہی میں ہلاکت نظر آتی ہے۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، عصرِ حاضر کی اس مبارک جہادی تحریک ہی کی مثال لے لیں کہ جس نے عالمی صلیبی صہیونی مشرک اتحاد کو اللہ کی توفیق سے ناکوں چنے چبوائے ہیں اور امتِ مسلمہ پر آنے والی اس بدترین یلغار کے آگے نصرتِ الٰہی سے بند باندھا ہے۔ اس تحریک کی قیادت کرنے والے وہ روشن ستارے جن کا نام نامی ان شاء اللہ اب انسانی تاریخ کا ان مٹ جز بن چکا ہے اور جن کے احسانات سے مسلمانوں ہی نہیں، کافروں کی بھی آنے والی نسلیں کبھی سبک دوش نہیں ہو سکیں گی...... ان میں سے ہر ایک نے اپنے سینے پر ایسے زخم سجا رکھے ہیں، جو ان شاء اللہ روزِ محشر وہ تمغے ہوں گے جو انہیں باقی انسانیت سے ممتاز کریں گے۔

[1] سنن الترمذی، كِتَاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ

امیر مجاہدین، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مثال لیں تو آپ نے روسی ریچھ کے خلاف جہاد میں اپنی ایک آنکھ کی قربانی دی، اپنے سگے بھائی کو اللہ کے رستے میں پیش کیا......جو طالبان کے عہدِ امارت میں قندھار میں دشمن کے ایک حملے میں شہید ہوئے، آپ کے متعدد قریبی رشتہ داروں نے جامِ شہادت نوش کیا، آپ کے اہل و عیال اور رشتہ داروں پر طرح طرح کی آزمائشیں و تکالیف آئیں، افغانستان پر صلیبی یلغار کا آغاز آپ ہی کی رہائش گاہ پر بم باری سے کیا گیا۔

شہیدِ ملت شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے تو آپؒ نے پہلے اپنے محبوب وطن، ارضِ حرمین سے ہجرت کی، ناز و نعم کی زندگی کو ترک کر کے جہاد و رباط کی کٹھن راہ کو اختیار کیا، سارا مال اللہ کی راہ میں لٹا دیا، سقوطِ امارت کے بعد اپنی اولاد اور گھر والوں سے سالوں پر محیط دوری برداشت کی، عجیب ضبطِ نفس و صبر کے ساتھ ساری دنیا سے کٹ کر چار دیواری کے اندر ایک پوری دہائی گزاری، آپ کی ایک اہلیہ اور کچھ بچے ایران میں قید ہوئے، گھر کے کچھ افراد دنیا کے دیگر حصوں میں بکھر گئے، پورا خاندان منتشر ہو گیا، ایک بیٹا ڈرون حملے میں شہید ہوا، ایک بیٹی ہجرت کی راہوں میں فوت ہوئی، داماد بھی کچھ عرصے بعد شہید ہو گیا، پھر اس تاب ناک کہانی کا انجام بھی ایسا ہی ہوا اور آپؒ نے اپنے ایک بیٹے سمیت شہادت کا جام نوش کیا، آپؒ کی دو اہلیہ اور نواسے نواسیاں قید ہوئے اور یوں قربانی کی ایک ایسی عجیب داستان رقم کر کے محسنِ امت، رب کے پاس جا پہنچا۔

شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے جانشین، شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے مصر کے سب سے عالی نسب، معزز اور غنی خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھنے کے باوجود تکالیف و خطرات سے پر یہ راہ چنی۔ آپ نے اپنی جوانی میں مصر کی ظالمانہ جیلوں میں طویل قید کاٹی، پھر ہجرت کی راہوں میں افغانستان، سوڈان، داغستان سمیت کتنی ہی جگہوں پر در بدر پھرے، آپ کی اہلیہ اور بچے افغانستان پر امریکی حملے کے آغاز میں امریکی بم باری سے شہید ہوئے، آپ کے سگے بھائی انجینئر محمد الظواہری مصر میں قریباً ۱۴ سال جیل میں قید رہے اور حال ہی میں رہائی پائی، آپ خود قبائلی علاقہ جات میں امریکی ڈرون حملے میں بال بال بچے، اور گزشتہ تیس سال سے عالمی کفر اور اس کے مقامی آلۂ کاروں کے نشانے پر ہیں اور بارہا اللہ جل شانہ نے آپ کو دشمن کے چنگل سے بچایا ہے۔ آپ نے شیخ ابو مصعب زرقاویؒ کے نام اپنے ایک خط میں اپنی اہلیہ اور بچوں کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ”میرے محبوب بھائی! آپ کے نام یہ سطور لکھنے والا خود بھی امریکی وحشت و بربریت کا ذائقہ چکھ چکا ہے۔ امریکی طیاروں کی بم باری کے نتیجے میں میری اہلیہ کی چھاتی پر کنکریٹ کی چھت آکر گری اور وہ بندۂ خدا مدد کے لیے پکارتی رہی کہ کوئی اس کی چھاتی سے کنکریٹ کی سلیں ہٹا دے، اور یونہی کراہتے کراہتے اس نے اپنی آخری سانسیں لیں، اللہ کی رحمت ہو اس پر اور اللہ اسے اپنے ہاں شہدا میں قبول فرمائے۔ اسی طرح میری چھوٹی بچی کے دماغ کی رگیں بھی ملبہ گرنے سے پھٹ گئیں اور وہ پورا دن تکلیف میں تڑپنے کے بعد شہید ہوئی۔ آج تک مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری اہلیہ، میرے بیٹے اور میری بیٹی کی قبر کہاں ہے، یا ان تین دیگر خاندانوں کی قبریں کہاں ہیں جو ان کے ساتھ شہید ہوئے اور کنکریٹ کی چھتوں تلے کچلے گئے، اللہ کی رحمت ہو ان سب پر اور مسلمانوں کے تمام شہدا پر۔ بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو کسی نے ملبے تلے سے نکالا بھی یا وہ آج تک اسی تلے دفن ہیں؟“

سرزمینِ خراسان میں القاعدہ کے مسئولِ عام، شیخ سعید (مصطفیٰ ابو یزید) مصری رحمہ اللہ نے ہجرت کی پُر صعوبت اور طویل زندگی کاٹنے کے بعد، بالآخر اپنے بیش تر خاندان کو اللہ کی راہ میں ایسا کٹوایا کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ یہ شخص ہمارے دفاع میں اپنی جان اور اہل و عیال قربان کر گیا! آپ نے نہ صرف خود امریکی ڈرون طیاروں کی بم باری میں جامِ شہادت نوش کیا، بلکہ آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ اور متعدد بیٹے بیٹیاں بھی شہید ہو گئے۔ یہی نہیں، بلکہ آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ کے دو نوجوان بیٹے بھی یکے بعد دیگرے جامِ شہادت نوش کر گئے اور یوں تقریباً بیش تر خاندان ہی سنتِ اسماعیلی زندہ کر کے رب کے دربار میں جا پہنچا۔

استاذ المجاہدین، بارود اور کیمیائی مواد کے ماہر، شیخ ابو خباب رحمہ اللہ ہجرت و جہاد کی زندگی میں کئی دہائیاں گزارنے اور کئی بار روسی اور پھر امریکی حملوں میں بچنے کے بعد، بالآخر ساٹھ سال سے زائد عمر میں، جب آپ شوگر، ہائی بلڈ پریشر، گھٹنوں اور کمر کی تکلیف سمیت متعدد بیماریوں میں مبتلا تھے، دشمن کے حملے میں شہید ہوئے، اور اس حال میں کہ آپ کا ایک معصوم ۱۲،۱۳ سالہ بیٹا، اس سے بھی کم سن نواسہ اور آپ کا داماد ساتھ شہید ہوئے، جب کہ آپ کی اہلیہ شدید زخمی ہوئیں۔ نیز شہادت کے وقت آپ کی پہلی اہلیہ اور آپ کا بڑا بیٹا بھی طویل عرصے سے دشمن کی قید میں تھے۔

پرویز مشرف پر حملے کے ایک اہم منصوبہ ساز، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف کارروائیاں ترتیب دینے والے عبقری عسکری ذہن، شیخ ابو حمزہ ربیعہ رحمہ اللہ پر بھی دشمن نے دو بار ڈرون حملے کیے۔ پہلے حملے میں آپ کی اہلیہ اور تمام بچے شہید ہو گئے جب کہ دوسری بار آپ اپنے ایک نہایت محبوب دوست اور قریبی ساتھی سمیت جامِ شہادت نوش کر گئے۔

مصر سے تعلق رکھنے والے بزرگ مجاہد اور عسکری ماہر، شیخ عبد الرحمان بی ایم رحمہ اللہ نے بھی نہ صرف خود شہادت کو گلے لگایا بلکہ آپ کے بعد آپ کے تین جوان بیٹے اور تین داماد بھی یکے بعد دیگرے اس راہ میں شہید ہوئے ...... یہاں تک کہ آپ کے خاندان میں صرف بیوہ خواتین اور یتیم بچیاں باقی رہ گئیں، اللہ کی لاکھوں رحمتیں ہوں ان سب پر۔

شیخ ابو عکاشہ العراقی رحمہ اللہ نے بھی اپنا خاندان اس راہ میں کٹوایا اور نہ صرف خود شہادت پائی بلکہ صلیبی ڈرون طیاروں نے آپ کے تینوں بیٹوں کو بھی چن چن کر الگ الگ حملوں میں نشانہ بنایا اور یوں آپ کے گھر میں بھی صرف خواتین ہی باقی رہ گئیں۔ اللہ ان سے راضی ہو!

خطیب المجاہدین، القاعدہ کی مرکزی شرعی کمیٹی کے ذمہ دار، حق گو عالمِ دین، شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حال میں شہید ہوئے کہ چودہ سال سے وہ اپنی اہلیہ اور اپنے بچوں سے جدا تھے، اور آپ کے بیٹے یحییٰ نے تو آپ کو ہوش کے عالم میں سوائے آپ کے ویڈیو بیانات کے، کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شہادت سے کچھ دن قبل آپ کو گھر والوں سے رابطے کی کوئی صورت میسر آئی اور آپ انہیں ارضِ ہجرت کی طرف بلانے کا ارادہ کرنے لگے، لیکن اس سے قبل کہ ایسی کوئی ترتیب بن پاتی، آپ کو شہادت کا بلاوا آگیا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ آپ اس سے قبل امریکی فوج کی قید میں چار کٹھن سال کاٹ چکے تھے اور میدانِ جہاد میں بھی آپ کو نشانہ بنا کر کم از تین بار ڈرون حملے کیے گئے جن میں آپ زخمی بھی ہوئے مگر اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

عبقری قائد، حکیم، منصوبہ ساز اور بے مثل فقیہ شیخ عطیۃ اللہ اللیبی رحمہ اللہ نے اپنی اہلیہ اور بچوں کی نگاہوں کے عین سامنے، گھر کے صحن میں شہادت پائی اور آپ کے جسم کے ٹکڑے بکھر گئے۔ اس سے قبل بھی آپ ایک ڈرون حملے میں بال بال بچے جب کہ آپ کا ڈرائیور اور محافظ شہید ہوئے۔ نیز آپ کی زندگی ہی میں ایک اور ڈرون حملے میں آپ کا ایک بیٹا شہید اور ایک بیٹا زخمی بھی ہوا۔

یہ محض چند مثالیں ہیں ان قائدینِ ملت کی جنہیں اللہ نے آخرت سے قبل دنیا میں بھی عالی مقامات سے نوازا، ان کا ذکر بلند کیا، اہلِ ایمان کے سینوں میں ان کی محبت انڈیلی، اہلِ کفر و ارتداد پر ان کی دھاک بٹھائی اور ان کی کوششوں اور مساعی میں عجب برکت ڈالی، ان شاء اللہ ان کا اصل مقام و مرتبہ روزِ قیامت عیاں ہو گا جب اللہ کے اذن سے یہ نور کے منبروں پر اور رحمتِ رب کے سائے میں ہوں گے، احسبهم كذلك والله حسيبهم۔

یہ مثالیں تو ہم نے محض بطور نمونہ ذکر کی ہیں، ورنہ اس کاروانِ ایمان و عزیمت کے عوام و خواص کی قربانیوں کا احاطہ کرنا کسی کے بس میں نہیں، سوائے اس ربِ علیم و خبیر کے جو اپنے بندوں کا ہر ہر عمل گن گن کر رکھتا ہے اور کوئی ذرہ برابر نیکی بھی جس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ یہ سارا قافلہ اور بالخصوص اس کے قائدین کی صفیں ایسی قربانیوں کی داستانوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس قافلے کے راہیوں میں سے ہر دوسرا فرد یا تو کسی شہید کا باپ ہے، یا کسی شہید کا بھائی، یا کسی شہید کا بیٹا۔ اس قافلے کے بیش تر قائدین جیلوں اور عقوبت خانوں کے ایمانی مدرسے سے فارغ التحصیل ہیں اور سالوں ان مدارسِ یوسف علیہ السلام میں رب کی معرفت کے اسباق حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کے جسموں پر آپ کو ویسے ہی نشان ملیں گے جیسے نشان بلال حبشی اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہما کی پشت پر تھے۔ اس قافلے کے قائدین میں، خواہ وہ عرب ہوں یا ترک، ازبک ہوں یا ترکستانی، پشتون ہوں یا پنجابی وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا ہاتھ اللہ کی راہ میں قربان ہوا، وہ بھی جن کی ٹانگ ان سے قبل جنت جا پہنچی، وہ بھی جن کی آنکھ اللہ نے قبول فرمائی، وہ بھی جن کا جسم مارٹر کے گولوں یا ڈرون کے پارچوں یا مرتد سپاہیوں کی گولیوں نے چھلنی کیا اور آج بھی ان کے جسموں پر زخموں کے یہ نشان پیوست ہیں بالکل اسی طرح جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے جسم تیر و تلوار کے نشانوں سے سجے ہوتے تھے۔

میرے عزیز و! یہ ہے وہ مشقت بھری راہ جس سے گزر کر عظمت و بلندی ملتی ہے......عالی مقامات نصیب ہوتے ہیں......اللہ کا قرب اور اس کا دیدار عطا ہوتا ہے۔ یہ ہیں مردوں کے کرنے کے کام! بھلا ایک ٹائر بلند کر کے سڑک پر موٹر سائیکل چلا لینا، بازاروں اور پارکوں میں پرائی خواتین کے تعاقب میں کامیاب ہو جانا، حیا سے عاری عورتوں کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر ماڈلنگ کر لینا، مخلوط محفلوں میں رقص میں سبقت لے جانا، تالیاں پیٹتے لاکھوں تماشائیوں کے سامنے ایک گیند کو سٹیڈیم سے باہر اٹھا پھینکنا، جسم پر ٹیٹو اور رنگا رنگ نقش و نگار چھید کروا لینا، ملٹی نیشنل کمپنی میں کسی کافر گورے کو سَر سَر کہتے اس کا نوکر بن کر نوکری لینا، سرکاری دفاتر یا کفریہ نظام کی محافظ فوج میں اعلیٰ افسران کی چاپلوسی و خوشامد کر کے گریڈ بڑھوا لینا، پروموشن کروا لینا......ان میں سے کون سا کام مسلمان مرد کے شایانِ شان ہے؟ ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے جو فخر کے قابل ہے؟ اس میں کیا بلندی؟ کیسی عزت؟ اعزاز کی کون سی بات ہے؟ کیا واقعی مسلمان انہی حقیر امور میں، انہی پستیوں میں گرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے؟ اگر مردوں والا دل رکھتے ہو تو جہاد کے میدانوں کا رخ کرو اگر محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور ابو بکر و عمر، عثمان و علی، خالد و ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم کے پیروکار ہو تو اسلام کے دشمنوں سے پنجہ آزمائی کے لیے جنگ کے محاذوں میں اترو اپنے سے کئی گنا بڑے اور قوی دشمن سے اللہ کے سہارے اور بس اللہ کے سہارے ٹکرا کر دکھاؤ! یہاں قسمت آزماؤ! شاید کہ عظمتیں پا جاؤ!

یقیناً سچ کہا، جس نے کہا: لَو لَا المَشَقَّة سَادَ النَّاسُ كُلُّهُم!

اور یقیناً سب سے سچی بات تو میرے رب کی ہے، جس کا فرمان ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۴۲)

”اگر مالِ غنیمت سہل اور سفر بھی ہلکا سا ہوتا تو یہ تمہارے ساتھ (شوق سے) چل دیتے لیکن ان کو بہت دور لگا یہ کٹھن راستہ (تو عذر کرنے لگے)۔ اور اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت اور طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے، یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور ان کے جھوٹا ہونے کا اصل علم اللہ کو ہے۔“

بنگلہ دیش میں ہندوتوا کا خطرناک مرحلہ

بنگلہ دیش میں القاعدہ برِّصغیر سے وابستہ مجاہدین کی مرتب کردہ رپورٹ

یوں تو یہ رپورٹ بنگلہ دیشی حضرات نے بنگلہ دیش ہی کے حوالے سے تیار کی ہے، لیکن یہ رپورٹ پورے برِّصغیر (پاکستان، کشمیر و ہندوستان) کے اہلِ ایمان کے لیے بھی نہایت اہم اسباق لیے ہوئے ہے۔ (ادارہ)

اسکون (ISKCON[1])

شاید بنگلہ دیش میں ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور اداروں میں نفوذ کے ان کے رویوں اور نفسیات پر اثرات کی بہترین مثال 'اسکون' نامی تنظیم کی سرگرمیوں میں ملتی ہے۔

۲۰۱۴ء میں اسکون نے ہفتہ بھر طویل ایک پوجا (رتھ یاترا) کا اہتمام کیا۔ اسکون کا مرکزی مندر شامی باغ ڈھاکہ میں ایک بڑی مسجد کے پہلو میں واقع ہے۔ اپنے تہوار میں اسکون کے ارکان لاؤڈ سپیکر پر موسیقی چلاتے رہے، حتیٰ کہ مسجد میں رمضان المبارک کے دوران تراویح کی نماز کے دوران بھی اسے بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تہوار کی وجہ سے تراویح کی نماز دس بجے تک مکمل ہو جانی چاہیے۔ جب مسجد کی انتظامیہ نے اس مطالبے کو تسلیم نہیں کیا تو اسکون کے ارکان نے مسجد پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ اس موقع پر پولیس آگئی، لیکن پولیس کے اس دستے کی سربراہی ایک ہندو انسپکٹر کر رہا تھا۔ اس انسپکٹر نے فوری طور پر مسجد کے امام کو گرفتار کرنے کی کوشش کی، لیکن مسجد میں موجود نمازیوں نے ایسا ہونے نہیں دیا۔

پھر ہندو انسپکٹر نے مسلمانوں کو دھمکی دی کہ اگر تراویح کی نماز دس بجے تک ختم نہیں کی جاتی تو پھر مسجد کو تالا لگا دیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے مسلمان طیش میں آگئے اور ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اسکون کے ارکان نے پولیس کے سامنے ہی مسلمانوں پر چاقوؤں اور لاٹھیوں سے حملے کرنے شروع کر دیے۔ کچھ دیر بعد دونوں طرف کے مقامی بڑوں کی مدد سے حالات پر قابو پالیا گیا۔

یہ سارا واقعہ واضح کرتا ہے کہ کس طرح انتظامیہ میں ہندوؤں کا اثر و رسوخ، اسکون جیسی تنظیموں کو طاقتور بنا رہا ہے اور ان کو اتنا اعتماد دے رہا ہے کہ یہ کھلے عام مسلمانوں کو للکاریں۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ کھلی مثال ہے کہ کیسے پولیس اور حکومتی انتظامیہ ایسے معاملات میں ہندوؤں کی طرف داری کرتی ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۲۰۱۶ء میں سلہٹ میں پیش آیا۔ کاجل شاہ جامعہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھی جا رہی تھی کہ اسکون کے لگائے گئے لاؤڈ سپیکروں سے موسیقی چلا دی گئی۔ جب نماز کے بعد نمازیوں کا مجمع اسکون کی انتظامیہ سے بات کرنے گیا تو اسکون کے ارکان مشتعل ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے مندر کے اندر سے مسلمانوں پر پتھراؤ بھی کیا اور مسلمانوں نے بھی اس کا جواب دیا۔ پھر اسکون کے ارکان نے مسلمانوں پر متعدد تیز دھار ہتھیاروں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اسی دوران پولیس آگئی اور پولیس نے بھی مسلمانوں پر براہ راست فائرنگ اور آنسو گیس کے گولے برسانا شروع کر دیے۔ اس واقعے میں بارہ (12) مسلمان زخمی ہوئے جن میں سے سات (7) کو گولیوں کی وجہ سے زخم آئے تھے۔ اس واقعے کے بعد بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا لیکن اسکون کے کسی ایک رکن کو تفتیش تک کے لیے بھی نہیں بلایا گیا۔

اس واقعہ کے بعد، عثمانی نگر مسجد سلہٹ کے خطیب نے اپنے فیس بک کے سٹیٹس پر اس واقعے کے خلاف احتجاج کیا اور کچھ دن بعد ان کے گھر سے ان کی لاش برآمد ہوئی۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے اور انہیں گلا گھونٹ کر شہید کیا گیا تھا۔

یہ کوئی اِکّادُکّا واقعات نہیں ہیں۔ اسکون جان بوجھ کر مسلمانوں کو اشتعال دلا کر اس طرح کے ہنگامے کھڑے کرتی ہے۔ اسکون کے وابستگان سارا دن اور خاص کر نماز کے اوقات میں لاؤڈ سپیکر پر موسیقی چلانے کا طریقۂ کار دہراتے رہتے ہیں، ۲۰۱۹ء کی رتھ یاترا میں بھی یہی کام کیا گیا۔ اس تہوار میں ہندوؤں نے بھالوں کے ساتھ مارچ بھی کیا۔

جولائی ۲۰۱۹ء میں پیش آنے والا ایک اور واقعہ بھی اسکون کے مسلمانوں کو جان بوجھ کر اکسانے کے رجحان کو واضح کرتا ہے۔ رتھ یاترا کے جشن کے طور پر اسکون نے فیصلہ کیا کہ چٹاگانگ کے تیس اسکولوں میں مفت کھانا تقسیم کیا جائے گا۔ ان اسکولوں میں زیادہ تر سرکاری اسکول تھے۔ جو کھانا دیا گیا وہ پرشاد اور ان کے جھوٹے خداؤں پر چڑھائے گئے چڑھاوے میں سے تھا۔ اسکون کے ارکان اسکولوں کی کلاسوں میں گئے اور مسلمان طلبہ کو یہ حرام کھانا کھانے پر مجبور کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے طلبہ کو مجبور کیا کہ وہ 'ہرے رام، ہرے کرشنا' دہرائیں۔ ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس پورے واقعے کی ویڈیو ریکارڈ کی اور پھر اسے فیس بک کے صفحات پر بڑے پیمانے پر پھیلایا۔ اس کی وجہ سے سوشل میڈیا پر مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل سامنے آیا۔ ایک اسلامی جمہوری پارٹی (چار منائی) نے ان لوگوں کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی کوشش کی، لیکن حسب معمول عدالت نے درخواست مسترد کر دی۔

مسلمان طالب علموں کے 'ہرے رام، ہرے کرشنا' دہرانے کی ویڈیو کے پھیلنے اور اس کے ساتھ ساتھ پریا ساہا کے معاملے کے بعد ملک میں ہندو مخالف جذبات اپنے عروج پر پہنچ گئے۔

---

[1] International Society for Krishna Consciousness

اسی موقع پر بار یہ کی ایک مسجد کو رات کے اندھیرے میں جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ جب ایک مفتی صاحب نے اس سانحے کے خلاف سوشل میڈیا پر آواز اٹھائی تو انھیں آر اے بی[1] نے فوری طور پر گرفتار کر لیا۔

کئی سالوں سے اسکون مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے تاکہ اس کو بہانہ بنا کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کر سکے۔ ڈھاکہ، سلہٹ اور چٹاگانگ میں ہونے والے یہ واقعات کا تعلق بھی اسکون کی انہی کوششوں سے ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا کہ اسکون سرکاری ملازمتوں میں زیادہ سے زیادہ ہندوؤں کی بھرتیوں کے لیے کوشاں ہے۔ یہ کام سرکاری عہدوں پر پہلے سے موجود ہندوؤں کی مدد سے اور اپنے خاطر خواہ مالی وسائل کو استعمال میں لا کر کیا جا رہا ہے۔ اس منصوبے کی فنڈنگ کے لیے اربوں کی مالیت کی رقوم بیرون ملک سے فراہم کی جا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر آر ایس ایس نے ساڑھے سات کروڑ ٹکے[2] اسکون کو ساور، ڈھاکہ میں ایک مندر تعمیر کرنے کے لیے دیے۔ اس بات کا اعلان ایک اور انتہا پسند ہندو تنظیم 'جاتیو ہندو مہاجت' نے بڑے فخریہ انداز میں کیا۔ ان رقوم کی مدد سے اسکون پورے ملک میں مندر اور اپنا نیٹ ورک بنا رہی ہے۔ اس کے علاوہ اسکون پورے ملک سے غریب اور نچلی ذات کے ہندوؤں کو بھی بھرتی کر رہی ہے۔ اس تنظیم کے مراکز اب پورے ملک میں سو سے بھی زیادہ مقامات پر موجود ہیں۔

متعدد متشدد ہندو تنظیمیں جیسے ہندو مہاجت، جاگو ہندو، ویدانتا وغیرہ پچھلے چند سالوں میں بہت پھلی پھولی اور متحرک ہوئی ہیں۔ ان تنظیموں کے زیادہ تر ارکان اسکون کے بھی ارکان ہیں۔ جب کامیلا یونیورسٹی کے ایک ہندو طالب علم کو، جو اسکون کا رکن بھی تھا، طلبہ نے احتجاج کے دوران اسلام کی شان میں گستاخی کرنے پر گرفتار کر لیا، تو بھارتی ہائی کمیشن نے اس معاملے میں مداخلت کی اور اس کی رہائی کو یقینی بنایا۔ پھر اس کے بعد وہ مسلمان طلبہ جنہوں نے اس ہندو کے جرم کے خلاف احتجاج کیا تھا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح اسکون سے تعلق رکھنے والے ہندو اساتذہ پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں نقاب اور حجاب پر پابندی لگانے کی کوششوں میں صف اوّل پر ہیں۔

ان سب کے ساتھ ساتھ، اسکون سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں موجود اعلیٰ سطح کے ہندو افسران سے رابطے میں بھی رہتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ غرض یہ کہ اسکون صہیونیوں کے نقش قدم پر چل رہی ہے اور صہیونیوں کے ہی نفوذ کے طریقۂ کار پر عمل درآمد کر رہی ہے۔ بھارتی ریاست اسکون کی پشت پناہی کر رہی ہے یہ بات اس امر سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بھارتی ہائی کمشنر اسکون کی نئی بلڈنگ کے افتتاح کے لیے خود سلہٹ گیا۔ سابق چیف جسٹس سریندر سنہا کا معاملہ بھی بنگلہ دیش میں ہندوؤں کے اثر و رسوخ کا واضح ثبوت ہے۔ سنہا اپنے عہد میں عوامی لیگ کو کھل کر چیلنج کر سکتا تھا کیونکہ اس کی پشت پر اسکون، بھارتی ہائی کمیشن اور سول سروسز میں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ معاملہ ایک بھارتی ایجنٹ کا دوسرے بھارتی ایجنٹ کو للکارنے کا ہے۔ لیکن عوامی لیگ نے پھر بھی سریندر سنہا کو استعفیٰ دینے اور ملک چھوڑنے پر مجبور کر ہی دیا۔ سنہا کے علاوہ پچوش اور رانا داس گپتا جن کا تعلق شامپریتی بنگلہ دیش اور ہندو، بدھ، عیسائی اتحاد سے تھا، جس کا ذکر پہلے آیا ہے، بھی اسکون کے ساتھ روابط رکھتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مضبوط نیٹ ورک بنانے اور اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کرنے کے علاوہ اسکون مسلمانوں کے ساتھ تعارض اور ٹکراؤ کے حالات پیدا کرنے کے لیے بھی متحرک ہے۔ ایک حالیہ رپورٹ میں ایک صحافی نے سکیورٹی فورسز کے ایک سابق رکن کا ایک بیان نقل کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

> "اسکون بنگلہ دیش کے مختلف حلقوں میں بھارتی تسلط قائم کرنے کے لیے کلیدی کردار ادا کر رہی ہے۔ اسکون مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تناؤ پیدا کرنے اور تصادم کے لیے میدان ہموار کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ جب بھی مسلمان ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور ظلم و ستم کی مخالفت کریں گے اور اس کے خلاف احتجاج کریں گے تو ایک شورش ضرور برپا ہو گی۔ اس شورش کا سہارا لے کر بھارتی ایجنٹ بعض مندروں پر حملے بھی کریں گے، اور ہندوؤں کے گھر اور کاروباری مراکز بھی جلائیں گے۔ پھر بھارت عالمی برادری کو یہ باور کروائے گا کہ بنگلہ دیش میں ہندوؤں پر ظلم خطرناک سطح تک پہنچ چکا ہے اور اس موقع پر بھارت کے پاس مداخلت کے لیے اپنی فوجیں بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

اگرچہ اس بیان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے لیکن اُن معلومات کی روشنی میں جو ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ سچ ہیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ بیان بھی غلط نہیں ہے۔ جو صحافی یہ حقائق منظرِ عام پر لایا ہے اس کا ریکارڈ بھی بطور آزاد اور بااصول صحافی ہونے کے اچھا ہے۔ لیکن ایک بات بہت واضح ہے، جتنی بھی سرگرمیاں ہم نے اسکون کی یہاں ذکر کی ہیں، مثلاً نیٹ ورک مضبوط کرنا، مندروں کی تعمیر، ریاستی ڈھانچے میں نفوذ، تمام ملک میں مراکز کا قیام، عمداً مسلمانوں کو مشتعل کرنا، یہ سب چیزیں بذات خود مقصد نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ یہ سب سرگرمیاں ان کے اساسی مقصد کے حصول کی تیاری کا حصہ ہیں۔ اور ان کارروائیوں کی ساخت اور طریقۂ کار کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو کارروائیاں خود اتنی شیطانی ہیں وہ جس اساسی مقصد کے حصول کے لیے کی جا رہی ہیں وہ کتنا شیطانی ہو گا۔

---

[1] Rapid Action Battalion

[2] ٹکا: بنگلہ دیشی کرنسی

ہندو مہاجت اور گووندا پرامانک

بنگلہ دیش میں ہندوتوا منصوبے پر کام کرنے والے سارے ہندو گروہوں میں شاید سب سے زیادہ متشدد گروہ 'بنگلہ دیش جاتیو ہندو مہاجت' ہے۔ اس گروہ کا سیکرٹری جنرل گووندا پرامانک نامی ایک خبیث ہندو ہے جو کہ کھلم کھلا بنگلہ دیش کو بھارت کا حصہ بنانے کے اپنے ارادوں کا اظہار اور آر ایس ایس کے 'اکھنڈ بھارت' بنانے کے نعرے کی تشہیر کرتا ہے۔ ہندو مہاجت کی طرف سے منعقد کی گئی ایک مجلس میں رمنا کالی مندر کے پنڈت نے کھل کر بنگلہ دیش کو بھارت کا حصہ بنانے کی بات کی۔ اسی طرح اسی مجلس میں، دلیپ گوش جو کہ مغربی بنگال میں بی جے پی کا رہنما اور بھارتی پارلیمنٹ کا رکن ہے، اس نے بھی بنگلہ دیش کو اکھنڈ بھارت کا حصہ بنانے کا نعرہ دہرایا۔ پرامانک سوشل میڈیا پر اپنی ویڈیو تقریریں نشر کرتا رہتا ہے، جن میں وہ کھل کر حکومت اور اس کے وزیروں کو تنقید و تحقیر کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہندوؤں کو اپنے گھروں میں بھالے اور ترشول رکھنے کی بھی دعوت دیتا ہے تا کہ مسلمانوں سے لڑا جاسکے۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوؤں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے رتھ یاترا کے تہوار کے دوران ہتھیار بند رہیں۔ پرامانک بنگلہ دیش میں آر ایس ایس کا متحرک رہنما ہے، اور سارے ملک میں سفر کر کے ہندو نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ یونٹوں کی شکل میں متحد ہو جائیں اور آر ایس ایس کے اکھنڈ بھارت بنانے کے نظریے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے محنت کریں۔

پرامانک کھل کر اظہار کرتا ہے کہ آر ایس ایس نے اربوں مالیت کی رقوم کی سرمایہ کاری کی ہے تا کہ بنگلہ دیش میں نئے مندر بنائے جائیں اور موجود مندروں کی فنڈنگ کی جائے۔ ان میں سے نمایاں، ساور میں اسکون مندر، رمنا کالی مندر، ملک کے جنوبی علاقوں میں موجود مندر ہیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ اگر تمام میں نہیں تو زیادہ تر مجلسوں میں جو ہندو مہاجت کی طرف سے منعقد کی جاتی ہیں، پرامانک اور اس کے مہمان بشمول دلیپ گوش کبھی کھل کر اور کبھی ڈھکے چھپے الفاظ میں ہندوؤں کو اسلحہ اٹھانے اور لڑنے کے لیے تحریض دلاتے ہیں۔

ان تنظیموں کی سرگرمیوں اور سرکاری انتظامیہ میں ان کی طاقت کا اثر عام ہندوؤں کے مزاج پر بھی پڑ رہا ہے۔ اس کی ایک مثال چٹاگانگ میں ملتی ہے جہاں دو سال قبل ہندوؤں نے عید کے موقع پر مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے سے روک دیا۔ جب مسلمان عید پر گائے ذبح کرنے لگے تو ہندوؤں نے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے گائے ذبح کی تو بدلے میں مسلمانوں کو ذبح کیا جائے گا۔ ایسی صورتحال میں مسلمانوں کو رکنا پڑا۔ مقامی تھانے میں اس واقعے سے متعلق ایک مقدمہ درج کروایا گیا لیکن اس پر آج تک کسی قسم کا عمل درآمد نہیں ہوا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پچھلے کچھ سالوں میں شامیریتی بنگلہ دیش اور ہندو، بدھ، عیسائی اتحاد جیسے نسبتاً اعتدال پسند اور عوامی لیگ کے حلیف ہندو گروہ اب پیچھے ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ اسکون اور ہندو مہاجت جیسے زیادہ متشدد اور آر ایس آیس کے حلیف گروہوں نے لے لی ہے۔ اس عرصے میں ان گروہوں کی طاقت، ان کے فنڈز اور ان کی رکنیت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ اعتدال پسند اور بنیاد پرست دونوں ہی اصل میں ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں لیکن یہ تبدیلی بنگلہ دیشی ہندوؤں میں متشدد ہندوتوا نظریے کے فروغ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے خلاف زیادہ جارحانہ، اشتعال انگیز اور تعارض والا رویہ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ماضی میں ہمیشہ یہ ہندو عوامی لیگ کے طفیلیے بنے رہے ہیں لیکن اب یہ عوامی لیگ کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، اور براہ راست بھارت اور بی جے پی کی طرف سے بات کرتے ہیں۔ سالوں کی تیاری کرنے اور قوت حاصل کرنے کے بعد اب ہندو زیادہ پر اعتماد اور اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ جیسے اب یہ مسلمانوں کے خلاف کھل کر لڑنے کے لیے تیار ہیں۔

اختتامیہ

ہندوتوا کا منصوبہ بنگلہ دیش میں ایک نئے زیادہ پر اعتماد اور زیادہ جارحانہ مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ بی جے پی کی کھلی حمایت، کھلم کھلا بنگلہ دیش کو بھارت کا حصہ بنانے کا نعرہ، مسلمانوں کو عمداً مشتعل کرنے کی کوششیں، ہندوؤں کو ڈھکے چھپے الفاظ میں یا کھلم کھلا ہتھیار اٹھانے کی دعوت، عوامی لیگ کی کھلم کھلا مخالفت، بنگلہ دیش میں ہندوؤں کے خلاف نام نہاد زیادتیوں سے متعلق بین الاقوامی بیانیہ قائم کرنے کی کوشش، عام آدمی کی سطح پر تنظیم سازی، بی جے پی اور آر ایس ایس کی طرف سے مدد حاصل کرنے کو کھل کر تسلیم کرنا، اس نئے مرحلے کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سول انتظامیہ اور ریاستی اداروں کے اہم عہدوں تک بتدریج نفوذ کا عمل نہ صرف جاری ہے بلکہ تیز بھی ہو چکا ہے اور اس کا دائرۂ کار بھی وسیع ہو چکا ہے۔ حالات جس سمت جا رہے ہیں ایسے میں بھارت کا عمل دخل کیا ہو گا اس حوالے سے چند اندازے لگائے جا سکتے ہیں:

- بی جے پی مغربی بنگال میں حکومت آنے تک انتظار کرے گی۔ جب وہاں حکومت قائم ہو جائے گی تو پھر یہ آر ایس ایس کے غنڈوں کو بارڈر کے دونوں جانب مسلح کرنا شروع کر دے گی۔ اور ان کے ذریعے یہ کھلنہ، جیسور، فریدپور، کشتیا، بڑیشال اور پاٹوکھالی پر قبضہ کر کے ان کو مغربی بنگال کا حصہ بنانے کی کوشش کریں گے۔
- اس عمل کے دوران یا اس سے پہلے ہی ممکن ہے ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے نفوذ کی وجہ سے ملک میں شورش برپا ہو جائے جس کی وجہ سے ہندوؤں کو ہلاک کیا جائے، ان کے مندروں اور ان کے کاروباروں کو تباہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں ہندو بڑی تعداد میں سرحد پار کر کے بھارت میں پناہ لینا شروع کر دیں۔ اس موقع پر بی جے پی اور آر ایس ایس ان ہندوؤں کو مسلح کر کے پھر سے بنگلہ دیش میں داخل

کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ اوپر ذکر کیے گئے علاقوں پر قبضہ کر کے آزاد ہندو اکثریتی ''بانگا بھومی'' بنائی جاسکے۔

- حسینہ واجد بطور رہنما یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ پورے ملک میں عوامی لیگ کے حمایتیوں کو متحد اور متحرک کرے۔ اس طاقت کے ساتھ پچھلے عرصے میں عوامی لیگ نے بعض مواقع پر بھارت کی مرضی کے خلاف کام بھی کیے ہیں جیسے سریندر سنہا کا معاملہ۔ اس کے علاوہ پچھلے عرصے کے بعض بیانات میں بھی حکومت کا جھکاؤ چین کی طرف زیادہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ بھارت کوشش کرے کہ حسینہ واجد کو ہٹا کر کسی اور زیادہ تابع فرمان کو حکومت میں لایا جائے۔ اس طرح کی کٹھ پتلی کو حکومت میں لانے سے بنگلہ دیش پہلے سے کہیں زیادہ بھارت کا غلام بن جائے گا۔ اس کے ساتھ بھارت کی کوشش ہوگی کہ بنگلہ دیشی فوج اور پولیس کو استعمال کرتے ہوئے اس حکومت کے تمام مخالفین کو خاموش کروا دیا جائے۔
- آسام میں اب جبکہ حکومت نے تیس سے چالیس لاکھ مسلمانوں کی شہریت ختم کر دی ہے تو یہ بات واضح نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ بین الاقوامی قوانین کے مطابق تو اتنی بڑی تعداد میں 'غیر قانونی تارکین وطن' کو واپس ان کے اصلی وطن نہیں بھیجا جاسکتا۔ اس لیے یہ واضح نہیں کہ بی جے پی کا اتنی بڑی تعداد کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ امکان یہ بھی ہے کہ ان مسلمانوں کو حراستی کیمپوں میں بند کر دیا جائے جیسے چین ایغور مسلمانوں کے ساتھ کر رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بی جے پی ریاستی پشت پناہی کے ساتھ فسادات کا آغاز کر دے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جائے۔ اور اس قتل عام کی وجہ سے مسلمانوں کو بنگلہ دیش کی سرحد کی طرف دھکیلا جائے۔ اس عمل کے نتیجے میں ممکن ہے بنگلہ دیش میں شورش برپا ہو جائے اور اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آر ایس ایس اور بی جے پی بنگلہ دیش میں ہندوؤں کو مسلح کرنا شروع کر دیں اور آزاد ہندو اکثریتی ''بانگا بھومی'' بنانے کا خواب پورا کر سکیں۔

اس سے قطع نظر کے بھارت مستقبل میں کیا اقدامات اٹھاتا ہے، حالات جس سمت میں جا رہے ہیں یہ بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور پورے برصغیر کے لیے بالعموم بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اس خطرے کو بعید سمجھ کر اس سے صرفِ نظر کرنے کی بجائے بحیثیت امت سوچنا شروع کریں اور پاکستان، بنگلہ دیش، برما اور افغانستان کو ان کے عوام کا مسئلہ سمجھنے کی بجائے اسلامی سرزمین کے تصور کو دل و ذہن میں پختہ کریں اور یہ یاد رکھیں کہ مسلمانوں کی چپہ بھر زمین بھی اگر قبضۂ کفار میں ہو تو بتدریج امت کے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ہمارے رب نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں سب سے سخت یہود اور مشرکین ہیں، پس ان سے مقابلے کے لیے قوت مجتمع کیجیے، ان کی چالوں کو سمجھیے اور ان کے سدّباب کی کوشش کیجیے، اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے۔

وما علينا الا البلاغ المبين!

بقیہ: شیخ ایمن الظواہری

السحاب:

آئیں جو کچھ اس نے کتاب میں کہا اور جو گواہی الجزیرہ کے پروگرام میں دی ان کا موازنہ کریں:

جان کیریاکو:

جب ہم نے ۲۲ مارچ ۲۰۰۲ء کو ابوزبیدہ کو گرفتار کیا تو ہم نے اس کے ساتھ اس کی ڈائری بھی پکڑی۔ اور اس ڈائری میں سعودی شاہی خاندان کے ارکان کے فون نمبر تھے۔ سو میں نے سی آئی اے کے مرکزی دفتر لکھ بھیجا کہ میں نے بڑی اہم معلومات پکڑی ہیں......فون نمبر سعودی شاہی خاندان کے تین ارکان کے تھے۔

پھر کچھ ہی ہفتوں میں، ایک گاڑی کے حادثے میں مارا گیا۔ دوسرا صحرا میں خیمے میں رہنے کے لیے گیا اور پیاس سے مر گیا۔ کیا آپ ایسی چیز کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ اور تیسرا غائب ہو گیا اور اسے کبھی کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

السحاب:

معزز ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں کہانیاں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ جان کیریاکو نے پروگرام کے دوران کہا کہ شیخ ابوزبیدہ کی گرفتاری کے دوران فون نمبر ان کی جیب میں سے ملے، جب کہ کتاب میں بالکل مختلف بات بتائی گئی ہے کہ سی آئی اے والوں کو فون نمبر کیسے ملے۔

وہ اپنی کتاب میں کہتا ہے جن تین سعودیوں کے فون نمبر شیخ ابوزبیدہ کے پاس تھے ان میں سے ایک تُرکی الفیصل تھا۔ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ اس کے دعوؤں کے برعکس تُرکی الفیصل ابھی زندہ ہے۔ اسے انٹیلی جنس چیف کا عہدہ چھوڑنے کے بعد امریکہ اور اس کے بعد برطانیہ میں سعودی عرب کا سفیر مقرر کیا گیا۔ آج بھی وہ سعودی سلطنت کے ایک فسادی ستون کا نمایاں کردار نبھا رہا ہے۔ الجزیرہ کو دی اہلکار کی گواہی میں تیسرا سعودی کسی طرح تبدیل ہو کر کتاب میں پاکستانی ائیر مارشل بن گیا!

ان تضادات کے بعد ہمیں حق ہے کہ ہم الجزیرہ کی پیشہ وارانہ لیاقت، شفافیت اور دیانت داری پر سوال اٹھائیں۔ یا تو سی آئی اے کا اہلکار جھوٹا ہے یا پھر

الجزیرہ جھوٹ بیچ رہا ہے۔ زیادہ ممکن یہی ہے کہ حمام میں دونوں ہی برہنہ ہوں۔ الجزیرہ رقم ادا کرتا ہے اور اہلکار زیادہ رقم ادا کرنے والے کا خادم بن جاتا ہے، جبکہ دونوں سے ایک کام کا تقاضہ کیا جاتا ہے کہ مجاہدین کی کردار کشی کرو۔ اور جو کچھ نظر سے چھپایا گیا ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اس نقطے پر اپنا تبصرہ ختم کرنے سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر الجزیرہ سابقہ امریکی اہلکار کی گواہی پر تکیہ کرنا چاہتا ہے تو میں اس چینل کو اس صحافی کی گواہی یاد دلاتا ہوں جو ان کا ملازم تھا؛ اس کا نام ہے جمال اسماعیل۔ اس نے اس انٹرویو کے لیے الجزیرہ کی جانب سے آلات و اسباب لانے کے بارے میں لکھا ہے جسے الجزیرہ میرے ساتھ انٹرویو کرنے کے لیے لایا تھا۔

السحاب:

جمال اسماعیل نے اپنی کتاب "بن لادن، الجزیرہ اور مَیں" میں ان آلات و اسباب کا ذکر کیا ہے جو الجزیرہ کا عملہ براہِ راست نشر کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا۔

"براہِ راست نشر کے لیے آلات واسباب!

الجزیرہ کی ٹیم کے ساتھ میری گفتگو کے دوران مجھے پتہ چلا کہ وہ افغانستان سے سیٹلائٹ لنک کے ذریعے انٹرویو براہِ راست نشر کرنے کے لیے آلات و اسباب ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس وجہ سے ممکنات پر سوال اُٹھایا کہ آیا دوسری پارٹی یہ تجویز قبول بھی کرے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے آلات ساتھ لانے کے مقصد پر بھی سوال اُٹھا جن کا سُراغ لگایا جاسکتا ہو اور جو ڈاکٹر ایمن الظواہری کی جائے موجودگی کا عین تعین کر دے اور شاید اسامہ بن لادن کا بھی، اگر وہ میٹنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں۔

....

چیچنیا کے سابق صدر جوہر دوداۓو کو اس وقت ہلاک کیا گیا جب ان کی مخصوص جگہ کا امریکی سیٹلائٹ نے سراغ لگا کر معلومات روسی اہلکاروں کو دیں، جنھوں نے میزائل داغ کر انہیں ہلاک کیا۔ یہ واقعہ ابھی ذہنوں میں تازہ تھا اور یادداشت سے معدوم نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے شبہات کا اظہار کیا کہ اگر یہ باتیں دوسری پارٹی کے علم میں آ گئیں تو وہ سکیورٹی وجوہات پر انٹرویو منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ وہ ایسا اس یقین کی وجہ سے کریں گے کہ یہ معلومات امریکیوں تک پہنچ جائے گی جو افغان سرزمین سے ہر قسم کی ابلاغ پر نظر رکھتے ہیں تاکہ وہ شیخ اسامہ بن لادن اور ڈاکٹر ایمن الظواہری کے عین مقام کی نشاندہی کر لیں اور بالآخر انہیں قتل کریں۔

....

آلات کے بارے میں سوالات:

میں نے ان کو یہ بھی کہا: آپ افغانستان سے براہِ راست انٹرویو کرنے کے لیے آلات واسباب لے کر آئے ہیں۔ سکیورٹی کے اعتبار سے یہ دوسری پارٹی کے لیے ناقابلِ قبول ہے کیونکہ یہ ان کی موجودگی کی جگہ کو سیٹلائٹ لنک کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ وہ آپ کو ایسے آلات افغانستان میں استعمال نہیں کرنے دیں گے۔ آپ کا اپنے آلات ساتھ لے کر آنا دوسری پارٹی کے لیے از خود الجزیرہ کی نیت پر سوالیہ نشان ہے۔"

سبحان اللہ! مہاجر، مجاہد اور مقید ہیرو، سعود خاندان کا ایجنٹ ہے، ان کے خیالات کتنے بد ہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگلے پیغمبروں کا کلام جو لوگوں کو ملا اس میں بھی یہ ہے کہ جب شرم ہی نہ رہے تو پھر جو جی چاہے وہ کرو۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لوگوں پر ایسے سال آئیں گے جو دھوکے کے سال ہوں گے، ان میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا، خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا اور 'رویبضہ' کلام کریں گے۔" کسی نے پوچھا کہ رویبضہ سے کیا مراد ہے؟ جواب دیا "بیوقوف آدمی جو عوام کے معاملات میں بولے۔"

اگر الجزیرہ میں رتی بھر غیر جانب داری بھی ہوتی تو وہ شیخ ابو زبیدہ (اللہ جلد ان کو رہائی عطا فرمائے) کے وکیل یا خاندان سے رابطہ کرتے اور کہتے: ہمارے پاس ابو زبیدہ کے خلاف کچھ الزامات ہیں..... کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان الزامات پر ان کا جواب لے لیں؟ اگر جواب ممکن نہیں تھا تو کم از کم اس صحافتی دیانت داری - جس کا الجزیرہ دعوے دار ہے - کا تقاضہ تھا کہ وہ یہ کہتے: یہ دعوے سابقہ انٹیلی جنس اہلکار کے ہیں؛ اور ہم ان معاملات پر ابو زبیدہ کا جواب نہیں لے سکے۔

دیانت داری کا یہ درجہ الجزیرہ کی دسترس سے باہر ہے۔ بلکہ وہ اس سے دور بھاگتے ہیں کیونکہ وہ مجاہدین کے خلاف امریکہ کی غلیظ پراپیگنڈا جنگ میں حصہ دار ہیں۔ وہ بڑے ولولے سے مجاہدین کو دور رکھتے ہیں اور انہیں سچائی ظاہر کرنے سے روکتے ہیں۔ معاملے کی حقیقت تو اور بھی سنگین ہے، جیسا کہ میں بعد میں بات کروں گا۔

محترم، آزاد اور معاملہ شناس ناظرین! میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ مثال دیکھیں کہ امریکہ اپنی غلیظ میڈیا کی جنگ کا انتظام کس طرح چلاتا ہے۔

زیرِ بحث معاملے میں الجزیرہ نے دو شخصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ پہلی شخصیت ابو زبیدہ ہیں، ایک مہاجر فلسطینی مجاہد جو اُمت کی جدوجہد کو فلسطین سے چیچنیا تک، افغانستان، کشمیر، فلپائن اور پوری دنیا میں ایک ہی جدوجہد سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اُمت کا دفاع کریں اور اپنی اُمت، دین،

تقدس، تعظیم، زمینوں اور وسائل پر امریکی اور اسرائیلی جارحیت کا دفاع کریں۔ اس مجاہد کو بد ترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اسے نامعلوم مقامات پر محبوس رکھا گیا اور اس کی آواز دبائی گئی۔

دوسرا شخص امریکی انٹیلی جنس کا سابقہ اہلکار ہے جو اس دنیا میں مجرمیت اور غلبہ جمانے کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ خود ہی پولیس اہلکار ہے، خود ہی تشدد کرنے والا، تفتیش کار، گواہ، منصف، جیل کا داروغہ اور بد ترین بات کہ یہ ہی وہ خطیب ہے جو ہمیں خطبے دیتا ہے کہ کیسے کچھ ریاستیں ان کرائے کے دہشت گردوں کا فائدہ اُٹھاتی ہیں اور بعد میں انہیں عاق کر دیتی ہیں۔

امریکیوں نے سرخ ہندیوں (Red Indians) کے ساتھ رویے میں بھی بالکل یہی انداز اور ذہنیت اپنائی۔ انہوں نے ان کی جائیدادیں، دولت اور زمینیں ہتھیائیں۔ انہیں مارا، ان کی نسل کشی کی۔ ان کے درمیان نفرت و جھگڑے کے بیج بوئے، ان کی صفوں میں شراب اور بے راہ روی پھیلائی۔ آخر میں وہ ان کے پاس مسیحا کے روپ میں آئے اور ان کی صفوں میں تبلیغ کر کے ان پر احسان کیا اور جنتِ ارضی کی ضمانت دی۔ ان کے عیسائیت قبول کرنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ خون خوار جنگلیوں جیسا سلوک کیا جنہیں دور دراز بیرونی علاقوں کے علاوہ کہیں اور رہنے کا حق نہیں۔

یہ وہ پیغام ہے جو میڈیا اپنے ناظرین کے ذہنوں میں ڈالنا چاہتا ہے۔ مجرم امریکہ، تیل چور، ہماری زمینوں پر قبضہ کرنے والا، اسرائیل کو وجود میں لانے والا، یروشلم میں یہودیت پھیلانے کا محرک، جو ہماری زمینوں میں فوجیں پھیلاتا ہے اور اس کے بحری بیڑے ہمارے سمندروں میں ہیں...... جو غدار چاپلوسوں کو ہم پر حکمران مقرر کرتا ہے...... جو ان کے تمام جرائم، بُرائی، چوری، دھوکہ دہی، تشدد، دین سے دشمنی اور عزت، عفت اور دولت کی پائمالی پر خوش ہوتا ہے۔ یہی مجرم، گواہ، جلاد، منصف، واعظ، زر خرید دہشت گردوں کے خلاف قانونی افواج کا محافظ ہے۔ یوں غلیظ امریکی جنگی پراپیگنڈا جسے الجزیرہ فروغ دے رہا ہے مجاہد کو مجرم اور قاتل کو واعظ کے طور پر پیش کرتا ہے۔

لیکن میں امریکیوں اور ان کے ہرکاروں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے ہم سرخ ہندی نہیں ہیں۔ ہم امتِ مسلمہ ہیں جس نے انسانیت کو توحید کا پیغام دیا۔ ہم وہ امت ہیں جس نے کلیسا کی جانب سے مقدس کتابوں کی دروغ بافتی پر سے پردہ ہٹایا۔ ہم وہ امت ہیں جس نے خالق اور مخلوق کے درمیان کلیسا کے شفاعتی دعووں کو ناجائز قرار دیا اور کلیسا میں وسیع پیمانے کی بد اعمالی اور فساد کو طشت از بام کیا۔ ہم نے قیصر اور پاپائیت کو شکست دی۔ ہم نے پاکبازی کی حوصلہ افزائی کی اور بدی کو ممنوع قرار دیا۔ ہم نے لوگوں کو شرم وحیا اور پاکیزگی کی طرف بلایا اور بے حیائی اور بد اخلاقی کا خاتمہ کیا۔

یہ وہ اُمت ہے جو تم سے لڑی اور لڑتی رہے گی، ان شاءاللہ۔ اس اُمت کے خلاف تمہارا پراپیگنڈا ناکام ہو گا اور ایک ایک کر کے تمہارے تمام جھوٹ منظرِ عام پر آئیں گے۔

یہ وہی صلاح ہے جو سی آئی اے میں بن لادن یونٹ کے سربراہ مائیکل شوئر نے دی تھی۔ اس نے القاعدہ کو ایسے خطرے کے طور پر دیکھا جسے فوجی قوت سے ختم کرنا ضروری تھا نہ کہ قانون کے وسائل استعمال کرتے ہوئے۔ تاہم اس نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ اگر وہ القاعدہ کو شکست دینا چاہتے ہیں تو انہیں خود فریبی ختم کر کے اس کی حقیقت کو سراہنا ہو گا، بجائے اس کے کہ وہ سیاستدانوں اور میڈیا کے جھوٹ کے پیچھے ہانپتے رہیں۔ اس نے زور دیا کہ اسامہ اور القاعدہ کے ارکان مجرموں کا گروہ نہیں تھے۔ بلکہ اسامہ ایک عظیم شخص تھے جو عالمی اسلامی مزاحمت کی سربراہی کر رہے تھے اور بڑی تعظیم کے مستحق تھے۔ امریکی قوم، تم اب بھی اگر اپنے رہنماؤں کے جھوٹ اور فریب کی پیروی کرنا جاری رکھتے ہو تو شکست تمہارا مقدر ہے۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے، میں محترم، آزاد اور معاملہ شناس ناظرین کو دو مشاہدات بتانا چاہتا ہوں:

ایک: جماعت القاعدہ پر غیر منصفانہ طور پر انٹیلی جنس اداروں اور ریاستوں کے زیر سرپرستی ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ ہم پر امریکہ، اسرائیل، ایران، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین، روس، شام اور دیگر ممالک کا کارندہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ ہم پر تکفیری، مرجئہ، انتہا پسند اور روایت پسند ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پیسے اور اختیار کے بھوکے ہیں؛ کہ ہم غیر حقیقت پسند، دغاباز اور غیر مخلص ہیں؛ اور وہ جو وزیرستان میں اپنی بیویوں اور بچوں سمیت مارے گئے ہیروئن کے سوداگر تھے جن پر امریکہ نے بم برسائے، اور ایسے ہی دیگر الزامات۔ ہم ان الزامات کے سامنے اپنے صبر کے لیے اللہ سے اجر مانگتے ہیں۔ لیکن میں اپنے معزز اور آزاد ناظرین کو اس تحریف کے خلاف خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں القاعدہ کا پیغام دیکھنا چاہیے جو ہماری قیمتی ترین متاع ہے۔ اُمت کا اس پیغام کو پذیرائی دینا اور قبول کرنا ہماری حقیقی فتح ہے۔

اگر ناظر کو یہ پیغام اچھا اور سچا لگے تو اسے اس سے متفق ہو کر اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر اسے ایسا نہ لگے تو وہ اس سے دور رہے اور ہماری اصلاح کے لیے ہمیں نصیحت کرے۔

دوسرا مشاہدہ: ہمارے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بہت سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مخفی سچ جانتے ہیں۔ جو بھی کہا گیا ہے اس میں یا تو بالکل سچائی نہیں ہے یا یہ سچائی اور افسانے کا عیارانہ مرکب ہے۔ اس لیے میں معزز ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی بھی چیز کو ہم سے منسوب نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ جس کا ہم خود اعلان اور دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر کوئی آکر کہے کہ وہ القاعدہ میں تھا یا کسی مخصوص انٹیلی جنس ادارے نے اسے بتایا کہ وہ القاعدہ میں تھا...... یا کوئی بہتان باز دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص فلاں گروہ میں تھا جس کا القاعدہ سے تعلق تھا، تو ایسی غیر معقول بات ہمیں کسی بھی طور پر پابند نہیں کرتی۔

یااللہ میں پیغام پہنچا چکا۔ تُو میرا گواہ رہنا!

یہ الجزیرہ کے سراب کے بارے میں مختصر بیان تھا جو اس نے اپنے ناظرین کو بیچنے کی کوشش کی۔ جہاں تک ان سچائیوں کا تعلق ہے جو یہ چھپانا چاہتا ہے اور مجاہدین کے خلاف بہتان بازی کی مہم کے پیچھے اصل مقصد کا خلاصہ دو مختصر جملوں میں کیا جا سکتا ہے: ”مجاہدین غدار ہیں سو ان کو

رد کیا جائے۔ اسرائیل حقیقت ہے سو اس کے ساتھ جیا جائے''۔ میں اس پر آنے والی قسط میں بات کروں گا، ان شاء اللہ۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم!

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

السحاب:

الجزیرہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی صحافت پیشہ وارانہ اور دیانت داری کی بنیاد پر ہے، اور اس کا پلیٹ فارم متفرق خیالات کو نشر کرنے کے لیے ہے۔ ان بلند و بانگ دعووں کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ الجزیرہ اس سکینڈل سے کیسے نمٹتا ہے جس پر ہم نے اس فلم میں روشنی ڈالی ہے اور دیکھتے ہیں کہ کیا وہ واقعی اپنی میڈیا پالیسی تشکیل دینے میں آزاد ہے؟!

★★★★★

بقیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

اور آخرت کے معاملے میں اپنی غفلت اور کاہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے توکل کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ کیسا توکل ہے کہ ایک صفت پر توکل ہو اور دوسری صفت پر توکل نہ ہو! یہ توکل تو اپنے مطلب کا توکل ہُوا

مصطفیٰ فرمودہ باوازِ بلند

بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو رسی سے باندھ دو پھر توکل اللہ تعالیٰ پر کرو، رسی پر توکل نہ کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تدبیر کو چھوڑنا توکل نہیں بلکہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنے کا نام اصل توکل اور صحیح توکل ہے۔ پس آخرت کے لیے بھی اعمالِ صالحہ اختیار کرے اور گناہوں سے بچنے کی تکالیف کو برداشت کرے اور پھر مغفرت کے لیے اپنے ان اعمال پر بھروسہ نہ کرے بلکہ حق تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ اس کلامِ ربانی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید پیدا ہوتی ہے اور نافرمانی پر اصرار اور توبہ نہ کرنے سے اُمید اور نورِ ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

186۔وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُ ابْنُ يَحْيَى الرَّاوِيْ يَعْنِي الْاِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْاِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيْلَ فَكَيْفَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيْهَا مَا بَيَّنَ؟ قَالَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّوْنَهَا۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے سب سے پہلے اسلام میں جس چیز کو الٹایا جاوے گا، جس طرح بھرے برتن کو الٹ دیا جاتا ہے وہ شراب ہو گی۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! یہ کیوں کر ہو گا حالاں کہ شراب کی حرمت اللہ تعالیٰ نے خوب واضح کر کے بیان فرمادی ہے؟ فرمایا: اس طرح ہو گا کہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے اور اس طرح اس کو حلال قرار دیں گے۔

تشریح: جیسا کہ آج کل شراب کا نام جامِ صحت رکھا ہوا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت سے ہدایت فرمائیں، آمین۔

تـمّـــت بالخيـــر

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!

بقیہ: کون ہے جو ابنِ زاید سے نمٹے

اے قوی وعزیز! ہمیں فلسطین کی مدد اور اسے آزاد کرنے، اور ہر مقبوضہ مسلم سرزمین کو یہودی غاصبین، امریکی مجرمین اور تمام دشمنانِ دین سے آزاد کرنے کی توفیق دے، اے انتقام لینے والے عظیم اللہ!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

بقیہ: وار آن ٹیرر کی حقیقت

۹نومبر ۲۰۱۲ء کو بی بی سی سے بات کرتے ہوئے شوئیر نے اسلامی جنگجوؤں کے خطرے کے بارے میں تنقید کرتے ہوئے اسے اوبامہ انتظامیہ کا فریب قرار دیا اور اوبامہ نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں عوام کو دھوکے میں رکھنے کے لیے لفظ جہاد کی جو غلط تشریح یہ کہہ کر کی تھی کہ جہاد کا کچھ لینا دینا عسکری معاملات سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو ''اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معاشرہ'' سے ہے، شوئیر نے اسے سفید جھوٹ قرار دیا۔

(اللہ پاک ہم سب کو فہمِ سلیم عطا فرمائیں، آمین! وما علینا الا البلاغ المبین!)

☆☆☆☆☆

وار آن ٹیرر کی حقیقت

مجاہد فی سبیل اللہ، لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید رحمہ اللہ

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز پاکستان کی ملٹری ایلیٹ میں ایک نمایاں نام ہیں۔ چیف آف جنرل سٹاف اور کور کمانڈر لاہور جیسے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ ڈائریکٹر جنرل نیب (قومی احتساب بیورو) رہے۔ فوج کو آپ نے قریب سے دیکھا اور اس کو باطل جانا۔ بعد از ریٹائرمنٹ آپ نے اپنے ضمیر کی آواز پر اپنی خود نوشت 'یہ خاموشی کہاں تک' لکھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو القاعدہ برِّ صغیر کے سرکردہ ذمہ دار اور مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' ('نوائے غزوۂ ہند' کا سابقہ نام) کے بانی مدیر حافظ طیب نوازؒ صاحب کے ذریعے براہ راست حق کی دعوت ملی۔ آپ نے حق کی دعوت کو سمجھا اور اس پر لبیک کہتے ہوئے جہاد سے وابستہ ہو گئے۔ ایمان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، بطورِ کفارہ آپ نے بہتر جانا کہ آپ جہاد، خصوصاً عصرِ حاضر میں امریکہ کے خلاف جاری جہاد کے متعلق لکھیں اور دعوتِ جہاد میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اس غرض سے آپ نے اپنی دوسری کتاب 'War against Terrorism and the concept of *Jihad*' تصنیف کی۔ آپ کو یقین تھا کہ اس کتاب کو لکھنے کے جرم میں آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا، لہٰذا اس کتاب کی تکمیل تک آپ نے اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا۔ سنہ ۲۰۱۵ء کے نصفِ آخر میں آپ کی یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس کتاب کا ایک نسخہ القاعدہ برِّ صغیر کے مرکزی ذمہ داران تک اس پیغام کے ساتھ پہنچایا کہ 'میں ارضِ جہاد کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں'، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ 'اگر یہ کتاب شائع ہو جائے اور پھر میں گرفتار کر لیا جاؤں تو مجھے کچھ غم نہیں!'۔ آپ کی گرفتاری یا شہادت کی صورت میں اس کتاب کے 'مستند' ہونے پر کوئی اعتراض نہ کرے تو آپ نے خود ہی اس کا بندوبست بھی فرمایا کہ اسے 'بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد' کے شعبۂ اسلامیات میں 'ایم اے' کی سند کے مقالے کے طور پر جمع کروایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ میدانِ جہاد میں پہنچتے پاکستان کے خفیہ اداروں نے آپ کو گرفتار کر کے پسِ زنداں ڈالا اور یوں امریکی 'وار آن ٹیرر' میں فرنٹ لائن اتحادی اور امریکی وفاداری میں دین تو دین، اپنے 'ادارے کی وفاداری' (Military Comradeship) کو بھی پامال کیا۔ سال ۲۰۱۸ء کے وسط میں آپ کی شہادت کی خبریں منظرِ عام پر آئیں۔ بعض ذرائع نے شہادت کی اطلاعات کی تردید کی، لیکن مجاہدینِ القاعدہ برِّ صغیر کو اپنے ذرائع سے جو خبریں ملیں، ان کے مطابق مجاہد فی سبیل اللہ شاہد عزیز صاحب، شہید ہو چکے ہیں، اللہ پاک آپ سے راضی ہو جائیں اور آپ کو انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیتِ حسنہ عطا فرمائیں، آمین۔ لیکن (گو کہ اس بات کا امکان بہت کم ہے) اگر آپ بحالتِ گرفتاری حیات بھی ہیں تو ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ایمان پر استقامت کے ساتھ رہائی عطا فرمائیں۔

زیرِ نظر مضمون شاہد عزیز صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا 'انگریزی' تصنیف کے زیرِ طبع و ترتیب اردو ترجمے سے لیا گیا ہے۔ اردو ترجمہ 'قاضی ابو احمد' نے کیا ہے۔ زیرِ نظر منتخب مضمون شاہد عزیز صاحب کی کتاب کا چھٹا باب ہے جس میں آپ نے وار آن ٹیرر کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ (ادارہ)

یہاں ہم ان غلط مفاہیم پر روشنی ڈالیں گے، جنہیں مغرب نے دہشت گردی کے خلاف اپنی جنگ کو جاری رکھنے کے لیے تخلیق کیا ہے، ان غلط مفاہیم کا جائزہ ایک امریکی ماہر نے لیا ہے۔ یہ باب مائیکل ایف شوئیر کی شاندار کتاب Imperial Hubris: Why the West Is Losing the War on Terror کے اقتباسات اور تبصروں پر مبنی ہے۔ شوئیر سابقہ سی آئی اے انٹیلی جنس افسر، مصنف، تاریخ دان، خارجہ پالیسی اور سیاسی امور کے تجزیہ کار ہیں۔ اپنی بائیس سالہ پیشہ ورانہ زندگی میں انہوں نے ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۹ء تک مرکز برائے امورِ بن لادن کے چیف کی حیثیت سے، محکمہ برائے انسدادِ دہشت گردی میں اسامہ بن لادن کی سراغ رسانی کے یونٹ میں کام کیا۔ پھر دوبارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے نومبر ۲۰۰۴ء تک انہوں نے بن لادن یونٹ کے چیف کے مشیرِ خصوصی کی حیثیت سے کام کیا۔ شوئیر کو ۲۰۰۴ء میں اپنی کتاب Imperial Hubris کے بعد عوامی مقبولیت حاصل ہوئی، جس میں انہوں نے دنیا میں اس وقت برپا اسلامی بغاوت کے متعلق امریکہ کے کئی مفروضوں پر تنقید کی ہے۔

انہوں نے مجاہدینِ اسلام کی کارروائیوں کو دہشت گردی کی بجائے جنگ قرار دیتے ہوئے امریکی قیادت کو مشورہ دیا کہ وہ یہ جان لیں کہ وہ کسی مجرم ذہنیت یا دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ ایک عالمگیر اسلامی بغاوت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں؛ کیونکہ یہ (جہادی) کارروائیاں اس دفاعی جہاد کا حصہ ہیں جس کی اجازت اللہ رب العزت کے کلام قرآن پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت میں دی گئی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکی حکومت اپنے مخالفین کو قابلِ ذکر نقصان پہنچانے میں ناکام اسی لیے رہی ہے کہ اس نے حقیقت کو واشگاف انداز میں قبول نہیں کیا۔ گیارہ ستمبر کے بعد امریکہ کی دہشت گردی مخالف پالیسیوں اور کارروائیوں نے دنیا کو محفوظ تر بنانے کی بجائے مسلم دنیا میں مزید انتہا پسندی پیدا کی۔

شوئیر نے لکھا ہے کہ "بدقسمتی سے، تہذیبِ اسلامی کے بارے میں اس تجزیے نے کہ یہ ایک ناکام تہذیب ہے، امریکی اشرافیہ، پالیسی سازوں اور ووٹروں کے اس تاثر کو مزید پختہ کر دیا کہ اسلامی دنیا دیوانگی کی حدوں کو چھو رہی ہے، ورنہ امریکہ نے تو ایسا کچھ نہیں کیا جو القاعدہ کے حملوں کی بنیاد بنا ہو یا جس کی وجہ سے اسلامی دنیا میں بڑے پیمانے پر امریکہ مخالف جذبات پیدا ہوئے۔ یہ تجزیہ محض اس تصور کو تقویت دے سکتا ہے کہ اس قسم کے حملے نہ صرف غیر منطقی ہیں بلکہ یہ اپنے وقت کی شاندار اور عالمگیر اسلامی تہذیب کے دم توڑنے پر مسلمانوں کا جنونی ردِ عمل ہیں۔ نیز یہ تجزیہ اس تصور کو بھی تقویت دیتا ہے کہ تشدد کا مقصد صرف اور صرف انھیں تباہ و برباد کرنا ہے جنھوں نے اسلام کی زوال پذیری میں اپنا حصہ ڈالا"۔

ایک اور جگہ شوئیر نے لکھا کہ "سینئر امریکی قائدین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہم سے نفرت اور ہم پر حملے کرنے کی وجہ ہمارے افعال نہیں بلکہ ہماری سوچ اور ہمارا وجود ہے؛ اور امریکیوں کے لیے یہ فیصلہ کرنے میں کہ اہل اسلام کے خطرے کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، یہی تصور سب سے بڑا مانع ہے۔ اسلامی دنیا، ہمارے جمہوری سیاسی نظام، شخصی حقوق اور شہری آزادیوں کی ضمانت، اور دین و دنیا کو الگ الگ رکھنے پر اس قدر کبیدہ بھی نہیں ہے کہ امریکیوں کو محض انتخابات، آزادئ رائے اور اپنی مرضی سے عبادت کرنے یا نہ کرنے سے روکنے کی خاطر ایسی جنگ چھیڑ دے جس میں ان کی کامیابی بعید از امکان ہو۔ (...) اسلامی دنیا کی ہم سے نفرت

اور ہم پر حملوں کا تعلق کسی طرح بھی ہماری آزادی، حریت اور جمہوریت سے نہیں ہے بلکہ ان کا براہ راست تعلق اسلامی دنیا میں امریکی پالیسیوں اور حرکتوں سے ہے"۔

پوری اسلامی دنیا میں امریکہ سے اس کی خاص حکومتی پالیسیوں اور حرکتوں کی بنا پر نفرت کی جاتی ہے۔ یہ نفرت حقیقی ہے خیالی نہیں۔ یہ نفرت محض سوچ تک محدود نہیں بلکہ جنگی صورت دھارے ہوئے ہے اور مستقبل قریب میں اس میں مزید اضافہ ہو گا۔ امریکہ میں سرکردہ افراد کے یہ دعوے کہ مسلمان امریکی پالیسی کا اصل مقصد نہیں سمجھتے اور عرب سیٹلائٹ ٹی وی چینل جان بوجھ کر امریکی پالیسیوں کو مسخ کر کے بیان کرتے ہیں اور یہ کہ بہتر عوامی سفارت کاری ہی اس کا حل ہے، غلط ہیں۔ امریکہ سے نفرت اور اس پر حملے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ یقین ہے کہ امریکہ جو کچھ اسلامی دنیا میں کر رہا ہے، وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

دنیا کے ایک اعشاریہ تین ارب مسلمانوں میں سے بیشتر، امریکی پالیسیوں اور افعال کے مقاصد کے فہم میں جنگجوؤں (مجاہدینِ اسلام) کے ساتھ متفق ہیں۔ اختلافات اگر ہیں بھی تو وہ امریکہ کے ارادوں اور مقاصد کے بارے میں نہیں بلکہ ان سے نمٹنے کے طریقۂ کار سے متعلق ہیں۔

شوئیر ایک اہم سوال پوچھتا ہے کہ "مسلمان ہم سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ آیا وہ ہم سے ہماری سوچ اور ہمارے طرزِ زندگی کی وجہ سے نفرت کرتے ہیں یا ان کی نفرت کی وجہ مسلم دنیا میں کیے جانے والے ہمارے اقدامات ہیں؟"، اور پھر امریکی پالیسیوں اور افعال پر جنگجوؤں کے نقطہ ہائے نظر کی چند وجوہات کی نشاندہی کرتا ہے:

1. مرتد، فاسد اور سفاک مسلمان حکومتوں کے لیے امریکی حمایت۔
2. سستے اور سہل الحصول تیل کی خاطر واشنگٹن اور مغرب، ان جابر مسلمان حکومتوں کی حمایت کرتے رہے ہیں جنہیں اسلام پسند ختم کرنا چاہتے ہیں۔
3. امریکہ نے اعلان کیا کہ اسلام پر حملہ آوروں کے خلاف جہاد کرنا ایک مجرمانہ فعل ہے اور پھر پوری دنیا سے اکثر بلا تحقیق، سیکڑوں مجاہدین کو گرفتار کیا اور جیلوں میں ڈال دیا۔ ایک مسلمان کے لیے اسلام کے تحفظ کی خاطر دفاعی جہاد سے پیچھے رہنے کا مطلب شریعتِ الٰہی کی نافرمانی اور عذاب کا مستحق ہونا ہے۔ مصنف تسلیم کرتا ہے کہ ایمان کی حفاظت کے عمل کو عام طور پر "جہاد" کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کا حکم قرآن پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور چودہ صدیوں سے زیادہ اسلامی علوم اور فقہ میں بہ تکرار درج ہے۔
4. امریکہ نے مسلمان مختارانِ تعلیم و تدریس سے مطالبہ کیا کہ وہ نصاب میں تبدیلی لائیں اور اس قسم کے اسلام کی تعلیم دیں جو جدیدیت کے تقاضوں سے ہم آہنگی اور امریکی مفادات سے زیادہ موافقت رکھتا ہو۔ امریکہ چاہتا ہے کہ اس طرح مسلمان امریکی احکام اور انسانوں کے بنائے نظام کے عوض، اللہ کے اس کلام کو جو اللہ نے قرآن کی صورت میں نازل فرمایا (جسے مسلمان کامل اور ناقابل تغیر سمجھتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت کو ترک کر دیں۔
5. امریکہ اکثر عراق، شام، سوڈان، افغانستان، لیبیا، پاکستان، ایران اور انڈونیشیا کے مسلمان عوام پر، بذات خود یا اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر، معاشی اور عسکری پابندیاں لگاتا ہے۔ یہ حرکتیں مسلمانوں کو امریکی اوامر کی تعمیل پر مجبور کرتی ہیں؛ مثلاً جوہری ہتھیار بنانے کی وجہ سے پاکستان پر پابندیاں لگانا، جبکہ ایسے ہی ہتھیار رکھنے پر بھارت اور اسرائیل سے اغماض برتنا۔
6. امریکی حکومت اور تیل کی کمپنیاں جزیرۂ عرب پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ اس کے توانائی کے وسائل مغرب کو بازاری نرخ سے کم پر فروخت کیے جائیں۔
7. امریکہ نے، حق خود اختیاری کے اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، انڈونیشیا سے اس کی سب سے زیادہ آبادی والی مسلم ریاست، مشرقی تیمور لے کر، اس میں ایک نئی عیسائی ریاست کی تشکیل میں اقوام متحدہ کی مدد کی۔ اگست ۲۰۰۳ء کے حملے کا محرک بیان کرتے ہوئے، جس میں عراق کے لیے اقوام متحدہ کا نمائندۂ خصوصی سرجیو ویرا ڈی میلو (Sergio Viera de Mello) مارا گیا تھا، القاعدہ نے کہا کہ "یہ وہ صلیبی تھا جس نے اسلامی سرزمین (مشرقی تیمور) کے ایک حصے کو کاٹا تھا"۔ اقوام متحدہ کے اسلام مخالف قانون میں، حریتِ مسلم کی ممانعت ہے؛ آزادی، (عیسائی) مشرقی تیمور کے لیے روا مگر کشمیر کے لیے ممنوع ہے؛ نصرانی جورجیا کے لیے خود مختاری جائز ہے مگر چیچنیا کے لیے ناجائز؛ صلیبی کروشیا کے لیے آزاد ہونا حلال ہے، مگر بوسنیا کے لیے حرام۔
8. فی الوقت امریکہ افغانستان، عراق اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش، جزیرۂ عرب کی مسلمان ریاستوں پر نہ صرف قابض ہے بلکہ ان پر باقاعدہ حکومت بھی کر رہا ہے۔ القاعدہ کے مجلّے 'الانصار' نے ۲۰۰۳ء کی امریکہ عراق جنگ کے دور میں لکھا، "شرم ناک حقیقت، جسے ہمیں بالکل بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، یہ ہے کہ خلیجی تعاون کی تنظیم (Gulf Cooperation Council) میں شامل تمام ممالک مقبوضہ ہیں۔ چونکہ یہ قبضہ غیر مشروط، مکمل دست برداری کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا لہٰذا اس قبضے میں دشمن کی صفوں کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا۔ کویت، بغیر کسی جنگ و جدل کے امریکی اڈہ بن گیا۔ قطر میں ایک چھوٹا پنٹاگون بلا جنگ ہی قائم ہو گیا۔ سرزمینِ حرمین (سعودی عرب) میں عسکری تجاوزات، جنہوں نے مکہ اور مدینہ کو گھیرا ہوا ہے، بلا مزاحمت قائم ہیں۔ غرض پورا خطہ ہی بیرونی طاقتوں کے قبضے میں ہے"۔
9. اس میں کچھ شک نہیں کہ امریکہ مسلم فلسطین پر اسرائیلی قبضے کی پشت پناہی کرتا ہے اور اس نے یہودیوں کے نیل تا فرات "عظیم تر اسرائیل" کے قیام کے ہدف کو ترقی دینے کے لیے ہی عراق پر حملہ کیا۔ نتیجتاً تاثر یہ بنا کہ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جو، خود مسلمانوں کو اگر نہیں بھی تو، اسلام کے ان تمام پہلوؤں کو نابود کرنے پر ضرور کمربستہ ہے جو اسے غیر اطمینان بخش محسوس ہوتے ہیں۔

10. ایک اور عنصر بھی ایسا ہے جو امریکہ کے مسلمان دشمنوں کی نفرت کو انگیز کرتا ہے۔ بن لادن، القاعدہ، ملا عمر، اور 'مجاہدین' ایک ایسی دنیا میں نجات دہندہ کی شہرت کے حامل بن کر ابھرے جہاں اکثر مسلمان قائدین ایسے بے اختیار بادشاہ اور شہزادے ہیں جو تبلیغ تو کٹّر اسلام کی کرتے ہیں مگر خود بے اندازہ عیاشی میں گھرے رہتے ہیں؛ یا پھر قتل و قتال پر آمادہ خاندانی آمریتیں ہیں، (...) یا مسلمان ممالک پر قابض وہ جرنیل ہیں جنہوں نے سیاست دانوں کے ملکی خزانہ خالی کر چکنے کے بعد کامیاب سازشوں کے نتیجے میں اقتدار سنبھالا۔ اہلِ حق مجاہد قائدین کو یہ مقام کچھ تو ان کی شجاعت اور تقویٰ کی وجہ سے ملا اور کچھ مسلمانوں میں قیادت کے فقدان کی آگہی کے سبب۔ (...) مجاہدین کے لیے متعدد مسلمان عزت و احترام، احسان مندی اور محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔ (...) ایک ایسی مسلم دنیا میں جو عسکری میدان میں عظیم شکستوں، حکمرانوں کے نام پر اسلامی عطائیوں، اور امریکہ کے پالتو اور پناہ یافتہ ظالموں و جابروں کی ماری ہوئی ہے میں ان (مجاہدین) سے محض مسلمانوں کے دین و ایمان کے محافظ ہونے کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ امید کی ایک کرن کے طور پر بھی محبت کی جاتی ہے۔

11. مجاہدین، اسرائیل کے لیے امریکی امداد اور اسرائیلی ریاست کا مکمل خاتمہ؛ جزیرۂ عرب سے امریکی اور مغربی طاقتوں کا انخلا؛ عراق، افغانستان اور دیگر مسلم سرزمینوں سے امریکی اور مغربی فوجوں کا انخلا؛ روس، چین اور بھارت کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی امریکی حمایت کا خاتمہ؛ سعودی عرب، کویت، مصر، اردن وغیرہ کی جابر مرتد مسلمان حکومتوں کی امریکی پشت پناہی کا خاتمہ اور مسلم دنیا کے توانائی کے وسائل کی حفاظت اور زیادہ نرخ پر ان کی فروخت چاہتے ہیں۔ (...) امریکی پالیسیاں نہیں بدلیں گی تو آنے والے وقت میں امریکہ اور اسلام پسندوں کے مابین جنگ جاری ہی رہے گی۔

متعدد کبار سعودی علمانے طالبان رہنما ملا محمد عمر کو انٹرنیٹ کے ذریعے ایک اعلامیہ بھیجا، بعنوان ''امیر المومنین ملا محمد عمر اور ان کے ساتھی مجاہدین کی خدمت میں''۔ انہوں نے ملا محمد عمر کو ''دنیا کو دو دھڑوں میں تقسیم کرنے پر'' طالبان کی کامیابی پر مبارک باد دی اور کہا، ''آپ جیسے لوگوں کی ہماری امت سے نسبت ہم تمام علما کے لیے ایک اعزاز ہے، کیونکہ آپ نے حقیقتاً، اہلِ ایمان کی برتری اور سربلندی کا اعلان کیا ہے۔ اور ہم گواہی دیں گے کہ آپ لوگ تنہا تھے کہ جس وقت آپ نے اپنے سر کافر اور صلیبی امریکہ کے سامنے اٹھائے، اس وقت کہ جب مسلمانوں میں کا کوئی ایک بھی فرد امریکہ کے مطالبات پر قطعیت کے ساتھ ''نہیں!'' کہہ کر امت کو سرخرو کرنے والا نہ تھا۔ صرف آپ نے یہ کر دکھایا۔ پس آپ کی (جراَتِ ایمانی کی) وجہ سے مسلمانوں کو مبارک ہو''۔ ''شیخ حمود بن عقلا الشعیبی، شیخ علی الخضیر، اور شیخ سلیمان العلوان کی جانب سے امیر المومنین محمد عمر اور ان کے ساتھی مجاہدین (اللہ انہیں فتح نصیب فرمائے) کی خدمت میں''۔

امریکی حکومت نے یقیناً یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر ہم ایسی اسلامی اصلاحی مہم چلائیں جو مسلمانوں کو مغرب کی طرح لادین بنا دے، تو مذاہب کی جنگ کے بارے میں یہ فضول اور لایعنی باتیں دم توڑ جائیں گی اور مسلمان بھی خدا کو اسی قسم کی ایک چھوٹی سی بوتل میں بند کر دینا چاہیں گے جس میں کہ مغرب بتدریج اسے (خدا کو) قید کر رہا ہے (نعوذ باللہ)۔

ظاہر ہے کہ امریکی قائدین تو یہ نہیں کہیں گے کہ امریکہ اسلام کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے، بلکہ یہ کہیں گے کہ اسلام کا ہی کچھ حصہ (یعنی بعض پیروکار) امریکہ کے خلاف جنگ کر رہا ہے اور دیگر بھی اسی مقام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ (...) ہمارے قائدین کے دعووں کے علی الرغم، امریکہ کے خلاف جنگ مخصوص اور متعین وجوہات کی بنا پر برپا کی گئی ہے، چند متعصب مسلمانوں کی جمہوریت اور آزادی سے نفرت کی وجہ سے نہیں۔ بطور ایک قوم، جو کچھ ہم اسلامی دنیا میں کر رہے ہیں، اسی کی وجہ سے ہم پر جنگ مسلط کی گئی ہے۔ شوئیر، اسامہ بن لادن کا ایک بیان نقل کرتا ہے:

> ''یہ ہمارے تحفظ کا معاملہ ہے۔ بش کے دعوے کے برخلاف کہ ہم آزادی سے نفرت کرتے ہیں، مردانِ حر یونہی اپنا تحفظ داؤ پر نہیں لگا دیا کرتے۔ اگر ہم آزادی سے ہی نفرت کرتے ہوتے، تو وہ ہمیں بتائے کہ پھر ہم سویڈن پر حملہ کیوں نہیں کرتے؟'' بن لادن، اکتوبر ۲۰۰۴ء

امریکہ کی دہشت گردی مخالف مہم میں مذہبی رنگ بہت نمایاں ہے۔ نیوز ویک کی خبر کے مطابق صدر بش نے مذہبی ناشرین (broadcasters) کو بتایا کہ ''دہشت گرد اس حقیقت سے نفرت کرتے ہیں کہ (...) ہم اس طرح خدا کی عبادت کر سکتے ہیں جیسے ہم چاہتے ہیں''، اور یہ کہ امریکہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے تحفۂ حریّت کو ''دنیا کے ہر انسان'' تک پہنچائے۔ اس نے اعتراف کیا کہ عراق کے خلاف ممکنہ جنگ اس پر ''بوجھ'' ہے۔ وہ جانتا تھا کہ بشمول چند حاضرین، بہت سے لوگ اس تنازع کو شُفعی (pre-emptive) اور غیر منصفانہ سمجھتے ہیں۔ صدر نے کہا: مگر امریکہ یہ جانتا تھا کہ صدام حسین کی شکل میں دراصل یہ ''بدی سے مقابلہ'' ہے۔ ضرورت پڑنے پر امریکہ کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں، خواہ یہ مقابلہ جنگ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ بش نے کہا کہ ''اگر کوئی اس امر سے مطمئن ہو سکتا ہے تو میں اس بارے میں مطمئن ہونے والوں میں سے ہوں''۔ اس نے طے کر لیا کہ صدام منبعِ شر ہے، اور یہی بات ہر چیز کا جواز بن گئی۔

ہاورڈ فائن مین سمجھتا ہے کہ بش کی صدارت سب سے زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ ''مبنی بر اعتقاد'' تھی؛ ایک ایسی حکومت جس کی تاسیس، حمایت اور رہنمائی کی بنیاد خدا کی ظاہری اور باطنی طاقت پر اعتماد تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ''وہ (صدر بش) اسلام کی تعریف اسے 'پرامن مذہب' کہہ کر کرتا ہے۔ مگر متعدد مسلمانوں، بالخصوص عربوں کے نزدیک وہ منحوس ہے؛ ایک ایسا نیا صلیبی جو عیسائیت کی خاطر مشرق کو واپس لینے پر کمربستہ ہے''۔

(باقی صفحہ نمبر 31 پر)

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہلِ باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو والفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

الساحۃ الثالثۃ – عالمگیریت (العولمة)

گلوبلائزیشن (Globalization)

عالمگیریت، استشراق اور استعمار کا نیا ایڈیشن ہے جس کی قیادت امریکہ اور یہودی لابی کے ہاتھ میں ہے۔ عالمگیریت ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد اقتصادی، ثقافتی، معاشرتی، دینی، قومی اور وطنی امتیازات کو ختم کر کے پوری دنیا کو یہودی اہداف اور امریکی نظریے کے مطابق جدید سرمایہ دارانہ نظام کے دائرے میں لانا ہے۔

عالمگیریت کا اصل ہدف عالم اسلام کیوں؟

عالمگیریت تمام دنیا پر مسلط کی جا رہی ہے مگر اس کا اصل ہدف عالم اسلام اور مسلمانوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کی چار وجوہ ہیں:

(۱) پوری دنیا میں اسلامی ممالک جغرافیائی لحاظ سے بہترین خطوں میں واقع ہیں۔

(۲) اسلامی دنیا حیرت انگیز معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔

(۳) تین بڑے مذاہب اسلام، نصرانیت اور یہودیت کے مقامات مقدسہ اسلامی دنیا میں واقع ہیں۔

(۴) عالمگیریت کا جواب صرف اسلامی نظام ہی دے سکتا ہے، اس لیے عالمگیریت کو صرف اسلامی نظام سے خطرہ ہے۔

عالمگیریت (Globalization) کے چار میدان

چار میدانوں میں عالمگیریت کے فروغ کی کوشش جاری ہے:

(۱) سیاسی عالمگیریت (۲) اقتصادی عالمگیریت (۳) تہذیبی عالمگیریت (۴) معاشرتی عالمگیریت

(۱) سیاسی عالمگیریت

امریکیوں نے ابتدا میں براعظم شمالی و جنوبی امریکہ کے حقیقی باشندوں (ریڈ انڈینز) سے ان کے علاقے چھینے، پھر انیسویں صدی کے وسط میں اپنی حدود سے باہر جارحیت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ جاپان، فلپائن، کیوبا، کمبوڈیا، ویت نام، ہیٹی، لبنان اور لیبیا کو نشانہ بنایا۔ ۱۹۴۵ء میں جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بموں کا تجربہ کیا۔ امریکہ کے استعماری عزائم اور وسائل کو دیکھ کر یہودیوں نے سیاسی عالمگیریت کے لیے اسے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ سیاسی عالمگیریت کی خاطر امریکہ کے یہودی سرمایہ داروں نے لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کے منشور کا اعلان ہوا، یہی ادارہ اس وقت سیاسی عالمگیریت کا مرکز ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر

افغانستان میں سوویت یونین کی شکستِ فاش اور نظریۂ کمیونزم کی ناکامی کے بعد ۱۹۹۱ء میں امریکہ کی جانب سے نیو ورلڈ آرڈر سیاسی عالمگیریت کا آغاز تھا۔ ۱۹۹۵ء میں امریکہ میں منعقدہ ایک اجلاس میں گلوبلائزیشن کے آغاز کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

(۲) اقتصادی عالمگیریت

عالمگیریت کا دوسرا میدان اقتصادی ہے۔ اس کا مقصد دنیا کی اقتصادیات پر قابو پا کر اسے چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں مرکوز کرنا ہے۔

اس مقصد کے لیے چار اہم اقدامات کیے گئے۔

(۱) سونے کے ذخائر پر قبضہ (۲) عالمی تجارتی اداروں کا قیام (۳) تجارت سے متعلقہ عالمی معاہدے (۴) ملٹی نیشنل کمپنیوں کا فروغ۔

(پہلا اقدام) سونے کے ذخائر پر قبضہ

سونے کے ذخائر پر قبضہ یہود کا قدیم خواب تھا۔ یہ خواب تب ہی پورا ہو سکا جب سونے چاندی کے سکوں کی جگہ نوٹوں نے لے لی۔ ۱۹۷۱ء تک تمام ممالک کی کرنسیاں ڈالر سے جبکہ ڈالر

سونے سے وابستہ تھا۔ ۱۹۷۱ء میں دنیا کے ہاتھوں میں صرف کرنسی رہ گئی۔ سونے کے اکثر ذخائر پر یہود کا مکمل قبضہ ہو گیا۔

(دوسرا اقدام) عالمی مالیاتی ادارے

امریکی اور صہیونی لابی نے اقتصادی عالمگیریت کے لیے دوسرے بڑے قدم کے طور پر عالمی مالیاتی ادارے قائم کیے ان کا تعارف حسب ذیل ہے۔

(الف) انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF): یہ ادارہ پوری دنیا کا مرکزی بینک ہے جو ضرورت مند ملکوں کو تین سے پانچ سال تک کی مدت کے لیے قرض دیتا ہے۔

(ب) عالمی بینک (World Bank): یہ ادارہ ممبر ممالک کو طویل مدت کے لیے قرضے دیتا ہے۔ قرضے کی میعاد پندرہ سے تیس سال تک ہوتی ہے۔

(ج) 'ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' (WTO): اس تنظیم کا اصل مقصد ایم آئی ایف اور عالمی بینک کے تعاون سے عالمی تجارتی نظام کے لیے بنیادی اور قانونی دائرۂ کار تشکیل دینا ہے۔

(تیسرا اقدام) عالمی تجارتی معاہدوں کا قیام

اقوام متحدہ اور عالمی مالیاتی اداروں کی مدد سے امریکہ اور یہودی سرمایہ داروں نے کثیر الملکی معاہدوں کو فروغ دیا ہے جن کے ذریعے بین الاقوامی آزادانہ تجارت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہے کہ تمام ملکوں کی منڈیوں کے دروازے پوری دنیا کے تجارتی اداروں کے لیے کھلے ہوئے ہوں اور کوئی حکومت کسی غیر ملکی کمپنیوں پر کوئی پابندی عائد نہ کر سکے۔ ۱۹۴۷ء کا گاٹ معاہدہ بہت اہم تھا جس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مصنوعات کے سلسلے میں ہونے والا مقابلہ حکومتوں کے درمیان نہیں بلکہ صرف مختلف کمپنیوں کے درمیان ہو۔

(چوتھا اقدام) ملٹی نیشنل کمپنیوں کا فروغ

چند چھوٹی کمپنیاں ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک بڑی ملٹی نیشنل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، ان کے مالکان تجارت میں باہم شریک بن جاتے ہیں۔ ان کمپنیوں کی وجہ سے مقامی مصنوعات تدریجاً ختم ہو جاتی ہیں، اور غیر ملکی سامان ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ اس وقت چند ملکوں کی ملٹی نیشنل کمپنیاں پوری دنیا پر چھا چکی ہیں۔

اقتصادی عالمگیریت کے اثرات اور خطرات:

اقتصادی عالمگیریت کی وجہ سے (۱) دنیا بھر میں چھوٹی کمپنیوں، مقامی صنعتوں اور چھوٹے تاجروں کے گرد گھیرا انتہائی تنگ ہو گیا ہے۔ (۲) بے روزگاری کے تناسب میں خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ (۳) نئے صنعتکاروں کے سامنے ترقی کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ (۴) مستقبل میں ایک چیز ایک ہی کمپنی تیار کر کے پوری دنیا کو فراہم کرے گی اور منہ مانگی قیمت لگائے گی۔ (۵) پوری دنیا کی دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس آ گئی۔ (۶) امریکہ کے یہودی سرمایہ دار بیٹھے بٹھائے سودی چکر کے ذریعے پوری دنیا کی کمائی اکیلے ہڑپ کرتے جا رہے ہیں۔

(۳) تہذیبی و ثقافتی عالمگیریت

عالمگیریت کا تیسرا بڑا میدان تہذیبی و ثقافتی عالمگیریت ہے۔ تہذیبی تصادم کے خطرے کا پرچار کر کے تہذیبوں کے درمیان مذاکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ مگر اس کا مقصد اسلام سمیت دنیا کی تمام تہذیبوں کو ختم کر کے صرف مغربی تہذیب کو مسلط کرنا ہے۔ تہذیبی حملے نے امریکی لباس کو ترقی اور بلند معیارِ زندگی کی سند بنا دیا۔ اسی طرح امریکی پکوان اور مشروبات بھی دنیا بھر میں عام ہو چکے ہیں۔ عورتیں مغربی فیشن اور میک اپ کی عادی بن چکی ہیں۔ انٹرنیٹ جو تہذیبی عالمگیریت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، جنسی انارکی اور فحاشی کو حد سے زیادہ فروغ دے رہا ہے۔

تہذیبی عالمگیریت کے لیے امیریکن انگلش کو عالمی سطح پر فروغ دینے اور عربی زبان کو بالخصوص اور دوسری علاقائی و قومی زبانوں کو بالعموم متروک بنانے کی سازشیں بھی جاری ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں نصف مقامی زبانیں زوال پذیر ہیں اور دو سو چونتیس (۲۳۴) معاصر زبانیں مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں۔

(۴) معاشرتی عالمگیریت

معاشرے کی تبدیلی کے لیے "خاندان" کو بدلنا ضروری ہے اور خاندان کا سب سے آسان شکار "عورت" ہے جسے استعمال کر کے پہلے "خاندان" اور پھر پورے معاشرے کی اخلاقی اقدار تبدیل کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

معاشرتی عالمگیریت اور اقوام متحدہ

معاشرتی عالمگیریت کے فروغ کے لیے اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں، نیز عالمی کانفرنسوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اقوام متحدہ کا دستور اور چارٹر کی شق نمبر ۸ میں صراحت ہے: "اقوام متحدہ ایسی پابندیاں لاگو نہیں کرے گی جس سے مرد و عورت کے درمیان مساوات کا کوئی بھی پہلو متاثر ہو"۔

۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے "عورت کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے" کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کر کے تمام دنیا کی حمایت حاصل کی۔

قاہرہ کانفرنس: ستمبر ۱۹۹۴ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں آبادی و ترقی کے موضوع پر عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اتفاق کیا گیا کہ عقد نکاح کے بغیر ہی جنسیت کا عمل ہونا چاہیے، ہم جنس پرستی کو بری نگاہ سے دیکھنے کے بجائے اس کو فروغ دینا چاہیے، جلد شادی نہایت غلط ہے، کیوں کہ یہ شرح پیدائش میں اضافے کا سبب ہے۔

بیجنگ کانفرنس: ۱۹۹۵ء میں "بیجنگ" میں خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کی چوتھی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں منظور کیا گیا کہ کم سن لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی آزادی دینے کی سفارش کی جائے۔ خاندان کا یہ مفہوم رائج کیا جائے کہ ایک خاندان دو انسانوں سے مل کر بنتا ہے، چاہے

وہ دو مرد ہوں یا دو عورتیں۔ گھریلو کام کاج ترک کرنے پر عورت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
مسلم ممالک کے احتجاج کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

عالمگیریت (Globalization) کا مقابلہ کیسے؟

- عورتوں اور بچوں کو مغربی اور لادینی اثرات سے بچانے کے لیے مستقل کوشش کی جائے۔
- میڈیا پر عوامی دباؤ بڑھایا جائے کہ غیر اخلاقی مواد کی اشاعت کو مزید آزادی نہ مل سکے۔
- مغربی زبانوں کے مقابلے میں عربی کو فروغ دیا جائے۔
- غیر ملکی زبانوں بالخصوص انگلش کے دائرے کو محدود کیا جائے۔ ضرورت کے بغیر اسے استعمال نہ کیا جائے۔ اپنی زبانوں کو غیر ملکی اثرات سے پاک رکھیں۔
- غیر ملکی مصنوعات کا حتی الامکان بائیکاٹ کیا جائے۔
- مسلمانوں کو وطنی، علاقائی اور لسانی مفادات پس پشت ڈال کر متحد کیا جائے۔
- احیائے خلافت کو اصل ہدف بنا کر کام کیا جائے۔
- ایسی جماعتیں وجود میں لائی جائیں جو مروجہ سیاست کی آلودگیوں سے پاک رہ کر عوام کو اعتماد میں لیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: سلطانیٔ جمہور (ناول)

اگر وہ خاتون نہ ہوتی تو اب تک وہ اسے گریبان سے پکڑ کر باہر کا راستہ دکھا چکے ہوتے۔ دیگر میڈیا والے بھی اپنا اپنا سامان سمیٹتے ہوئے مڑ مڑ کر انہی کو دیکھ رہے تھے۔ کیمرہ مین اب اپنے کیمرے کندھوں پر لیے حتی المقدور ریکارڈنگ کر رہے تھے۔

'چچا جان...... آپ کیوں یہ سب کر رہے ہیں...... آپ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اس گھر میں ہمیں کوئی حقوق حاصل نہیں...... آپ اس طرح ہماری بے عزتی نہیں کر سکتے...... میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی......'، نبیلہ اپنی ساکھ بچانے کی خاطر چچا کے مد مقابل آ کر چیخ رہی تھی۔ اسے انہیں روکنا تھا، ہر قیمت پر۔ اور پھر وہ ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔ سدا کے دھیمے، متحمل مزاج، صبر اور حلم والے عثمان صاحب کا ہاتھ اٹھا اور نبیلہ کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑ گیا۔

(جاری ہے ان شاء اللہ)

پیرس کی مسجد

مری نگاہ کمالِ ہنر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ مغربی ہے بیگانہ

حرم نہیں ہے، فرنگی کرشمہ بازوں نے
تنِ حرم میں چھپا دی ہے روحِ بت خانہ

یہ بت کدہ انہی غارت گروں کی ہے تعمیر
دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، ان کی حفاظت و ناموس اور ان کے احترام و حرمت میں ہم اہلِ ایمان اپنی جانیں وارتے ہیں۔ لیکن آج اہلِ امریکہ و مغرب نے بھی اور اہلِ امریکہ و اہلِ مغرب کے نمک خوار بعض نام نہاد مسلمان حکمرانوں نے بھی دینِ سیکولرازم کی پیروی میں 'اوقاف' کے تحت بہت سی مسجدیں آباد کر رکھی ہیں۔ یہ مسجدیں بھی اپنی ذات میں مقدس و محترم ہیں، لیکن ان مسجدوں میں 'پیغامِ اسلام' کے بجائے 'رینڈ کارپوریشنوں' کا 'پیغامِ مغربی' نافذ ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں تو یہ بڑے شہ پارے ہیں، ان مسجدوں کے ایک ایک طاق، ایک ایک ستون، گنبدوں اور محرابوں کو نہایت باریکی سے سجایا گیا ہے، لیکن مردِ مسلمان کی نگاہ کو یہ چیزیں خیرہ نہیں کر سکتیں کہ منبر و مینار کو صدائے حق کے بجائے صدائے باطل کو پھیلانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ کہنے کو مغرب کے بسائے یہ 'حرم' ہیں لیکن نفاذ یہاں اس باطل کا ہے، دعوت یہاں اس باطل کی ہے جس کے خلاف بجائے خود جہاد فرض ہے۔ مسجدوں کی تعمیر، ان کے لیے فنڈز، ان کے اماموں کی تنخواہیں، یہاں سے 'بے ضرر' اسلام کی صداؤں کے لیے مختص ہیں۔ یہ اہلِ مغرب جو یہاں اپنے فلاحی اداروں اور رینڈ کارپوریشنوں کے ذریعے آبادیٔ مساجد کا کام کر رہے ہیں، دراصل وہی لوگ ہیں جن کے ہاتھوں دمشق و بغداد، وزیرستان و سرینگر اور قندھار و صنعاء تباہ ہو رہا ہے۔ مسجدیں محترم ہیں، ان کے ائمہ ہمارے سروں کے تاج ہیں، لیکن اہلِ مغرب کی ان کی آبادی میں دلچسپی مسلمانوں کو افیون چٹانے کے لیے ہے۔ اور تو اور آج کے نام نہاد 'خادم الحرمین الشریفین' کو ہی دیکھیے کہ خدمت و آبادیٔ حرمین کا نام ہے اور رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کو صلیبیوں اور صہیونیوں کا اڈہ بنا دیا ہے اور حرمین کی خدمت کی آڑ میں حرمِ ثالث قبلۂ اول، مسجدِ اقصیٰ کو یہودیوں کو بیچ ڈالا ہے!

ایمان و صحت ایک انسان کے لیے نعمتِ کبریٰ کی حیثیت رکھتے ہیں

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالا ہے۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

قابلِ صد احترام بھائی......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

بعد از سلام! امید واثق ہے کہ آپ بفضل اللہ ایمان و صحت کی بہترین حالتوں میں ہوں گے۔ میری بھی ہمیشہ سے یہی دعا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تادمِ مرگ ایمان و صحت کی سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے۔ دنیا میں ایمان و صحت ہی نعمتِ کبریٰ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہماری آخرت کی کامیابی کا اسی پر دار و مدار ہے۔ در اصل یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ ایمان ہو مگر صحت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی مطلوب عبادت میں حرج پیدا ہوتا ہے خصوصاً اسلام کی چوٹی سر کرنا خوب ہی مشکل ہوتا ہے۔ مجھے عملی میدان میں یہی مشاہدہ ہوا کہ باوجود "حزب اللہ" (اللہ تعالیٰ کے گروہ) ہونے کے، ہم عملی میدان میں فٹنس (Fitness) سے خالی ہیں، ہم میں بہت کم ہیں جو عملی میدان کے شہ سوار ہیں اور اگر صحت ہو مگر ایمان مفقود ہو تو یہ تو ہے ہی خسارہ۔

ہمارے ساتھ یہ ایک المیہ ہے کہ ہم مسلمان عملی میدان کو چھوڑ کر دنیا کی حقیر چیزوں کے حصول کے لیے ایک غیر حقیقی اور مصنوعی میدان میں زندگی گزار رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم ایمان کی حقیقی لذّت سے نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ میری بڑی تمنا رہی ہے کہ آپ بھی عملی میدان کی حقیقی لذت سے چند روز فیض یاب ہوں۔ مگر جن دنوں آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی ان دنوں آپ اپنی اہلیہ (اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے، آمین) کی رحلت پر غمگین تھے اور مجھے بھی بہت کم وقت میسر تھا اس لیے اپنی تمنا کے مطابق آپ سے عرض کرنے سے قاصر رہا۔ ہاں دورانِ گفتگو صرف یہ اظہار ہو سکا کہ جب اللہ تعالیٰ کی بے انتہا مہربانی نے ہمیں ایمانی رشتے میں منسلک فرمایا ہے تو ہماری سوچ بھی ایک ہی سمت میں ہو۔ آپ سے میری ملاقات کو تقریباً دو سال ہونے کو ہیں اور میں اس وقت بے دست و پا ہوں، کوئی سبیل نہیں کہ آپ سے دوبارہ ملاقات ہو۔ اسی بنا پر خط لکھ رہا ہوں، اللہ کرے، خط آپ تک پہنچ جائے اور آپ کا حال و احوال معلوم ہو۔ شاید آپ کی صحت عملی میدان میں چند روز گزارنے کی اب اجازت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے، الحمد للہ ثم الحمد للہ آپ نے میرے ساتھ نظام تعلیم کے سلسلے میں ہاتھ بٹایا ہے، وہ کام باذن اللہ کسی حد تک کامیاب رہا ہے۔ یہ آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے کہ ان لوگوں نے نظامِ تعلیم کے سلسلے میں پڑ کر اپنے اپنے بچوں کو دجالی نظامِ تعلیم کے اداروں (مغربی اسکولوں) سے نکال لیا ہے تاکہ ان کے بچے اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ سر دست قرآن و حدیث اور سیرتِ طیبہ کی ابتدائی کتابیں پڑھانا شروع کر دیں اور خود ایک عملی مسلمان بنیں[1]۔ آپ لوگ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کریں۔ خط کا مضمون لمبا ہوتا جا رہا ہے اور میں اردو سے بالکل کورا ہوں اس لیے گستاخانہ الفاظ کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور آپ لوگوں کی محبت و دعا ہے ورنہ بندۂ ناچیز اس قابل ہے ہی نہیں، ہاں خاکسار صرف دین کے لیے اخلاص رکھتا ہے اور اسی کے لیے محنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام تگ و دو اور جد و جہد اپنی بارِ گاہ میں قبول و مقبول فرمائے، آمین ثم آمین۔

دعاؤں کا طلب گار

آپ کا بھائی

☆☆☆☆☆

[1] قاری صاحب کے خط میں یہاں نظامِ تعلیم و موضوعِ تعلیم کے حوالے سے تشنگی رہ گئی ہے۔ نظامِ تعلیم کے متعلق 'مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط (حفظہ اللہ)' کا ایک مقالہ مجلّہ ہٰذا میں زیرِ اشاعت ہے [جس کی نو (۹) اقساط اکتوبر ۲۰۱۹ء سے لے کر جون ۲۰۲۰ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں اور بقیہ حصہ بھی آئندہ کے شماروں میں ان شاء اللہ جلد شائع ہو جائے گا]، اس مقالے میں نظامِ تعلیم کے حوالے سے سیر حاصل اور نہایت نافع گفتگو کی گئی ہے، قارئین اس کو ضرور دیکھیں۔ (ادارہ)

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے...... ہمارا ہے...... ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے۔

مع الأستاذ فاروق، استاذ احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ میں استاذ کا محبوب ترین ان کی حیات میں تو شاید نہ تھا لیکن اللہ سے امید ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان شاء اللہ ان کے محبوب ترین لوگوں میں ضرور شامل ہو گیا ہوں گا۔ ہاں ان کی حیات میں ان کے محبوب تر لوگوں میں بہر حال شامل رہا۔ استاذ کی محبت کا حوالہ اس لیے اہم ہے کہ وہ ان شاء اللہ، ہمارے اللہ کے محبوب لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ میرے محبوب تھے اور میں ان کا، اور یہ محبت کی سنہری زنجیر ہے جو اللہ کے دربار میں ہمارے ذکر کا ان شاء اللہ ایک سبب ہے کہ ان شاء اللہ استاذ ہمیں بھولے نہیں ہیں۔ حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرما لے۔ نوٹ: ان سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ ہوں گے۔

عیدِ قربان اور شہادتِ 'اسماعیل'

ألحمد لله وكفىٰ والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

أللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

لواڑہ میں بڑی خندق والے احاطے کے دو حصے تھے۔ ایک طرف رہائشی خانے تھے اور دوسری طرف مجاہدین کا مرکز اور اس سے متصل خندق۔ خندق کی تفصیل، اس کی 'ترتیب (setting)' کے ذکر میں بعداً آ جائے گی، ان شاء اللہ۔ اس بڑی خندق والے احاطے کو آئندہ 'کہفِ اکبر' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

سو کہفِ اکبر میں استاذ مع اہلِ خانہ تھے اور تیسرا فردِ وحید میں بچا تھا۔ جبکہ قریباً پانچ منٹ کے فاصلے پر ہماری پرانی جگہ تھی، وہاں بھائی داؤد غوری اور طارق بھائی اپنے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہ رہے تھے۔

استاذ تین وجوہات کی بنا پر خندق میں رات گزارا کرتے تھے اور دن کا بیشتر حصہ بھی۔ اول تو حضراتِ امرا (مشائخ) کے امر کے سبب، دوسرا حفاظتی نقطے سے، اور تیسرا میری وجہ سے کہ میں اکیلا ہوتا تھا۔ بڑی عید کی رات (یعنی ۹ اور ۱۰ ذوالحجہ کی درمیانی شب)، استاذ نے مجھے پرانی جگہ پر بھیج دیا۔ عید کی صبح میں نے وہیں گزاری اور وہاں موجود دونوں ساتھیوں نے قربانی کا ایک بکرا ذبح کیا۔ کوئی نو دس بجے کے قریب میں استاذ سے ملنے گیا اور مل کر پھر واپس پرانی جگہ پر آ گیا۔

دن یہیں گزارا اور رات بھی، یہ عید مجموعی طور پر اداس اداس تھی، کم از کم میرے لیے۔ رات میں یا اگلے دن صبح صبح کی بات ہے کہ استاذ نے قربانی کے لیے جو دنبہ لے رکھا تھا، اس نے کسی جگہ پڑے ٹماٹر کھا لیے، جنہیں چوہے مار زہر لگا کر رکھا ہوا تھا۔ یہ دنبہ پرانی جگہ پر ہی تھا، لہٰذا عید کے دوسرے دن معلوم ہوتے ہی داؤد بھائی کے ساتھ میں کہفِ اکبر کی طرف چلا گیا، وہاں استاذ کو بتایا اور اس دنبے کو فوراً ذبح کرنے کا فیصلہ ہوا۔

قربانی کے بعد بیشتر گوشت تقسیم کر دیا اور تھوڑا سا استاذ نے خود رکھ لیا، کچھ میری صوابدید پر چھوڑ دیا جو میں نے بھی کسی اور کو دے دیا۔ باقی ساتھی چلے گئے۔ اس روز استاذ کی اہلیہ کی طبیعت خراب تھی، لہٰذا کھانا استاذ اور ان کے اہلِ خانہ کے لیے پکانا بھی میرے حصے میں آیا۔ دن یونہی گزر گیا۔ شام کو استاذ خندق میں آئے تو بتایا کہ ریڈیو پر خبر آئی ہے کہ کل (یعنی عید کے پہلے دن) وانا میں مجاہدین نے جاسوسوں کے ایک بڑے سرغنہ کو قتل کیا ہے اور وہاں دو بچے بھی، جو راہگیر تھے، مارے گئے ہیں۔ پھر اس جاسوس کے متعلق بتایا کہ وانا میں یہ مجاہدین کے خلاف ایک نہایت منظم اور بڑا نیٹ ورک چلاتا تھا اور ہر ڈرون حملے کے پیچھے اس کا کوئی نہ کوئی کردار ہوتا تھا۔ مجھے بعد میں ایک اور ساتھی نے بتایا کہ یہ شخص مجاہدین سے اس دشمنی کو اور ڈرون حملوں کے لیے جاسوسی کے فعل کو چھپاتا بھی نہیں تھا، بلکہ اس قدر منہ زور تھا کہ اپنے گھر پر اس نے ڈرون طیارے کا ایک 'ماڈل' بنوا کر لگا رکھا تھا۔

خیر پھر استاذ سے بات ہونے لگی کہ مجاہدین سے کارروائیوں میں غلطی بھی ہو جاتی ہے، لیکن دشمن اور اس کے آلۂ کار میڈیا کا مستقل شیوہ ہے کہ ضرور ہر کارروائی میں کسی عام شہری، کسی نہتے، کسی بچے، کسی راہگیر کے مارے جانے کی خبر دیتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر مجاہدین کی کارروائی کا مرکز کوئی ایسی جگہ ہو جہاں عام شہریوں کا مارا یا زخمی ہو جانا محال ہو تو وہاں بھی میڈیا کا اس قسم کا پروپیگنڈا بند نہیں ہوتا بلکہ وہاں بھی کچھ ایسا گھڑ یا ڈھونڈ لیتے ہیں جس سے مجاہدین کو مطعون کیا جا سکے یا دشمن کو مظلوم دکھایا جا سکے۔ اس کی ایک مثال مجاہد بطل ابو دجانہ خراسانی کی استشہادی کارروائی ہے جس میں آپ نے افغانستان کے صوبۂ خوست میں امریکی انٹیلی جنس اور ڈرون طیاروں کو سروس پہنچانے والے سی آئی اے کے مرکز (Camp Chapman) پر فدائی حملہ کیا۔ اس حملے میں جہاں 'مرد' صلیبی امریکی فوجی مارے گئے تو انہیں میں سے ایک جینیفر ماتھیوس (Jennifer Lynne Matthews) 'عورت'

صلیبی انٹیلی جنس افسر بھی تھی۔ پھر یہ محض عام افسر نہ تھی بلکہ اس سی آئی اے کی بیس کی سربراہ (چیف) تھی اور القاعدہ کے معاملات کو نائن الیون کے حملوں سے بھی قبل سے مانیٹر کر رہی تھی۔ اس کی خبر جب ذرائع ابلاغ پر چلائی گئی جو راقم نے خود غالباً 'سی این این' پر سنی، تو اس خبر میں اس کا نام لیا گیا اور ساتھ ہی کہا گیا '......A mother of three' یعنی 'تین بچوں کی ماں......'، اور یہ بات بھلا ہی دی گئی کہ اس کی زیر نگرانی ہونے والے ڈرون حملوں میں ہزاروں باپ اور پچاسیوں مائیں 'قتل' کی گئیں، یہ باپ اور مائیں بھی صاحب اولاد تھے اور ہزاروں سے لے کر لاکھوں تک اس قسم کے حملوں میں بچے یتیم ہو چکے ہیں۔

میڈیا آج کی جنگ میں محض 'وار ٹُول' یا جنگی آلہ نہیں بلکہ یہ جنگ میں پورا پورا حصہ دار ہے۔ ابھی پاکستان میں چند سال قبل جب پاکستانی فوج کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ کا ڈائریکٹر جنرل عاصم سلیم باجوہ تھا تو اس نے آئی ایس پی آر کو تقریباً ایک 'کور (Corps)' کے درجے پر پہنچانے کا ارادہ و فیصلہ کر رکھا تھا اور اس کے دور میں بے تحاشا 'فوجی ابلاغی' کام کیا گیا ہے جس میں فیچر فلموں (movies) سے لے کر ڈرامے، گانے اور اخباری کالموں سے لے کر ویب سائٹوں کی تخلیق اور یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں سے بھرتیوں کا کام شامل ہے[1]، فوجیوں کے موقف کو بیان کرتی صحافتی کوریج کو عالَمِ مغرب میں باقاعدہ 'embedded journalism' کہتے ہیں اور 'ایمبیڈڈ جرنلزم' کا کام جنگِ عظیم اول سے جاری ہے (گو کہ یہ اصطلاح قریباً دو دہائی پرانی ہے)۔ یہ تو رسمی فوجی ادارے کی بات ہے، دراصل باقی میڈیا بھی نظریاتی طور پر فوج کا حصہ ہی ہے۔ مثال پاکستان کی آ گئی ورنہ پوری دنیا میں ایسا ہی ہے۔

خیر کچھ دیر یہ بات ہوئی، اس کے بعد استاذ لیٹ گئے۔ کچھ عرصہ قبل ہی استاذ کی کمر میں تکلیف رہنا شروع ہوئی تھی، گردن میں پہلے بھی کبھی کبھار ہوتی تھی، لیکن اب یہ بھی مستقل ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ دیر ان کی کمر دبائی اور پھر نجانے کب اٹھا اور سو گیا۔

اگلا دن، دوپہر تک متفرق کام کرتے گزرا۔ دوپہر کو حضرت الاستاذ کے نائب، حضرت کے حقیقی بھائی اور ایک تیسرے ساتھی آ گئے۔

گوشت وغیرہ تو میں نے رکھا نہیں تھا، نجانے کہاں سے کچھ لایا اور پلاؤ پکایا اور سب کو کھلایا۔ عصر کے وقت تک سب روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر استاذ کو دیکھنے وغیرہ کا خاص موقع نہیں ملا۔ جب مہمان چلے گئے اور میں نے مکان کا دروازہ بند کیا اور مڑ کر دیکھا تو استاذ کا چہرہ کچھ متغیر محسوس ہوا۔ خیر نہ وہ بولے نہ میں نے پوچھا۔ میں حسبِ عادت چند قدم استاذ کے رہائشی احاطے کی حد سے پہلے تک ان کے ساتھ چلا، استاذ خاموشی سے لکڑی کی سیڑھی چڑھنے لگے کہ ان کا کمرہ ایک منزل کی اونچائی پر تھا۔ میں انہیں دیکھ رہا تھا، وہ نہایت بوجھل قدم اٹھا رہے تھے۔ سیڑھی کے عین درمیان پہنچے تو مجھے بلایا، کچھ کہنا چاہا لیکن سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر خاموش ہو گئے اور چلے گئے۔

غالباً مغرب کی نماز گھر میں ہی پڑھی، پھر خندق میں آ گئے۔

آتے ہی لیٹ گئے۔ میں نے طبیعت وغیرہ کا حال دریافت کیا تو کچھ خاص جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا 'کمر کیسی ہے؟'۔ تو جواب دیا 'ٹوٹ گئی'۔

یہ سن کر میں قریب ہو گیا، چونکہ کمر کے بل لیٹے ہوئے تھے تو میں نے سرِ دست سر دبانا ہی مناسب خیال کیا۔ میں سر دبا رہا تھا تو کہنے لگے 'وہ وانا میں جاسوس مارنے کی جو خبر تھی ناں، وہ جاسوس ہمارے ساتھیوں نے مارا ہے اور کسی اور کے دو بچے تو پتہ نہیں لیکن ہمارے دو بچے شہید ہو گئے!'۔

میں نے فوراً پوچھا 'کون؟'۔ جواب ملا 'احمد اور مصعب'۔ احمد ایک عمومی نام ہے، سو فوراً توجہ نہیں ہوئی، البتہ مصعب پر میں فوراً چونکا۔

انگریزی میں کہتے ہیں 'phase of denial' یا انکار کا مرحلہ، انسان جانتا ہے کہ کسی خاص بات کا کیا مطلب ہے لیکن چونکہ اسے قبول نہیں کرنا چاہتا لہٰذا انکار کرتا ہے۔ میں نے بھی یہی کیا اور پوچھا 'کون مصعب؟'۔ جواب ملا 'اپنا مصعب!'۔ میں نے پھر پوچھا 'کون! معوّذ بھائی؟'، جواباً استاذ نے، جو مستقل خندق کے چھوٹے سے کمرے کی مٹی کی چھت کو گھور رہے تھے، اثبات میں سر ہلایا۔

یہ سن کر میں بھی بے اختیار ہو گیا اور آنسو ٹپ ٹپ میری آنکھوں سے گرنے لگے۔ لیکن سوچیے کہ ایک ماں ہو اور وہ اپنے بچے کے نقصان پر خاموش ہو جبکہ کوئی دوسرا رو رہا ہو، مصعب بھائی کی شہادت کی خبر کے بیان کا منظر بھی ایسا ہی تھا۔

مجھے روتا دیکھ کر استاذ نے کہا: 'کیوں تنگ کرتے ہو؟ چپ ہو جاؤ'، استاذ آپ سے تم کے صیغے میں نہایت کم ہی بات کیا کرتے تھے۔ جتنا ضبط مجھ سے ہو سکا، میں نے کیا۔ پھر جذبات میں کہا کہ 'جب اللہ کے نیک بندوں کا خون بہہ جاتا ہے تو باطل زیادہ دیر قائم نہیں رہتا'۔ یہ بات لیکن کوئی اصولی بات نہیں۔ باطل کے استقرار یا زوال کا مدار محض نیک بندوں کا خون بہہ جانے پر منحصر نہیں ہوتا۔ باطل کی ناکامی یا اسلامی تحریک کی کامیابی کے بہت سے پہلو ہیں جن میں ایک مطلوب نیک بندوں کا قربانیاں دینا بھی ہے، نہ کہ کُل یہی مطلوب ہے۔ ہاں ہے یہ پہلو جزو لاینفک ہے!

کچھ دیر میں استاذ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں اور آنسو کافی دیر رواں رہے۔ استاذ نے کچھ دیر بعد کہا کہ 'مصعب ایک بہترین غم خوار تھا، مشکل میں سہارا بننے والا اور غموں کو بانٹنے والا'۔ اسی لمحے میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی لوگوں کا غم خوار بنوں گا، لیکن 'ایں سعادت بزورِ بازو نیست'۔

---

[1] سنہ ۲۰۱۵ء میں آئی ایس پی آر نے محض 'جامعہ پنجاب لاہور (Punjab University)' کے 'Mass Communication Department' کے پانچ سو طلبا و طالبات کو کورسز/courses کروائے تاکہ ان کو ڈگری حاصل کر لینے کے بعد عام ابلاغی/میڈیا اداروں میں 'داخل' کیا جائے (جہاں بعداً 'فوجی' موقف پروان چڑھایا جا سکے)۔

استاذ کچھ دیر اور لیٹے رہے۔ میں ان کو تکتا رہا اور وہ چھت کو گھورتے رہے، پھر جب مجھے احساس ہوا کہ اس کیفیت میں، مَیں استاذ کے لیے سامانِ غم خواری نہیں ہوں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ گھر چلے جائیے، وہ بھی یہی چاہتے تھے۔ سو اٹھ بیٹھے۔ پھر کھڑے ہوئے اور ایک آہ بھرتے ہوئے کہا 'انشا جی اٹھو! اب کُوچ کرو، اس شہر میں جی کا لگانا کیا......'۔ میں نے انہیں غور سے دیکھا، ان کے چہرے پر غموں کو چھپاتی ایک مسکراہٹ تھی، انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے ہونٹوں کو بھینچا، سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور چلے گئے۔

اگلے دن علی الصباح آ گئے، میں نماز وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا۔ مجھے کہا کہ داؤد بھائی کو بلا لائیں۔ میں گیا اور بلا لایا۔ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھے رہے، پھر داؤد بھائی چلے گئے۔ استاذ بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ پھر دوپہر سے کچھ پہلے آئے، طبیعت بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ بات چیت شروع کی تو بشاشت کا اظہار تھا۔

ایسے میں مصعب بھائی کے استاذ کے نام ہاتھ سے لکھے ہوئے دو خط جو حضرت کو کل ہی ملے تھے مجھے دیے کہ پڑھ لو۔ میں نے پڑھے۔ پھر حضرت نے ان کی شہادت کا واقعہ سنایا۔

عید کے دن صبح تیار ہو کر، اپنے گھر والوں سے ملے اور کہا کہ میں ایک کام سے جا رہا ہوں، واپس آ کر قربانی کے جانور کو ذبح کروں گا۔ پھر ساتھیوں کے انغماسی (دشمن میں گھس جانے والے) یا فدائی مجموعے میں شامل ہو کر مذکورہ جاسوس کو قتل کرنے گئے۔

ساتھی جب جاسوسوں کے اس سرغنہ کو قتل کرنے پہنچے تو سیکڑوں مجاہدین کا قاتل اور امریکی ایجنٹ جو شیر کی طرح وانا میں اپنے جتھے کے ساتھ گھومتا اور چنگھاڑتا تھا، بکری ثابت ہوا۔ اس کی دلیری محافظوں کے دستوں اور اسلحے کی قوت پر تھی۔ مجاہدین نے جب اس دین دشمن پر حملہ کیا تو اس نے اپنی پوری قوت مجتمع کی اور میدان سے بھاگنے پر صرف کر دی۔

یہ جاسوس جان بچانے کے لیے ایک دکان میں جا گھسا۔ مصعب بھائی نے اس کو بھاگتا دیکھا اور اس کے پیچھے ہو لیے۔ قاسم بھائی[1] (جو اس کارروائی کے امیر بھی تھے) نے استاذ کے نام خط میں لکھا تھا کہ 'مصعب بھائی شیروں کی طرح اس جاسوس پر لپکے اور جھپٹے'۔ جاسوس دکان میں گھسا اور اس کے پیچھے مصعب بھائی نے دکان میں داخل ہوتے ہی اپنی کلاشن کوف اس منافق پر سیدھی کر لی اور اپنی بندوق کے میگزین میں موجود تیس کی تیس گولیاں اس پر چلا دیں۔ اسی اثنا میں اس جاسوس کے ساتھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے گھیر کر مصعب بھائی کو شہید کر دیا۔

یہ قصہ سنانے کے بعد استاذ کی کیفیت ایسی ہی تھی جیسے کوئی باپ اپنے بہادر شہید بیٹے کا ذکر کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔

استاذ کہنے لگے کہ مصعب بھائی بہت ہی اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی نیکی اور تقویٰ کے سبب بڑی بڑی شخصیات ان سے ملنا پسند کرتی تھیں جن میں سرِ فہرست شیخ مصطفیٰ ابو یزید، شیخ عطیۃ اللہ اللیبی اور شیخ احسن عزیز رحمہم اللہ شامل ہیں۔ بلکہ راقم خود بھی اس بات کا گواہ ہے کہ فاروق بھائی کے نام ایک بار شیخ عطیۃ اللہ کا خط آیا تو اس میں انہوں نے نام لے کر مصعب بھائی کے لیے سلام کہا۔ جب استاذ نے میرے سامنے ہی مصعب بھائی کو شیخ عطیہ کا سلام پہنچایا تو مصعب بھائی نے جواباً کہا: 'شیخ بڑے آدمی ہیں، ہم جیسوں کو یاد رکھتے ہیں'۔ یہی معاملہ شیخ احسن عزیز کا بھی ہے کہ شیخ اپنی زندگی کے آخر تک مصعب بھائی کے لیے سلام بھجوایا کرتے تھے۔

پھر کہنے لگے کہ ظہیر بھائی (راقم کے مرشد جنابِ اسامہ ابراہیم غوریؒ) بھی مصعب پر لٹّو تھے، نجانے ان کا یہ خبر سن کر کیا حال ہوا ہو گا؟

پھر کہا کہ میری گھر والی کہہ رہی تھیں کہ مشائخ بھی شہید ہو رہے ہیں اور 'ٹُو بِی مشائخ' (to be *Mashaikh*) یعنی جن کو مستقبل کا شیخ بننا ہے وہ بھی شہید ہو رہے ہیں۔

پھر کہنے لگے کہ میں اس کو خط لکھ کر کہنے والا تھا کہ اب بڑے ہو جاؤ اور میرے بغیر جینا سیکھو اور وہ جلدی سے آگے چلا گیا اور الٹا مجھے کہہ رہا ہے کہ تم میرے بغیر جینا سیکھو۔

مصعب بھائی بہت سی اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ کوشش ہے کہ جس قدر میں جانتا ہوں تو مختصر مختصر ان کی شخصیت اور صفات کا تذکرہ بغیر کسی خاص ربط کے کرتا جاؤں۔

مصعب بھائی کا اصل نام 'جواد عارف' تھا، بہاری تھے اور اسلام آباد سے تعلق تھا۔ آپ کی والدہ ایک دین دار اور متقی خاتون تھیں اور بنیادی طور پر انہی کی گود نے ایک 'عارف باللہ' تیار کیا۔ والدہ نے ان کا نام جواد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور عارف اسی نیت سے رکھا کہ اللہ پاک ان کے اکلوتے بیٹے کو اپنی پہچان اور قدر سے نواز دے۔ والدہ ہی کی صحبتِ نیک کا اثر یہ ہوا کہ مصعب بھائی کو نہایت کم عمر میں دعوتِ دین کے حلقے میسر آ گئے۔ پہلے دن ہی آپ کو حضرت الاستاذ جیسا شفیق مربی ملا۔ استاذ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں جوانوں اور نوجوانوں کے علاوہ بچوں کے دعوتی حلقے بھی چلایا کرتے تھے اور اسی طرح کے ایک حلقے سے مصعب بھائی بھی وابستہ ہو گئے۔ بچوں اور نوجوانوں کے لیے دعوتی حلقوں میں ایک دعوتی دورہ یا 'کورس' گرمیوں کی چھٹیوں میں ہوتا جسے مروجہ اصطلاح میں 'سمر کیمپ' کہتے۔ استاذ کے ان دینی سمر کیمپوں اور حلقہ جات نے بہت سے مجاہدین پیدا کیے۔

مصعب بھائی چودہ سال کے تھے جب ان کے والدِ ماجد 'عبد الواحد عبد الرزاق' صاحب کا انتقال ہو گیا۔ والد صاحب کے انتقال کے محض چند ہی روز بعد مصعب بھائی نے اپنی والدہ ماجدہ سے جہاد کے لیے جانے کی اجازت طلب کی اور اس اولوالعزم اور اللہ کی رضا پر ہر خوشی قربان

[1] قاسم بھائی مجموعۂ استاذ میں ایک مرکزی ذمہ دار تھے اور بعداً القاعدہ برِّصغیر کی مرکزی شوریٰ کے رکن رہے۔ آپ کا قدرے تفصیلی احوال 'مع الأستاذ فاروق' کی آٹھویں نشست میں بیان ہوا ہے جو 'نوائے افغان جہاد' کے فروری ۲۰۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔

کرنے اور غم ہنس کے سہنے والی ماں نے ایامِ عدت میں ہی اپنے اکلوتے بیٹے کو جہاد کی اجازت دے کر روانہ کر دیا۔

مصعب بھائی کی والدہ کو میدانِ جہاد میں ان کے عارفین 'خالہ جان امِ مصعب' کے نام سے جانتے ہیں۔ خالہ جان مصعب بھائی کو 'میرا اسماعیل' کہتی تھیں کہ میں نے اپنا 'اسماعیل' اللہ کی راہ میں پیش کر دیا اور پھر اللہ کی مشیت بھی دیکھیے کہ خالہ جان کا 'اسماعیل' اس روز اللہ کی راہ میں ذبح ہو کر خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوا جس روز قریباً پانچ ہزار برس پہلے حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے 'اپنا اسماعیل' (علیہ السلام) اللہ کی راہ میں ذبح کیا تھا اور اسماعیل ذبیح اللہ کہلائے تھے۔ حضرتِ خلیلؑ تو 'اپنے اسماعیل' کو اپنے تئیں ذبح کر چکے تھے، یہ تو اللہ کی رضا و مشیت تھی اور اولادِ آدمؑ پر اللہ کی رحمت تھی کہ اللہ نے حضرتِ اسماعیلؑ کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا جو حضرتِ اسماعیل کی جگہ ذبح ہو گیا، ورنہ ہم جیسے ابنائے آدمؑ کہاں ایسی قربانی کی تاب لا سکتے تھے، وَاللّٰہُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ!

اللہ تعالیٰ نے مصعب بھائی کو بھی اور امِ مصعب کو بھی عظیم نسبت عطا فرمائی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

جیسے حضرت الاستاذ میدانِ جہاد سے پہلے مصعب بھائی کے لیے مربی تھے تو میدانِ جہاد میں بھی رہے، بلکہ میدانِ جہاد میں استاذ مصعب بھائی کے لیے 'سب کچھ' ہو گئے۔ مصعب بھائی جب میدانِ جہاد میں پہنچے تو شیخ احسن عزیز (جو اس وقت امیر تھے) نے مصعب بھائی کو فاروق بھائی ہی کے حوالے کر دیا۔ عمر کے تناسب کا لحاظ کیا جائے تو یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ مصعب بھائی 'چھوٹے استاذ' تھے۔

زیرِ نظر محفلِ استاذ کو گلدستۂ شہدا کے اس نہایت خوشبودار اور دلکش پھول کے ابتدائی سے احوال کے بعد یہیں روکتے ہیں۔ ان شاء اللہ مع الأستاذ کی اگلی دو نشستیں 'ذکرِ مصعب' ہی سے عبارت ہوں گی، اللہ پاک مجھے یہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين.

و صلى الله على نبينا و قرة أعيننا محمد و على آله و صحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اسے یہ سکھائیے کہ ہماری زندگی کا مقصد اپنے رب پر پورا یقین رکھنا اور اس کے دین کو نافذ کرنا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ڈاکٹر بھی حصہ لیتے ہیں، انجینیر بھی اپنا خون دیتے ہیں اور جدید دور کے دیگر تعلیم یافتہ افراد بھی اس دین کی نصرت کرتے ہیں۔

اے ہندوستان میں بسنے والے میرے بھائیوں! آپ بھی اپنے بچوں کو دین کی خدمت اور اللہ پر جان قربان کرنے والا بنائیے، اپنے گھروں میں ایسا ماحول بنائیے کہ آپ کا یہ لختِ جگر مجاہدین سے، اسلام کے ہیروں سے محبت کرنے لگے، اسے اپنے رب اور اس کے رسول پر جان نچھاور کرنا والا بنا دیجیے، اسے بتوں سے نفرت، وطن پرستی سے بغض اور دشمن سے عداوت سکھائیے۔ اس کی نس نس میں دینی جذبہ و غیرت بھر دیجیے پھر آپ دیکھیے کہ آپ کا یہ نونہال کیسے اپنے دین کا نام روشن اور اپنے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین!

★★★★★

على الجهاد ما بقينا ابدًا!

مجرموں اور دشمنوں کے خلاف ہماری جنگ ایک یا دو دن کی جنگ نہیں۔ یہ جنگ تو باطل گمراہیوں کے خلاف عقیدۂ توحید کی جنگ ہے، اور سبلِ شیاطین کے خلاف سبیلِ ہُدیٰ کی جنگ ہے، اور 'طاغوت کی راہ میں لڑنے والوں' کے خلاف 'راہِ خدا میں لڑنے والوں' کی جنگ ہے۔ پس یہ جنگ تو پوری زندگی پر محیط جنگ ہے۔

نحن الذين بايعوا محمدًا
على الجهاد ما بقينا ابدًا

ہمیں وہ ہیں کہ ہم نے کی ہے یہ بیعت محمدؐ سے
جہاد اب عمر بھر ہر حال میں کرتے رہیں گے ہم

شیخ مصطفی ابو یزید شہید رحمہ اللہ

اسلام اور جمہوریت: باہم متصادم ادیان

شہید اسلام، شیخ ابو مصعب زرقاوی رحمہ اللہ

بے شک تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ ہم اس کی حمد بجالاتے ہیں اور اسی سے مدد و مغفرت کے خواستگار ہیں۔ اور ہم اپنے نفوس کے شر اور اعمال کی سیاہ کاریوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ راہ سے بھٹکا دے اسے کوئی سیدھی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اسلام کی انفرادیت دین متین کی شخصیت ہے اور اس کو من و عن، اسی طرح قبول کرنا جیسا کہ اس کے اوامر و نواہی، حدود اور قواعد کا نزول ہوا ہے، اس کو ہر قسم کی ملمع کاری اور اضافہ سے محفوظ رکھنا غلو اور افراط و تفریط سے بچنا جیسا کہ بہت سی قرآنی آیات اور احادیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْاْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ○(سورۃ ہود:۱۱۲)

”پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی، اور سرکشی مت اختیار کیجیے۔ بے شک اللہ آپ کے تمام اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىَ يَحْكُمَ اللّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ○ (سورۃ یونس:۱۰۹)

”اور جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی اس کی پیروی کیجیے اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ○ (سورۃ الزخرف:۴۳)

”جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم راہ راست پر ہیں۔“

اور اللہ جلّ مجدہ نے فرمایا:

اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ○(سورۃ الاعراف:۳)

”تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع نہ کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔“

اور اللہ سبحانہٗ نے فرمایا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ○(سورۃ الانعام:۱۵۳)

”اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔“

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو کوئی اس دین میں نئی چیز ایجاد کرے جو اس کا جزو نہیں تو وہ رد ہے۔“

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بلاشبہ تم میں سے جو کوئی بھی زندہ رہے گا وہ کثرت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ میرے بعد میری سنت پر جمے رہو اور خلفائے راشدین المہدیین کی سنت پر۔ اس کو دانتوں کی مضبوطی سے تھامے رہو اور دین میں ہر نئی بات سے بچو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“

جمہوریت کا دعویٰ ہے کہ عوام ہی حاکم اور مرجع ہیں اور تمام معاملات میں عوام کی رائے ہی حتمی ہے۔ درحقیقت اس نظام کا نعرہ ہے:

”عوام کے فیصلے کو رد کرنے والا کوئی نہیں، اس کے احکام ہی اٹل ہیں، حکم عوام کے لیے ہے اور اُنہی کی طرف ہی رجوع کیا جا سکتا ہے، تقدس صرف عوام کے فیصلوں کو حاصل ہے، اور اُن کی اختیار کردہ چیز فرض کا درجہ رکھتی ہے، عوام کی رائے ہی مقدم و محترم ہے، عوام کے بنائے ہوئے قوانین حکمت و عدل سے بھرے ہوئے ہیں، جو ان کو تھامے وہی سرفراز ہو سکتا ہے اور جو کوئی ان قوانین کو ترک کر دے تو ذلت اس کا مقدر ہے۔ جس چیز کو عوام کی اکثریت حلال کر دے وہی حلال ہے اور اکثریت جس کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر فرما دے وہ قطعی حرام ہے۔ اور جس نظام، قانون یا شریعت پر عوام راضی ہوں وہی معتبر ہے اور جس کو عوام رد کر دیں وہ کالعدم ہے۔ نہ تو اس کی کوئی وقعت ہے اور نہ ہی اعتبار؛ چاہے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی شریعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔“

اور یہی شعار یعنی 'عوام پر عوام کی حاکمیت ہی جمہوری نظام کی اساس ہے'۔ یہی تو وہ پہیہ ہے جس سے جمہوری نظام کی گاڑی چلتی ہے۔ اس تصور کے بغیر تو جمہوری نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہی وہ دینِ جمہوریت ہے جس کی تشہیر کی جاتی ہے اور جس کے فہم کے لیے مفکر، فلسفی اور مبلغ سر گرداں نظر آتے ہیں۔ یہی جمہوریت کا وہ حقیقی روپ ہے جس کے گرداب میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ تفصیلات میں اختلاف و ابہام کے باوجود جمہوریت کے چند اساسی نکات ہیں جن پر یہ نظام قائم ہے۔ ہم ان میں سے یہاں اہم ترین نکات کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

اولاً؛ جمہوریت اس اساس پر قائم ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، اس میں عوام کو قانون سازی کا اختیار بھی شامل ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے نمائندے چنے جاتے ہیں جو معاشرے کی ترجمانی کرتے ہیں، یہ نمائندے قانون سازی کے عمل میں عوام کے وکیل ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جمہوری نظام میں مقنن اللہ رب العزت کی بجائے انسان خود ہے۔ یعنی تشریع و تحکیم کے معاملات میں معبود و مطاع مخلوق ہے نہ کہ خالق۔ درحقیقت یہی تو کفر، شرک اور گمراہی ہے جو اصول دین اور عقیدۂ توحید سے متصادم ہے۔ جس میں جاہل و مجبور انسان کو اللہ کا شریک بنا دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تو اس سب سے مبرّا ہے۔ اور تحکیم و تشریع تو اس کی اہم ترین صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (سورۃ یوسف:۴۰)

"فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔"

اور اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (سورۃ الشوریٰ:۱۰)

"اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف ہے۔"

اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا:

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (سورۃ الکھف:۲۶)

"اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ○ (سورۃ المائدۃ:۵۰)

"کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے!!"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (سورۃ الانعام:۱۱۴)

"تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے۔"

اسی طرح اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (سورۃ الشوریٰ:۲۱)

"کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں؟"

پس اللہ نے تو ایسے لوگوں کو شرکا کے نام سے تعبیر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل کے بغیر قانون سازی کرتے پھرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ (سورۃ المائدۃ:۴۹)

"آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجیے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (سورۃ التوبۃ:۳۱)

"اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنایا ہے۔"

یہ قول حضرت عدیؓ بن حاتم کی حدیث ہی میں منقول ہے، جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عیسائیت کی حالت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا: "اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ"۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے!"، ان کی مراد یہ تھی کہ نہ تو ہم ان کے لیے قربانی کرتے ہیں، نہ ہی ان سے دعا مانگتے ہیں اور نہ ہی ان کے سامنے جھکتے ہیں۔ عدیؓ عبادت کو ان ہی چیزوں میں محدود سمجھ رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام نہیں ٹھہرا لیتے تھے اور تم بھی پھر اسے حرام ہی جانتے تھے اور اللہ کی حرام کردہ اشیا کو حلال قرار نہیں دیتے تھے اور پھر تم بھی اسے حلال جانتے تھے؟"۔ عدیؓ کہتے ہیں میں نے کہا: "جی ہاں! یہ تو ایسا ہی ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ہی ان کی عبادت کرنا ہے"۔

(باقی صفحہ نمبر 50 پر)

اللہ کا نہایت فضل و احسان ہے کہ جس نے ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کا سالک بنایا۔ اللہ پاک اس راہ پر ہمیں چلائے رکھے، حتیٰ یاتینا الیقین، آمین یا ربّ العالمین!

ثم تکون علیہم حسرۃ!

افغانستان میں مقیم میرے دوست گل محمد نے چند دن پہلے ایک بڑی دلچسپ بات کی طرف توجہ دلائی۔ اس پر مجھے یہ 'خیال' لکھنے کا خیال آ گیا۔

امریکہ افغانستان میں جب اترا تو سیکڑوں ہموی گاڑیاں (بکتر بند) ساتھ لایا، بلکہ ہزاروں لایا۔ امریکی پہلے یہ ہمویاں خود استعمال کرتے تھے۔ پھر کچھ پرانی ہو گئیں تو 'ری فربش' کروانے کے بعد افغان ملی فوج اور افغان پولیس کو دے دی گئیں۔

طالبانِ عالی شان نے جب ان کرائے کے فوجیوں سے جنگیں لڑیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے تو ہمیشہ ان کا نتیجہ دشمن کے مغلوب ہونے کی صورت نکلا۔ دشمن جنگ میں یا مارا جاتا ہے یا مفرور ہوتا ہے یا گرفتار، اور یہ تینوں صورتیں شکست کی ہیں۔ اس طرح دشمن کے تمام بقایا جات بطورِ مالِ غنیمت مجاہدین کو ملتے ہیں۔ یہاں بقایا جات اور مالِ غنیمت سے گل محمد کا سنایا ایک اور لطیفہ درمیان میں یاد آ گیا، پہلے وہ پڑھ لیں۔

کہنے لگا کہ افغانستان کی کسی ولایت (صوبہ) کی ایک ولسوالی (ضلع) کے مرکز اور فوجی کمانڈ سینٹر (قومندانی) میں موجود کچھ فوجیوں سے ایک دن ایک مجاہد مخابرے (وائرلیس واکی ٹاکی) پر بات کر رہا تھا تو اسے کہنے لگا 'دیکھو یہ جو "ہماری" وردی تم نے پہن رکھی ہے ناں، اس کو اچھے طریقے سے رکھنا، اسی طرح "ہمارا" اسلحہ و دیگر سامان بھی خوب حفاظت سے رکھنا، ہم ان شاء اللہ کچھ دنوں میں لینے آئیں گے!'۔ اس لطیفے کی تشریح یہ ہے کہ تمہارے پاس جو سامان ہے وہ دراصل غنیمت کی صورت میں ہمیں ملنا ہے، تو کہیں ایسا نہ ہو تم یہ خراب کر لو اور ہمیں غنیمت میں خراب چیز ملے، اس لیے ہمارے سامان کی حفاظت کرنا۔

خیر، دشمن کے بقایا جات میں ایک اہم شے 'ہموی' گاڑیاں بھی ہیں۔ ایک ہموی کی سال ۲۰۱۱ء میں قیمت دو لاکھ بیس ہزار ($220,000) ڈالر تھی یعنی آج کل کے ریٹ کے مطابق سوا سے ساڑھے تین کروڑ پاکستانی روپے۔ یہ ہموی جب مجاہدین کے قبضے میں آتی ہے تو مجاہدین اس دیو ہیکل گاڑی کو بارود سے بھر کر، فدائی حملہ کرنے والے جانبازوں کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ فدائی مجاہدین یہ بارود بھری گاڑیاں (جنہیں افغانستان میں 'موٹر بم' کہتے ہیں) دشمن کے قلعوں سے ٹکراتے ہیں جس کے نتیجے میں سیکڑوں اہلِ کفر اور اہلِ کفر کے غلام جہنم رسید ہوتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ۝ (سورۃ الانفال: ۳۶)

"جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لیے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لیے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔"

سبحان اللہ، کیسی عجیب آیت ہے۔ اس کی نہایت دلچسپ عملی صورت اوپر بیان کی گئی کہانی کے مطابق کچھ یوں ہو گئی:

1. پہلے امریکیوں اور اس قسم کے دیگر کافروں اور ان کے دم چھلوں نے یہ کیا کہ پیسہ خرچا (باقی چھوڑیں صرف فوجی خرچہ دیکھیں)، مثلاً ہمویاں خریدیں۔ فی ہموی پڑی ساڑھے تین کروڑ روپے کی۔
2. ان کے فوجی مارے گئے، ہمویاں غنیمت کی صورت میں مجاہدین کے قبضے میں آئیں اور یہ ان کے لیے باعثِ حسرت ہے اور یہ مغلوب بھی ہوئے۔
3. پھر مجاہدین نے انہی کی ہمویاں بارود سے بھر کر، انہی پر جا کر پھاڑ دیں۔ کتنے مر گئے اور جو رہ گئے ان کے لیے دوگنی حسرت!
4. جو مر گئے وہ تو مر گئے، جو رہ گئے ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ پھر مغلوب ہو گئے اور سامانِ حسرت تو بے پناہ ہے!
5. اس کے بعد جہنم تو ان کی ویسے ہی پکی ہے!

سبحان اللہ، اس آیت کی کیسی عملی تفسیر ہے جو افغانستان میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اللہ پاک امارتِ اسلامیہ افغانستان کو مضبوط فرمائیں اور اس امارت اور اس جہاد کا فیض پورے عالمِ اسلام میں عام فرمائیں، آمین!

اے پی سی (آل پارٹیز کانفرنس) اور مولانا فضل الرحمٰن سے استدعا

آل پارٹیز کانفرنس ہوئی، اس کے متعلق بی بی سی اردو نے جو خبر لگائی اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''حزبِ مخالف کی جماعتوں کی آل پارٹیز کانفرنس میں پاکستان تحریکِ انصاف کو برسرِ اقتدار لانے میں اسٹیبلشمنٹ کے مبینہ کردار پر سابق وزیرِ اعظم نواز شریف اور جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کی طرف سے بغیر لگی لپٹی رکھے، کھل کر اور واضح الفاظ میں بات کی گئی۔''

اس خبر کے چند نمایاں الفاظ و مرکبات سوائے ایک کے یہ ہیں: آل پارٹیز کانفرنس، پاکستان تحریکِ انصاف، اسٹیبلشمنٹ کا کردار، نواز شریف، بغیر لگی لپٹی۔ ایک اہم نام جس کا ذکر پچھلی سطر میں نہیں کیا گیا وہ ہے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا۔

مولانا صاحب نے ساری زندگی سیاسی جد و جہد میں گزاری ہے۔ وہ حکومتوں کا حصہ بھی رہے، حکومتیں بنانے والے بھی اور ان کے قریبی لوگ حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز بھی رہے۔ آخری بار الیکشن میں 'بوجوہ' مولانا کامیاب نہیں ہو پائے۔ پچھلے تقریباً ڈھائی سال میں مولانا نے موجودہ حکومت کے خلاف کئی جلسے کیے، ایک زبردست دھرنا دیا (جس سے حکومتِ وقت بہر حال گھبرائی، پھر مصالحت پر رضامند ہوئی اور مصالحت چودھریوں کے ذریعے کروائی گئی)، کئی ملین مارچ مولانا نے منعقد کیے اور اب یہ اے پی سی بھی مولانا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ الغرض موجودہ حکومت کے خلاف جس طرح سے تحریک مولانا نے چلائی ہے، باقی کوئی سیاسی پارٹی ایسی تحریک چلانے میں سنجیدہ نظر نہیں آتی، باتیں نواز شریف سے بلاول تک جو بھی، جتنی بھی کر لے۔

مولانا نے لگی لپٹی رکھے بغیر اسٹیبلشمنٹ یعنی فوج کو سنائیں اور اے پی سی کے اگلے ہی روز اسٹیبلشمنٹ مختلف سیاسی مخالفین سے ملاقاتیں کرتی نظر آئی تا کہ مولانا کی کوششوں کو ناکام بنا سکے۔ یہ بات دو چیزوں پر دلیل ہے؛ ایک یہ کہ مولانا جسے اپنے نظریے کے مطابق درست 'سمجھتے' ہیں اسے بیان کرتے ہیں اور اس ملک میں سب سے زیادہ طاقت ور ادارے یعنی فوج سے بھی پھر ڈرتے نہیں ہیں؛ دوسری یہ کہ اسٹیبلشمنٹ بھی مولانا سے گھبراتی ہے تبھی تو اگلے ہی روز فوراً حرکت میں آ جاتی ہے اور فوج میں بھی آرمی چیف قمر باجوہ اور آئی ایس آئی چیف فیض حمید خود ملاقاتیں کرتے ہیں۔

مولانا کے پاس علم بھی ہے، سیاسی مقام بھی اور مقتدر قوتیں ان سے ڈرتی بھی ہیں۔ مولانا موجودہ حکومت سے نالاں ہیں اور موجودہ حکومت کو ہٹانے کے لیے کوشاں بھی اور اس کے لیے وہ پارلیمانی سیاست کا سہارا نہیں لے رہے بلکہ دھرنے، مظاہرے، جلسے، جلوس اور عوامی ذہن سازی پر کام کر رہے ہیں۔ ایسے میں حضرت مولانا سے گزارش ہے کہ وہ اسی طریقِ سیاست کی جانب نظر فرمائیں جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے اپنائی تھی اور ان اکابرین کا اسوۂ سیاست، اسوۂ نبوی (علیہ الصلاۃ والسلام) سے ثابت ہے۔ ان اکابرین نے ۱۸۵۷ء کی 'بغاوت' کے لیے ذہن سازی کی، ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں شاملی جیسا میدانِ کارزار گرم کیا اور تحریکِ ریشمی رومال جیسی عظیم الشان عالمی مہم و تحریک چلائی۔

آج کی 'سمارٹ' مارشل لائی حکومت کا موازنہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کی انگریزی حکومت سے کر لیجیے۔ فرق کیا واقع ہوا ہے؟ سوائے اس کے کہ لارڈ رابرٹوں اور ماؤنٹ بیٹنوں کی جگہ عمران خان اور باجوہ جیسے نام آ گئے ہیں۔ برٹش انڈین ایمپائر کے بجائے 'اسلامی' کا لاحقہ سابقہ لگ گیا ہے۔ انگریز ہی کے قانون کو نئے صفحے پر لکھ کر عنوان 'اسلامی آئین' لکھ دیا گیا ہے۔ باقی اعانتِ کفر و کفار بھی ویسی ہی ہے اور اقامتِ کفر و قوانینِ کفار بھی ویسی ہی۔

مولانا صاحبِ علم ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تقاضائے شریعت عمران خان کو ہٹا کر کسی اور چودھری و خان یا شریف و خاقان کو لانا نہیں۔ تقاضائے شریعت وہی ہے جس کے لیے اکابرینِ ذی وقار حضرت نانوتوی سے شیخ الہند تک نظامِ باطل کو ڈھانے اور نظامِ اسلامی کو قائم کرنے کی خاطر لگے رہے۔

پس مولانا سے گزارش ہے کہ وہ ایسی تحریک اب اٹھائیں جو عمران خان و باجوہ و فیض حمید اور ان کے باطل نظام کو اکھاڑ پھینکے اور اس کی جگہ شریعتِ مطہرہ کا عادلانہ نظام نافذ کرے۔ یہی اہلِ دین کی آواز ہے، یہی اہلِ مدارس کا طریقہ ہے اور اس تحریک کے لیے ایک آواز بلند کرنے کی دیر ہے کہ حاملینِ دین قوم و نسل، مسلک و فرقہ اور سیاسی وابستگی سے بالا ہو کر اس جگہ اپنا خون بہائیں گے جہاں مولانا کا پسینہ ٹپکے گا اور اہلِ دین و فاضلینِ مدارس کی کامیاب تحریک، حضرت نانوتوی و شیخ الہند کے طرز کی کامیاب تحریک ہم اپنے پڑوس میں 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ دیوبند کا اصل کام تو کفر کے 'دیو' کو بوتل میں 'بند' کرنا ہے!

آسمانی حقائق یہ ہیں کہ حق بہر حال غالب رہتا ہے!

اتفاق سے پچھلے دنوں شیرِ میسور سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی کچھ تاریخ دیکھنے کا موقع ملا۔ معلوم ہوا کہ جب میسور کی تیسری جنگ جاری تھی (بلکہ جنگ سے ماقبل بھی)، تو اس وقت کے قابض گورنر جنرل آف انڈیا لارڈ کارن ولیس (Cornwallis)، نے (اس دور کے آئی ایس پی آر کے طور پر) کئی کاتب اور کئی مؤرخ اس 'خدمت' کے لیے بٹھائے کہ وہ ٹیپو کے متعلق لکھیں کہ وہ اہلِ ہندوستان کا دشمن، محض اقتدار کا بھوکا وحشی حکمران ہے اور فلاحِ عامہ سے اس کو نسبت تو دور کی بات وہ محض بربریت کا ایک نمونہ ہے جبکہ انگریز اس ملک کے لوگوں کے نجات دہندہ اور لارڈ کارن ولیس ایک فرشتہ ہے جو اہلِ ہند کی امداد کو آسمانِ (برطانیہ) سے اترا ہے۔

یہ تاریخ لکھی گئی، کتابیں مرتب ہوئیں، شائع ہوئیں، تقسیم ہوئیں اور لائبریریوں کی آج تک 'زینت' ہیں (ٹیپو سلطان کے گنجے ہونے اور متشرع حاکم کی داڑھی منڈی تصویر اس جعل سازی کا ایک نمونہ ہے)۔ لیکن ٹیپو سلطان کو ہم آج کیا ان کتابوں کی روشنی اور ان لارڈوں کی لکھوائی تاریخ کے ذریعے وہی جانتے ہیں جو بتایا گیا؟ نہیں! ہم ٹیپو کو ایک مجاہدِ عظیم اور رجلِ عزیم کے

طور پر جانتے ہیں، جو میدان کا شجاع سپاہی، بہترین سپہ سالار، جنگی حکمتِ عملی کا ماہر، نئے نئے اسلحے ایجاد کرنے والا، عسکری لائحے مرتب کروانے والا، رفاہ و فلاحِ عامہ میں نابغۂ روزگار، غریبوں، مسکینوں کا حامی، جدید اصطلاح میں ایک سٹیٹس مین (Statesman)، سفارت کاری کا ماہر، تجارتی اور معاشی منصوبوں کے ذریعے عوام کو خوشحال کرنے والا، صنعتوں کو فروغ دینے والا، عادل حکمران؛ کے طور پر جانتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ صفاتِ عالیہ بھی مؤرخوں نے لکھی ہیں۔ لیکن عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پیسوں پر رکھے گئے کاتبوں اور کرائے کے مؤرخوں اور ان سے تاریخ و واقعات لکھوانے والوں کی آخرت تو آخرت (کہ اس میں یومِ عدل قائم ہو گا) دنیا میں بھی ساری منصوبہ بندیاں ادھوری رہ جاتی ہیں۔

ٹیپو سلطان کی اس مثال سے ہم 'اہلِ حق' کی ہر تحریک کو سمجھ سکتے ہیں اور آج اگر اہلِ حق مطعون ہیں بھی تو آنے والے کل میں انہیں 'شدت پسند' اور 'دہشت گرد' کے عناوین سے نہیں یاد کیا جائے گا۔ آج کے مجاہد کل کو ٹیپو جیسی عزت سے منسوب کیے جائیں گے اور آج کے 'جنرل' کل کے 'گورنر جنرلوں' کی طرح بے آبرو ٹھہریں گے!

جدید ٹیکنالوجی کا استعمال صرف 'انسدادِ' اسلام میں اچھا ہوتا ہے!

موٹروے کیس میں پولیس اور خفیہ اداروں کی 'پھرتیاں' سب کے سامنے ہیں۔ تادمِ تحریر چار بار موٹروے کیس کا مرکزی 'مجرم' اداروں کو چکما دینے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ پولیس و خفیہ اداروں نے پہلی بار اس کی گرفتاری کے لیے قلعہ ستار شاہ میں چھاپہ 'ڈالا' جہاں سے بھاگ کر وہ قصور میں راجہ جنگ کے علاقے پہنچ گیا۔ دوسرا چھاپہ 'ڈالا' گیا تو پھر بھاگ گیا اور ننکانہ صاحب پہنچ گیا، تیسری بار چھاپے سے بھی فرار ہو گیا اور چوتھی بار منچن آباد بہاول نگر میں ٹریس کیا گیا اور چوتھی بار بھی پولیس و خفیہ والوں کی گرفت سے بچ نکلا اور اس کے بعد تادمِ تحریر اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ پولیس اور خفیہ ادارے اس 'مجرم' کی تلاش یا اس کو 'ٹریس' کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہے ہیں یعنی 'جیو فینسنگ'، سی سی ٹی وی کیمرے وغیرہ۔

(تحریکِ لبیک والے) فیض آباد[1] دھرنے میں گڑبڑ ہو تو اس کے بعد کیمرے چیک کیے جائیں تو 4K سے بھی زیادہ ہائی کوالٹی کیمرے جو فائبر آپٹک سے متصل ہیں، ناکارہ ثابت ہوتے ہیں[2]۔ دعا منگی اغوا ہو تو کیمروں کی کوالٹی بے کار نکلتی ہے۔ امریکہ اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کی پروردہ اور درپردہ امداد یافتہ داعش اسلام آباد ایکسپریس وے پر (سابقہ زیرو پوائنٹ کے پاس) اپنے جہازی سائز کے جھنڈے (جو بل بورڈ/hoarding کا احاطہ کر لیں) لگا جاتی ہے تو بھی فائبر آپٹک آپریٹڈ، ہائی ٹیک کیمرے لاجواب ہو جاتے ہیں۔ مطیع اللہ جان کی باری 'ٹریکنگ سسٹم' سے جواب موصول نہیں ہوتا۔ موٹروے کیس میں جیو فینسنگ بے کار ہو جاتی ہے۔ یہ ہے ٹیکنالوجی کا حال یا 'سوچا سمجھا' استعمال۔

ورنہ شاید سب کو یاد ہو کہ اسلام آباد سیف سٹی کے کیمرے جب اسلام آباد میں نئے نئے نصب ہوئے تو ایک گوالا یعنی دودھ والا جو کسی جگہ کھڑا دودھ میں پانی ملا رہا تھا اس کو ان 'ہائی کوالٹی' کیمروں نے 'پکڑ' لیا اور اس 'خیانت' کے جرم میں پولیس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ حالانکہ آج کل دودھ میں پانی ملانا کب جرم ہے جبکہ دودھ والا صاف بتاتا ہے کہ یہ دودھ ستّر روپے، یہ اسّی روپے، یہ نوّے روپے اور یہ سو روپے یا اس سے زیادہ کا فی کلو ہے، یعنی سمجھی سمجھائی (understood) بات ہے کہ بھینس خود تو یہ قسما قسم کا دودھ 'فراہم' نہیں کرتی (کم از کم ابھی تک کی ٹیکنالوجی اس 'اوج' تک نہیں پہنچی) دودھ والا ہی پانی شانی ملاتا ہے۔

خیر کبھی کبھی کی پھرتی دکھانے کے لیے دودھ والا پکڑ لیتے ہیں ورنہ ان کیمروں کا 'سچا' استعمال کہاں ہوتا ہے اور جیو فینسنگ اور فون ٹریکنگ کہاں کام آتی ہے؟

کوئی نفاذِ شریعت کی بات کرے، کوئی جہاد سے منسوب ہو جائے، بقول آئی جی ثناء اللہ عباسی کوئی لڑکا داڑھی رکھ لے، نماز پڑھنے لگے، تبلیغ کرنے لگے، کوئی لڑکی حجاب اوڑھنے لگے یا اس قسم کی abnormal activity ہو تو وہاں یہ ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے[3]۔ فون ٹریس کر کے اور ٹریک کر کے نجانے کتنے فرزندانِ اسلام کو آج تک جیلوں میں بند کیا جا چکا ہے اور کتنے ان جیلوں سے نکال کر ڈیموں، بیراجوں کے گیٹوں اور گراریوں میں ڈالے جا چکے ہیں؟ کتنے جعلی پولیس مقابلوں میں مارے گئے؟ کتنے آج تک خفیہ جیلوں میں بند ہیں؟

یہ سب اسی ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے کیا جا رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس ٹیکنالوجی سے 'انسدادِ' اسلام اور 'انسدادِ' اہلِ اسلام ہی اچھا ہوتا ہے، جرائم کو روکنا ان کا کام نہیں!

پیغامِ پاکستان نامی 'صحیفے' کا اطلاق صرفِ اہلِ سنت والجماعت پر!

ایک صاحب نے 'فرمایا' تھا کہ قرار دادِ مقاصد کے بعد پاکستان کی تاریخ کی اہم ترین دستاویز 'پیغامِ پاکستان' ہے۔ شاید کچھ لوگ پیغامِ پاکستان کو اسی طرح بھول گئے ہوں جس طرح قرار دادِ مقاصد کو بھول چکے ہیں۔ تو عرض ہے کہ وطنِ عزیز میں جاری حالیہ نظام کو اسلامیانے کے لیے جس دستاویز کو مرتب کیا گیا اس کا نام پیغامِ پاکستان ہے۔ اس 'صحیفے' کے مطابق جو پاکستان کے آئین کو (جس کی بنیاد انگریز نے ڈالی) نہ مانے، جو کہے کہ پاک فوج امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے اور امریکہ کو مارتے ہوئے جو فرنٹ لائنیا مارا جائے وہ شہید نہیں تو یہ سب کہنے والا باغی، خارجی، شدت پسند، دہشت گرد، تکفیری، فسادی اور انتہا پسند وغیرہ ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی ریاستِ پاکستان کو 'للکارے' تو وہ بھی وہی کچھ جو پچھلی سطر میں لکھا۔

---

[1] ویسے کمال اتفاق ہے کہ اس وقت کے 'میجر جنرل' فیض حمید نے دھرنا بھی ڈلوایا تو 'فیض' آباد میں، وقت نے ثابت کر دیا کہ اس دھرنے کا مقصد تحفظِ ناموسِ رسالت نہیں تھا یہ محض آبپارہ والوں کی چال تھی!

[2] گو کہ یہ بھی 'فیض' کا 'فیض' تھا!

[3] ثناء اللہ عباسی نے یہ بیان تب دیا تھا جب وہ ایڈیشنل آئی جی سی ٹی ڈی سندھ تھا، بعد میں یہ صوبۂ سرحد کا آئی جی لگ گیا اور آج کل پتہ نہیں کہاں 'تھانیداری' کر رہا ہو گا؟!

لیکن اس سب کا اطلاق صرف اہلِ سنت پر ہے۔ وہ اہلِ سنت جو نفاذِ شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا صلاۃ وسلام) کا مطالبہ کریں اور اپنی محنتیں اس کے لیے کھپائیں، جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوں، جو نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے ہوں، جو ناموسِ رسالت کے محافظ ہوں، جو ناموسِ صحابہ کی خاطر جانیں دینے والے ہوں۔ باقیوں پر اس کا کوئی اطلاق نہیں۔

ابھی چند دن پہلے رافضیوں کے 'وحدتی' لیڈروں کی ایک ویڈیو دیکھی جس میں وہ قومی اسمبلی سے پاس ہونے والے ایک بل کو مسترد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> "ہم (پاکستان کا) ایک ایک ادارہ بند کر کے دکھائیں گے اور سب یہاں پر کھڑے ہو جائیں گے، ہم اپنے سر لگا دیں گے اور یہ صرف ہم (وحدتی) نہیں بول رہے یہ پوری شیعہ قوم بول رہی ہے اور ان کے جذبات ہیں!"

آئینِ پاکستان میں موجود باطل قوانین اور پاک فوج کے فرنٹ لائن اتحادی ہونے کو بیان کرنے کے بعد کوئی یہی بات کرتا، جہاد و قتال اور القاعدہ یا کسی اور جہادی جماعت و تنظیم کو چھوڑیے کوئی عام آدمی یہ بات کرتا (کہ ادارے بند کر دیں گے) تو اس کی لاش منڈی بہاؤالدین، ملتان، مظفر گڑھ، ملیر یا گڈاپ میں (ہتھ کڑی بند آئی ایس آئی سپانسرڈ) پولیس مقابلے میں گرائی جاچکی ہوتی یا دین و شریعت کی بالادستی کی بات کرنے کے جرم میں جنرل شاہد عزیز کی طرح اس کا انجام آئی ایس آئی کے کسی اذیت خانے میں تشدد کے بعد قتل کی صورت ہوتا۔

'ٹرمپ' آوے یا 'بائیڈن'......ون اینڈ دا سیم تھنگ!

خیالِ ہٰذا سے ملتی جلتی چیز کوئی چار سال پہلے بھی لکھی تھی، دوبارہ دیکھیے۔

کوئی چودہ سال پہلے جب جان مکین اور اوبامہ صدارتی الیکشن میں کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں اوبامہ جیت گیا تو اس الیکشن مہم کے دوران ایک جگہ کچھ (فیصل آبادی) 'نادر' الفاظ کانوں سے ٹکرائے:

اوبامہ آوے یا مکین
نتھا سنگھ یا پریم سنگھ
ون اینڈ دا سیم تھنگ![1]

تو جی سیم تھنگ ہی نتیجہ ہے چاہے کوئی بھی آجائے۔ اب ٹرمپ جائے یا رہے یا جو بائیڈن آجائے، امریکی پالیسی بھی ایک ہی رہنی ہے، ان کے اہداف بھی اور ان کا عالمِ اسلام کو لوٹنے، اس پر ظلم کرنے اور اپنے دم چھلوں کو اقتدار بخشنے کا رویہ بھی ویسا ہی رہنا ہے۔ مسلمانوں کو کون سی جگہ کب لوٹنا ہے اور کون سا بم کون سی جگہ کب گرانا ہے، اس پر اختلاف ہو سکتا ہے؛ باقی سب نے نیو ورلڈ آرڈر ہی کو دوام بخشنا ہے۔

اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ امریکی الیکشن اور پالیسیوں اور حکمتِ عملی کا جائزہ ضرور لیں اور دشمن پر وار بھی ضرور کریں، لیکن اپنا وقت اس لایعنی بحث میں صرف چسکے، ڈرائنگ روم کی رونق اور چائے کے موضوع کے طور پر نہ ضائع کریں کہ ٹرمپ و جو بائیڈن کے درمیان مقابلہ ہے۔

اللہ اس کائنات کی اصل حقیقت ہے، جو اس پر ایمان لایا اور جس نے اس اللہ کا کفر کیا تو دراصل انہی کے درمیان مقابلہ ہے، پس اپنی گفتگو سے لے کر تلوار تک کو اللہ کا کفر کرنے والوں کے 'کفر' میں استعمال کریں!

فی سبیل اللہ مقتول کو قتل ہونے کی تمنا زیادہ ہے!

امریکہ سے لے کر اس کے فرنٹ لائن اتحادیوں تک اور اسرائیل سے لے کر بھارت تک؛ اہلِ ایمان کے دشمن، اہلِ ایمان کی تاک میں بیٹھے ہیں کہ انہیں قتل کریں۔ قتل ہونے والے، یعنی مقتولین افغانستان سے پاکستان تک اور کشمیر سے فلسطین تک قتل ہونے کی تمنا، اپنے دشمن کے قتل کرنے کے جذبے سے زیادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ یہ دشمن کے لیے تر نوالہ بن جائیں، یہ اس ادا سے قتل ہونا چاہتے ہیں کہ جب تک جئیں تو دشمن کے گلے کی ہڈی، دل میں پھانس سی چبھن اور آنکھ میں شہتیر کی مانند رہیں۔

مقتولین کی تاریخ تو یہ ہے کہ کل انہیں احد کے پہاڑ سے جنت کی خوشبو آتی تھی تو آج قندھار و غزنی، چولستان و راجستھان اور ہمالیہ و ہندوکش سے انہیں جنت کی خوشبوئیں پھوٹتی محسوس ہو رہی ہیں۔ اہلِ کفر کو جس طرح زندگی سے محبت ہے، ان شاء اللہ ہم زندہ شہیدوں کو، ہم فی سبیل اللہ مقتولوں کو اپنی موت سے محبت ان کے زندہ رہنے کی خواہش سے زیادہ ہے۔ لیکن اہلِ کفر بھی اور ان کا بچا کھچا کھانے والے دم ہلاتے فرنٹ لائن اتحادیے بھی یاد رکھیں کہ ہماری زندگی بھی اور ہماری موت بھی ان کے لیے بہر کیف تباہی، بربادی، عذاب اور موت کا پیغام ہے!

☆☆☆☆☆

اونچے اونچے ناموں کی تختیاں جلا دینا
ظلم کرنے والوں کی وردیاں جلا دینا

موت سے جو ڈر جاؤ زندگی نہیں ملتی
جنگ جیتنا چاہو کشتیاں جلا دینا

---

[1] One and the same thing! یعنی ایک ہی بات ہے!

أللهم أيّد الإمارة الإسلامية في أفغانستان!

مجلسِ ادارت–نوائے غزوۂ ہند

ألحمد لله و كفىٰ والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلامِ پاک میں ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○(سورۃ الحج:۴۱)

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔“

اولاً مذکور آیت کی تفسیر میں علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیتِ کریمہ کے مصداق حضراتِ خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں، جنہوں نے دینِ ایزدی کو یزدانِ واحد کی زمین پر نافذ فرمایا۔ ان خلفائے راشدین کی صفت ہے کہ جب انہیں زمین پر اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے نماز کو قائم کیا، زکوٰۃ ادا کی، امر بالمعروف یعنی نیکی کا حکم دیا اور نہی عن المنکر یعنی برائی سے روکا۔ مفسرینِ کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں ایک حکمِ عام بھی ہے کہ جنہیں اقتدار حاصل ہو تو وہ نماز کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا التزام کریں[1]۔

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر بجالایا جائے کم ہے کہ اس نے اس دورِ فتن میں امتِ مسلمہ کو امارتِ اسلامیہ افغانستان کی صورت میں ایک نعمتِ عظیمہ عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ہبۃ اللہ اخندزادہ (دامت برکاتہم العالیہ) کی امامتِ باسعادت میں قائم امارتِ اسلامیہ افغانستان کی مدد و نصرت فرمائیں اور ہر شر اور ہر برائی سے، دشمن کی چالوں سے اور خائن لوگوں کی غداری اور خیانت سے اس کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

اللہ کا فضل و احسان ہے کہ آج کے دورِ جدید میں جب نظامِ باطل کا ظاہری و باطنی لحاظ سے قبضہ ہے اور ہر طرف اسی نظامِ دجال کا غلغلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرتِ خاص کے ذریعے افغانستان میں مجاہدین کو فتح و ظفر سے ہم کنار فرمایا۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے مجاہدینِ عالی قدر جن کو افغانستان کے ستّر فیصد کے قریب علاقے پر تمکین و حکومت حاصل ہے، انہی خطوط و اوامر شرعی پر گامزن ہیں جن کا حکم شریعتِ مطہرہ نے فرمایا ہے۔ امارتِ اسلامیہ کے دورِ اول میں (۱۹۹۶–۲۰۰۱ء) بھی اقامتِ دین کے نظائر سارا عالم دیکھ چکا ہے اور نفاذِ شریعت ہی وہ 'جرم' تھا جس کی 'پاداش' میں امریکہ اپنے چالیس سے زائد حواریوں کے ساتھ امارتِ اسلامیہ کو مٹانے کے لیے میدان میں کودا تھا۔

بحمد اللہ آج جب ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے طالبانِ عالی شان کو افغانستان میں توحیدِ خالص، اتباعِ سنتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور پیرویٔ شریعت میں جہاد فی سبیل اللہ کی بدولت فتحِ مبین عطا فرمائی ہے، تو طالبانِ عالی شان نے حکمِ قرآنی کے مطابق ہر شعبۂ ہائے حیات میں اقامتِ اسلام کی طرف قدم بڑھایا ہے۔

امارتِ اسلامیہ کی جانب سے بحمد اللہ، مظاہرِ اسلام پر مبنی احکامات ولائحے اور فرامین واعلامیے جاری ہوتے رہتے ہیں جن میں سے بعض کی اردو ترجمانی کر کے مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کی زینت بڑھائی جاتی رہتی ہے۔ عوام الناس کی روحانی تربیت کا پہلو ہو یا ان کی جسمانی صحت کو 'کورونا' جیسی بیماریوں سے لاحق خطرات، امتِ مسلمہ خصوصاً اور انسانیت کو عموماً نشے کی لت سے بچانے کی کوششیں ہوں یا دیوانی و فوجداری عدالتی مقدمات، عسکری، معاشی و معاشرتی معاملات؛ ان سبھی کے بارے میں امارتِ اسلامیہ کی اعلیٰ ترین قیادت (دفترِ مشر تابہ[2]) سے لے کر عام ولسوالیوں[3] کی سطح تک ایک منظم شرعی انتظام جاری ہے۔

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے شمارۂ ہٰذا (اکتوبر ۲۰۲۰ء) میں بھی امارتِ اسلامیہ کا جاری کردہ ایک اعلامیہ اردو ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس میں، اقامتِ صلاۃ سے لے کر دیگر اوامر بالمعروف اور ردِ بدعات و جاہلی رسومات سے لے کر دیگر نہی عن المنکر کے پہلو موجود ہیں۔ امارتِ اسلامیہ کا عمومی طرزِ عمل اور اس مذکورہ اعلامیے میں موجود احکام (جو امارت کے انتظام و نفاذِ شریعت کی نہایت چھوٹی سی جھلک ہے) تمام بلادِ اسلامیہ کے عوام و دینی تحریکات کے لیے عموماً اور اہالیانِ پاکستان و دیگر برِّ صغیر کے لیے دعوتِ فکر و عمل لیے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ دینی و جہادی تحریکات کے وابستگان، امارتِ اسلامیہ کے منہج و عمل (جو کہ شرعی منہج و عمل ہے) کو اپنائیں، اہلِ اسلام کے جان و مال کی حفاظت، ان کے خون کی حرمت کا خیال رکھنے کے اعلیٰ پہلوؤں سے لے کر اقامتِ دین تک کے تمام پہلوؤں کو بغور دیکھیں اور اپنے خطوں میں بھی تحریکِ دینی کو ایسی ہی شرعی بنیادوں پر استوار کریں۔ امارتِ اسلامیہ کا قافلہ جب عمرِ ثالث، بت شکن، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی قیادت میں اٹھا تو یہ چند مدرسے کے طالبِ علم تھے جن میں کئی کی مسیں بھی ابھی نہ بھیگی تھیں، لیکن محض اور محض اتباعِ شریعتِ کاملہ کی بدولت آج انہی طالبانِ عالی شان کے سامنے دنیا کی سپر پاوریں گھٹنے ٹیک

---

[1] بحوالہ تفسیر مظہری از مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی و تفسیر معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی

[2] دفترِ مشر تابہ یعنی دفترِ امیر المومنین

[3] ولسوالی کا لفظی ترجمہ 'ضلع' ہے، لیکن انتظامی طور پر افغانستان میں ولسوالی پاکستان میں انتظامی طور پر موجود 'تحصیل' کے درجے کی شے ہوتی ہے۔

چکی ہیں اور یہ اہلِ اسلام آج ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کو اسی تعبیر کے ساتھ نافذ کر رہے ہیں جس تعبیر کے مطابق صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے دینُ اللّٰہ اور شریعتِ محمد رسول اللّٰہ کو نافذ کیا تھا (علیٰ صاحبہا الف صلاۃ وسلام!)۔

آیئے اسی طرزِ شریعت پر اپنے اپنے خِطوں میں دعوت و جہاد کو منظم کریں، یہاں تک کہ ہماری اسلامی امارتیں اور دعوتی و جہادی کوششیں 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کی حسین صبح کے آفتابِ عالَم تاب کی صورت میں سارے عالَم کو جگمگانے لگیں، جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

أللهم أيّد الإمارة الإسلامية في أفغانستان. أللهم أيّد الإسلام والمسلمين وانصرهم علىٰ عدوك وعدوهم. أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

بقیہ: انٹرویو ملا خیر اللہ خیر خواہ

جس کی وجہ یہ ہے کہ کابل انتظامیہ جانتی ہے کہ امریکی و دیگر بیرونی طاقتوں کے انخلا کے بعد وہ بھی اقتدار میں نہیں رہ سکے گی۔ حالانکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ طالبان کے آنے سے ملک میں امن و سلامتی، رفاہِ عامہ اور ترقی کا ظہور ہو گا۔ محض امن و سلامتی نہیں بلکہ ہم اپنے ملک اور اپنی عوام کو ترقی کرتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس عرصے میں بہت سے تجارب کیے ہیں، ہم نے بہت سے مختلف ملکوں کے دورے کیے ہیں، بہت سی سیاسی شخصیات کے ساتھ مل کر بیٹھے ہیں اور اب ہم اپنے ملک میں اپنے تجارب کی روشنی میں مکمل امن و سلامتی، استحکام اور ترقی لانا چاہتے ہیں۔ ہم بزورِ قوت اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں نہ لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا، بلکہ ہم تو ہر وقت اپنے عوام کی مدد و نصرت اور ان کی خدمت کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ہمارے لوگ چالیس سال سے مشکلات و مصائب کا سامنا کر رہے ہیں، ہم اب انہیں مزید مشکلات کی نذر کرنا نہیں چاہتے۔

الجزیرہ: جناب خیر اللہ خیر خواہ صاحب، الجزیرہ سے گفتگو کرنے کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں۔

بقیہ: اسلام اور جمہوریت: باہم متصادم ادیان

اللہ سید قطب پر رحمت نازل فرمائے وہ کہتے ہیں:

"دنیا کے تمام نظاموں میں لوگ اللہ کے سوا ایک دوسرے کو رب قرار دیتے ہیں اور یہی کچھ اعلیٰ و ارفع جمہوریتوں میں بھی ہوتا ہے، عین اسی طرح جیسے فردِ واحد کی حکومت میں۔ اور یہ سب کچھ ایک سا ہی ہے۔"

اور سید قطب کا کہنا ہے:

"نوعِ انسانی پر الوہیت کی واضح ترین نشانیوں میں سے ہے کہ بندے ہی بندوں پر حاکم بن جائیں اور ان کی زندگی کے لیے قوانین وضع کرنے لگیں اور ان کے لیے میزان قائم کرنے کی کوشش کریں۔ جو کوئی بھی اس طرح کے افعال کا مرتکب ہو اور قانون سازی کے دعوے کرے تو دراصل وہ اللہ کے سوا رب بننے کا دعویٰ دار ہے۔"

بلاشبہ وہ ذات جو تحلیل و تحریم کا حق رکھتی ہے صرف اللہ واحد کی ہے۔ اور انسانوں میں کوئی بھی، چاہے وہ فردِ واحد ہو یا کوئی بھی ادارہ، کوئی قوم ہو یا پوری نوعِ انسانی، اللہ کی اجازت کے بغیر اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف کرتے ہوئے یہ حق ہر گز نہیں رکھتا۔

ثانیاً؛ جمہوریت کی بنیاد دین و عقیدہ کی آزادی پر ہے۔ لہٰذا جمہوریت میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ جو مرضی عقیدہ اپنائے اور جس مرضی مذہب کو قبول کرے اور جس مذہب کو چاہے رد کر دے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دینِ متین ہی کیوں نہ ہو۔ اور بلاشبہ یہ معاملہ تو قطعاً ناقابلِ قبول اور مبنی بر فساد ہے اور بہت سی نصوصِ شرعیہ سے متصادم بھی۔ اس کے بارے میں حکمِ شرعی بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے ارتداد کی راہ اختیار کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ بخاری و دیگر کتبِ احادیث میں وارد ہوا۔ جو شخص بھی اپنا دین بدلے تو اسے قتل کیا جائے، اس کو باقی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کیونکہ مرتد کے بارے میں اجازت نہیں کہ اسے سکون، تحفظ یا پناہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں اس کے لیے توبہ یا تلوار کے سوا کوئی تیسری راہ نہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امارتِ اسلامیہ افغانستان

وزارتِ دعوت و ارشاد

عوام الناس کی خیر خواہی کے لیے عوام الناس کے لیے ہدایات

قابلِ احترام، غیرت مند عوام الناس کی خدمت میں!

ہر گزرتے دن کے ساتھ معاشرے میں بد اعمالیاں بڑھتی جا رہی ہیں، لہٰذا حالات کو بہتر بنانے کے لیے، اپنی اور دیگر سب کی اصلاح کے لیے درج ذیل اہم امور کو اپنے اوپر لاگو کرنے میں ہمارے ساتھ تعاون کیجیے:

1. نوجوان رات کے وقت اجتماعی طور پر بیٹھنے سے گریز کریں۔
2. ایسے گاؤں اور گلیاں جہاں سے نہریں اور کھالے گزرتے ہوں اور ان جیسی دیگر جگہیں جہاں خواتین کی آمدورفت ہو، وہاں لوگوں کا کھڑا ہونا اور بلاضرورت چلنا پھرنا مطلقاً بند ہے تاکہ برے افراد اور اچھے لوگوں کے درمیان فرق واضح معلوم ہو سکے۔
3. رہائشی علاقوں اور بازاروں میں مساجد میں باجماعت نماز کی پابندی کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ نماز کی ادائیگی کی وجہ سے ہماری مشکلات حل فرمائیں۔اسی طرح مساجد میں بیٹھ کر بہتان، غیبت اور دیگر فضول باتوں سے خصوصاً گریز کیا جائے۔
4. شادیوں میں رات کے وقت مایوں، مہندی کی رسموں پر مطلقاً پابندی عائد کی جاتی ہے، تاکہ جن معاشرتی برائیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے ان کا سدِباب کیا جا سکے۔
5. جس خرید و فروخت کی شریعت میں اجازت نہیں، اس سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔
6. کوئی مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں علمائے کرام سے رجوع کیا جائے۔اگر کوئی منکر (برا فعل) کر رہا ہے، تو امارتِ اسلامیہ افغانستان کے مسئولین کو اس شخص کی نشاندہی کی جائے۔
7. اگر رات کے وقت کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو متعلقہ شخص اپنے علاقے یا قریب موجود کسی مجاہد کو باخبر کرے تاکہ مجاہدین جائے حادثہ تک فوری پہنچ سکیں اور حادثے کی نوعیت کے مطابق عملی اقدام کر سکیں۔

والسلام

امارتِ اسلامیہ افغانستان

۱۴۴۲ھ ق

*نوٹ: یہ اعلامیہ اصلاً پشتو اور دری زبان میں نشر کیا گیا تھا، جس کی اردو ترجمانی ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' نے کی ہے۔امارتِ اسلامیہ افغانستان اپنے انتظامی حلقوں کے لیے کمیسیون یا کمیشن کی اصطلاح استعمال کرتی ہے، چونکہ یہ انتظامی حلقے دراصل وزارتوں کے انداز میں کام کرتے ہیں لہٰذا کمیسیون کی ترجمانی بطورِ 'وزارت' کر دی گئی ہے تاکہ انتظامِ حکومت کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

افغانستان کا مستقبل اسلام ہے!

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے سیاسی دفتر کے رکن جناب ملا خیر اللہ خیر خواہ حفظہ اللہ کے الجزیرہ ٹی وی کو انٹرویو کا اردو ترجمہ

الجزیرہ: ۲۴ دسمبر، ۱۹۷۹ء۔ روسی دستے افغانستان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ سوویت یونین کے قائدین کا دعویٰ تھا کہ وہ افغانستان کے کمیونسٹ سربراہ ببرک کارمل کی دعوت پر افغانستان میں داخل ہوئے ہیں۔ روس کے اس حملے نے افغانستان کو جنگ و جدل کے ایک ایسے راستے پر گامزن کر دیا کہ جس میں کئی دہائیاں جنگ اور خونریزی کی نذر ہو گئیں۔ روس افغان جنگ، ۹۰ء کی دہائی میں ماسکو کی مکمل پسپائی، افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کے خاتمہ اور اس کے بعد ملک میں خانہ جنگی اور اس کے نتیجے میں طالبان کی اقتدار تک رسائی...... یہ سب اس راہ کے سنگِ میل تھے۔ تحریکِ طالبان نے ۲۰۰۱ء تک ملک کے بیشتر علاقوں پر حکومت کی۔ ۲۰۰۱ء میں ۹/۱۱ کے حملوں کے بعد امریکہ کی سربراہی میں نیٹو اتحاد نے افغانستان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں طالبان قیادت کابل کو خالی کر کے منتشر ہو گئی۔ تب سے لے کر آج تک، ملک میں چھ عمومی انتخابات منعقد ہو چکے ہیں۔ افغان سیاست دان قوت اور اقتدار کے لیے آپس میں بر سرِ پیکار رہتے ہیں اور ذاتی جاگیر کی حیثیت سے زمین کے بڑے بڑے حصّوں پر قابض ہونے کے لیے کوشاں بھی۔ مگر طالبان نے کبھی کسی منتخب حکومت کی طاقت و اختیار کو تسلیم نہیں کیا۔ تقریباً دو دہائیوں بعد، امریکی افواج افغانستان سے انخلا کے لیے ایک معاہدے پر دستخط کرتی ہیں۔ یہ معاہدہ تقریباً سات سال کی طویل کوششوں کے بعد وجود میں آیا جس دوران طالبان، افغان حکومت اور امریکہ و دیگر ممالک کے درمیان سیاسی مفاہمت پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کی گئی۔ آخر افغانستان میں مکمل امن کے حصول کی خاطر کیا کرنا ہو گا؟ آج ہمارے ساتھ قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کے رکن، جناب خیر اللہ خیر خواہ صاحب موجود ہیں، جو الجزیرہ سے اس بارے میں گفتگو کریں گے۔

جناب خیر اللہ خیر خواہ! الجزیرہ سے بات کرنے کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔ اشرف غنی کا کہنا ہے کہ امن کو سب سے بڑا خطرہ جنگ و جدل اور تشدد آمیز واقعات سے ہے۔ پچھلے سال سے لے کر اب تک کے عرصے میں آج کل جنگ کی شدت اپنے عروج کو چھو رہی ہے۔ کابل انتظامیہ کے ترجمان صدیق صدیقی کا کہنا ہے کہ طالبان امن عمل میں قطعی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ امن کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ طالبان کا وجود ہی ہے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کابل انتظامیہ ایسی باتوں میں مبالغہ سے کام لیتی ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ جنگ کی شدت میں اضافہ ہو گیا یا کارروائیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے تو حقیقت ایسی نہیں ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر جنگ کی شدت میں اضافہ ہوا بھی ہے تو اس کا سبب وہ خود ہیں۔ وہ بعض طالبان کے مفتوحہ علاقوں میں داخل ہو کر نئی پوسٹیں، چیک پوائنٹس اور تفتیشی مراکز بنانا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے جس کے سبب تعارض اور جنگ کی نوبت آتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ معاہدے میں جو جنگ بندی کی شق موجود ہے، وہ ہمارے اور امریکیوں کے درمیان ہے۔ ہمارے اور ادارۂ کابل کے مابین کسی جنگ بندی پر اتفاق نہیں ہوا۔ ہم اور امریکی مل کر بیٹھے، ہم نے بات چیت کی اور اس امر پر اتفاق کیا کہ وہ ہم پر حملے نہیں کریں گے اور ہم ان پر حملے نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ افغانستان سے نکل جائیں۔ مگر ہمارے اور کابل انتظامیہ کے درمیان تو ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس امر کے پابند ہیں کہ ہم انہیں نشانہ نہ بنائیں۔ اس کے باوجود ہم نے ان کے بڑے شہروں، مراکز، پولیس اور فوجی مراکز وغیرہ کو نشانہ نہیں بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ کابل کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس دوران ہم واشنگٹن سے مذاکرات کر رہے تھے، اس عرصے میں ہمارے اور امریکیوں کے مابین جنگ ماضی کے تمام عرصے کی نسبت کئی گنا زیادہ شدت لیے ہوئے تھی۔ کارروائیوں اور حملوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود ہم مذاکرات کے لیے بیٹھے، انہوں نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی اور ہم نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی اور ایک نتیجے اور اتفاق رائے پر پہنچ گئے۔ جنگ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر بات چیت نہیں کر سکتے۔

سو یہ تمام باتیں موجود ہیں۔ اولاً جنگی شدت میں ویسے اضافہ نہیں ہوا جیسے وہ مبالغہ آمیزی سے بیان کرتے ہیں۔ ثانیاً ہمارے حملوں کا بنیادی سبب وہ خود ہیں۔ ثالثاً ہمارے درمیان جنگ بندی کا ایسا کوئی معاہدہ نہیں جس کے سبب ہم ان پر حملہ نہ کرنے کے پابند ہوں۔ اور آخری بات یہ ہے کہ جنگ اور حملے مذاکرات سے نہیں روکتے۔ یہ بات تو امریکیوں کے ساتھ ہمارے

> ہم بھی آزادی پر یقین رکھتے ہیں لیکن ہماری آزادی اسلامی تعلیمات اور شریعت کی بیان کی گئی حدود کے اندر ہونی چاہیے، اس کے مطابق ہونی چاہیے۔ ہم دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے حقوقِ نسواں اور تعلیم اور آزادی، یہ سب چیزیں چاہتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ آزادی اور حقوقِ نسواں کی فراہمی سے یہ تصور لیتے ہیں کہ افغانستان کی عورت بھی امریکہ ویورپ کی عورت کی طرح دکھائی دینے لگے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ بات مناسب ہے نہ قرینِ عقل ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افغانستان کے رسوم و رواج اور عادات امریکہ و مغربی ممالک کے رسوم و رواج سے بہت مختلف ہیں۔ ہم اسلام کی بتلائی ہوئی حدود میں رہتے ہوئے حقوقِ نسواں، تعلیم اور آزادی کے قائل ہیں۔

تجربے سے ثابت ہے۔ جیسے ان کے ساتھ جنگ کے باوجود مذاکرات کیے اور بالآخر ایک معاہدے طے پا گیا، اسی طرح کابل کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔

الجزیرہ: اس ساری صورتحال کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، بین الافغان مذاکرات کی بنیاد کے بارے میں بتائیے، جبکہ آپ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: دیکھیے اس حوالے سے کئی مثالیں ہیں کہ ہم بعض اوقات آپس میں عارضی جنگ بندی کر لیتے ہیں۔ مثلاً عید کے موقع پر ہم نے تین دن کے لیے جنگ بندی کی تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے موسم بہار کی کارروائیوں کا بھی اعلان نہیں کیا۔ ہر سال ہم اپنے جنگی حملوں کو کسی نام سے موسوم کر کے ان کے آغاز کا اعلان کرتے ہیں جیسے 'الفتح' یا 'النصر' یا اس جیسا کوئی اور نام۔ لیکن اس سال ہم نے کوئی اعلان نہیں کیا۔ اس کے باوجود اہلِ کابل معاملے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی بھی حال میں بین الافغان مذاکرات نہیں چاہتے۔ وہ انہیں روکنے اور ٹالنے کے لیے مسلسل حیلے بہانے سوچتے رہتے ہیں۔ چونکہ اشرف غنی الیکشن جیت کر آیا ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنا پانچ سالہ دورِ حکومت مکمل کرے۔

الجزیرہ: لیکن یہ مذاکرات کس حیثیت میں ہوں گے جبکہ آپ تو یہ امر ہی تسلیم نہیں کرتے کہ کابل میں کوئی حکومت بھی ہے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: جی ہاں، ہم نے امریکیوں سے مذاکرات کے دوران یہ کہا تھا کہ امریکیوں سے مذاکرات کے بعد ہم 'افغانی گروہوں' سے بات چیت کریں گے۔ ہم نے 'افغانی حکومت' کا ذکر نہیں کیا، بلکہ 'افغان گروہوں' کا نام لیا تھا۔ اب افغانستان میں موجود مختلف گروہ اور دھڑے سب جمع ہو چکے ہیں اور ہم ان سب سے مذاکرات اور بات چیت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم صرف کابل انتظامیہ سے مذاکرات نہیں کریں گے بلکہ ہم افغانستان میں موجود تمام گروہوں اور پارٹیوں کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔

معاہدے میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ بین الافغان مذاکرات سے پہلے ہمارے پانچ ہزار قیدی رہا کیے جائیں گے۔ آخر ہم نے ایسی شرط کیوں لگائی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے اور کابل انتظامیہ کے مابین بہت زیادہ بُعد تھا۔ ہمارے لوگ اور ہمارے مسئولین اور ہمارے بھائی ان کو ایک گروہ اور پارٹی کی حیثیت دیتے ہوئے بھی ان کے ساتھ مذاکرات کرنے پر تیار نہیں تھے۔ لیکن جب وہ ہمارے پانچ ہزار قیدی رہا کرتے ہیں تو اس سے ہمارے درمیان ایک اعتماد کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اور یہ اعتماد ہی مذاکرات کی بنیاد ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ واضح کر دوں کہ قیدیوں کی رہائی کا معاملہ امریکیوں کے ساتھ طے پانے والے معاہدے میں شامل ہے۔ اس لیے ہم قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کابل انتظامیہ سے نہیں کرتے بلکہ امریکیوں سے کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر ان کے ساتھ معاہدے میں طے پایا ہے۔ امریکی کابل انتظامیہ کو ہدایت جاری کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں کابل ہمارے قیدیوں کو رہا کرتا ہے۔

الجزیرہ: امریکی افواج کے انخلا کے بعد کیا ہو گا؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم افغانستان کے مسائل کے لیے ایک مکمل حل ڈھونڈیں، ہم افغانستان میں مکمل اور پائیدار امن چاہتے ہیں۔ ہم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ امریکہ ہمارے ملک میں اب زیادہ دیر ٹھہر نہیں پائے گا، اسے جانا ہی ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ہم کابل انتظامیہ اور دیگر افغان پارٹیوں اور گروہوں سے بات چیت اور مذاکرات کرنے کے لیے تیار تھے۔ ہم یہ بات بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر ہم افغانستان میں حکومت بزور حاصل کر بھی لیں تو بھی افغانستان کے مسائل کبھی حل نہیں ہوں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم تمام افغان گروہوں اور پارٹیوں کے ساتھ مفاہمت کے بعد حکومت اور اقتدار حاصل کرتے ہیں تو وہ ایک مستحکم حکومت ہو گی۔ تمام گروہوں کے مابین مفاہمت اور اتفاقِ رائے سے بننے والی حکومت میں مسائل کم سے کم ہوں گے۔ جبکہ بزورِ قوت حاصل کیے گئے اقتدار میں مسائل اور مشکلات کا خاتمہ ممکن نہیں ہو گا۔ ہم چالیس سالہ جنگ کے بعد اب افغانستان میں امن اور استحکام لانا چاہتے ہیں اور اس حوالے سے ہم بے حد سنجیدہ ہیں۔ سو اگر کوئی گروہ یا فرقہ امن کے راستے میں رکاوٹ یا مشکلات بھی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو ہم ان شاءاللہ باذن اللہ ان مشکلات کا سامنا کریں گے اور انہیں دور کریں گے، کیونکہ افغانستان کے تمام گروہ اور پارٹیاں، من حیث المجموع، یہ بات سمجھتی ہیں کہ افغانستان کے مسائل کا پائیدار حل آپس میں مذاکرات اور مفاہمت کے بغیر ممکن نہیں۔ ہمارے پچھلے تجربات بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ جنگ و جدل اور خونریزی کے ذریعے مسائل حل نہیں ہوتے، اسی لیے ہم نے مختلف ممالک کے دورے کیے، چین، روس، ایران، پاکستان، انڈونیشیا، ازبکستان وغیرہ، اور ہم نے ان پر واضح کیا کہ ہم افغانستان میں امن چاہتے ہیں، ہم جنگ پر مصر نہیں ہیں۔ لیکن جنگ خود چل کر ہمارے پاس آئی اور اس نے ہمیں دفاعی پوزیشن سنبھالنے پر مجبور کر دیا، اب جیسے ہی وہ ہمارے ملک سے رخصت ہوتی ہے تو ہم اپنے ملک میں امن اور سلامتی چاہتے ہیں۔ اب یہ تمام ممالک مل کر کوشاں ہیں کہ افغانستان کے تمام گروہوں کو مذاکرات کی میز پر جمع کیا جا سکے تاکہ اس مسئلے کا حل ڈھونڈا جائے۔

الجزیرہ: یہ نہایت دلچسپ امر ہے کہ آپ ماسکو کا تذکرہ کرتے ہیں۔ طالبان اور روس کے مابین تعلقات کیسے ہیں؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: بالعموم ہمارے تمام ممالک سے تعلقات، جیسے چین، روس، ایران، پاکستان اور دیگر پڑوسی مسلم و غیر مسلم ممالک سے تعلقات اچھے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ ہماری سرزمین اپنے مقاصد کے لیے یا دوسرے ممالک کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ اور جب سے قطر میں ہمارا سیاسی دفتر کھلا ہے تب سے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات میں مزید بہتری آئی ہے۔

الجزیرہ: اس بات میں کتنی صداقت ہے کہ طالبان امریکی فوجیوں کو قتل کرنے پر روس سے انعام و اکرام پاتے تھے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: ان تمام باتوں کی کوئی اصل یا بنیاد نہیں ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ باتیں شروع کرنے اور پھیلانے والے کون ہیں۔ یہ خاص خبر جس کا آپ نے ذکر کیا ہے یہ افغان انٹیلی جنس کی گھڑی ہوئی ہے جس نے جیلوں میں موجود قیدیوں سے جبراً یہ بیانات حاصل کیے ہیں کہ وہ امریکہ سے لڑنے پر روس سے پیسے اور انعامات وغیرہ حاصل کرتے تھے۔ یہ خبر قطعی بے بنیاد ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہ تو کابل انتظامیہ کی انٹیلی جنس نے مجبور قیدیوں پر تشدد کر کر کے جبری اعترافات کروائے ہیں تاکہ دنیا کے لیے ایک کہانی گھڑی جا سکے۔ کوئی شخص کبھی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ طالبان نے ماسکو سے امریکہ کے خلاف کبھی بھی پیسے یا فوجی امداد حاصل کی ہو۔

الجزیرہ: مگر یہ خبر محض افغانی انٹیلی جنس کی جانب سے تو نہیں آ رہی، یہ تو امریکی انٹیلی جنس کا بھی دعویٰ ہے۔ اور ایک ایسے وقت میں جبکہ امریکہ افغانستان سے نکلنا چاہتا ہے اور وہ اس مقصد کے لیے آپ کے ساتھ مذاکرات بھی کر رہا ہے، ایک ایسے وقت میں آخر وہ کیوں جھوٹ بولے گا؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: دیکھیے ہم امریکہ کی طرف سے تو جواب نہیں دے سکتے کہ وہ کیا اور کیوں کرتے ہیں۔ یہ سوال تو اصلاً امریکہ سے کیا جانا چاہیے۔

کابل انتظامیہ کے بارے میں، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ امریکہ اور دیگر بیرونی طاقتوں کی افغانستان سے واپسی چاہتے ہی نہیں ہیں۔ وہ تو اپنے اقتدار کے دوام کے لیے امریکہ اور دیگر افواج کو افغانستان ہی میں روکے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ اس طرح کی خبریں اور جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں۔ لیکن بالاصل یہ سوال خود انہی سے اور امریکہ سے کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنی نیت اور مقاصد کی وضاحت کر سکیں کہ ایسی جھوٹی خبریں گھڑنے اور پھیلانے سے وہ کیا اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

الجزیرہ: لیکن ہم اس کی ماضی میں بھی ایک مثال پاتے ہیں۔ جب آپ لوگ طالبان کے بجائے افغان مجاہدین کے نام سے جانے جاتے تھے اور سوویت یونین کے خلاف لڑ رہے تھے تو آپ نے روس کے خلاف امریکہ سے اور پاکستانی آئی ایس آئی سے امداد وصول کی تھی۔ پھر اب امریکہ کے خلاف روس کی امداد کیوں نہ قبول کریں گے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: اس زمانے میں روس کے خلاف تقریباً ہر ملک سے امداد ملتی تھی۔ مجاہدین پوری دنیا سے اکٹھے ہو کر روس کے خلاف لڑنے کے لیے افغانستان آئے تھے۔ لیکن اب حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے خلاف ہماری تحریک کو یا امارتِ اسلامی کو روس یا کسی اور کی جانب سے حمایت یا امداد نہیں ملتی۔ اب ہمارے اور روس کے مابین اچھے ڈپلومیٹک (سفارتی) تعلقات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے خلاف کوئی شخص کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔

الجزیرہ: افغانستان کی طرف لوٹتے ہیں۔ افغانستان کے شہر حکومتی قبضے میں ہیں جبکہ اکثر صوبوں کے دیہی علاقوں پر آپ کا تسلط ہے۔ افغانستان کے کتنے علاقے پر آپ کی عمل داری ہے اور ان علاقوں کی صورتحال کیسی ہے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: افغانستان کا تقریباً ستر فیصد علاقہ ہمارے قبضے میں ہے۔ اس تمام علاقے میں الحمدللہ امن و امان کی صورتحال ہے۔ لوگوں کے لیے قاضی موجود ہیں۔ بلکہ اگر کابل انتظامیہ کے زیرِ انتظام علاقوں سے موازنہ کیا جائے، تو ہمارے علاقوں میں صورتحال بہت مثالی ہے۔ لوگ اپنے مسائل اور مقدمات کے فوری حل کے لیے ہماری عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں۔ عوام الناس کی اکثریت اپنے معاملات کے حل کے لیے ہماری عدالتوں سے رجوع کرتی ہے کیونکہ وہاں رشوت اور سفارش کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اور مقدمات کے فیصلے سرعت سے کر دیے جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے انتظامی امور میں نقائص پائے جاتے ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے تو کابل انتظامیہ ملکی امور میں دیگر ممالک اور بین الاقوامی اداروں سے بہت سی امداد اور مراعات وصول کرتی ہے جبکہ ہمارے پاس اپنے علاقوں میں اپنے لوگوں کو امن اور سلامتی کی ضمانت دینے کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ جلد ہی مذاکرات کے نتیجے میں اگر ہم کسی اتفاقِ رائے تک پہنچ جاتے ہیں تو آئندہ حکومت میں ہمارے علاقوں کے لوگوں کو بھی بہتر مواقع ملیں گے اور تمام افغانیوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا۔

> ہم اپنے لوگوں کے لیے بہترین مواقع اور حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کو امن، تحفظ، آزادی اظہارِ رائے اور دیگر تمام اقسام کی آزادی چاہیے، مگر حدودِ اسلام میں رہتے ہوئے۔ ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ہم افغان عوام کو امن و سلامتی اور رفاہِ عامہ فراہم کر کے رہیں گے۔ یہ درست ہے کہ حالات ویسے نہیں جیسے بیس سال قبل تھے، مگر جو خوف و دہشت کابل انتظامیہ اپنے ریڈیو اور ٹی وی سٹیشنز وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں بٹھانا چاہتی ہے کہ طالبان کے آنے سے بچیوں کی تعلیم کے مواقع ختم ہو جائیں گے، آزادی اظہارِ رائے ختم ہو جائے گی وغیرہ، یہ سب محض بے بنیاد پراپیگنڈا ہے۔

الجزیرہ: میں آپ سے یہ سوال اس لیے کر رہا ہوں کہ اکثر مغربی ممالک میں یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ اگر طالبان برسرِ اقتدار آتے ہیں یا حکومت میں ایک بڑے حصے کے مالک بن جاتے ہیں تو افغانستان نے حقوقِ نسواں، بچیوں کی تعلیم، امن و انصاف کے قیام اور آزادئ اظہارِ رائے وغیرہ کی جانب جو پیشقدمی کی ہے، وہ سب ضائع ہو جائے گی۔ آپ اس امر کی کیا ضمانت دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو گا؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: امریکی افواج کے افغانستان میں داخلے سے قبل جس عرصے میں ہم نے حکومت کی، ہم نے کوشش کی کہ عوام کے لیے معیارِ زندگی بہتر بنائیں۔ اور ہم نے بہت سے امور میں بہتری لانے کی کوشش کی۔ اس عرصے میں، میں تقریباً دو سال صوبۂ ہرات کا والی رہا اور مجھے یاد ہے کہ ہمارے پاس ایک جاپانی خاتون کی سربراہی میں اقوامِ متحدہ کا ایک وفد

آیا جس نے وہاں بچوں اور بچیوں کے مکاتب (سکولوں) اور مدارس کا دورہ کیا۔ تمام تر حالات کے باوجود وہاں ترقی کا عمل جاری تھا اور بچوں اور بچیوں، دونوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مکاتب و مدارس موجود تھے۔ خواتین کے حقوق نہ صرف تسلیم کیے جاتے تھے بلکہ ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ ہم خود بھی خواتین کے حقوق کے معاملے میں بے حد حسّاس اور سنجیدہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ افغانستان کی عورت کئی اعتبار سے مظلوم ہے۔

مگر آپ یہ بھی دیکھیے کہ آج افغانستان میں روزانہ کی بنیاد پر وقوع پذیر ہونے والے جرائم کی تعداد کہاں تک پہنچی ہوئی ہے؟! اور پھر اس تعداد کا موازنہ کیجیے طالبان کے دورِ حکومت سے کہ جب خواتین کے خلاف کیے جانے والے جنسی یا غیر جنسی جرائم انتہائی شاذ و نادر تھے، اور اس میں ذرا سا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ان کی تعداد ایک یا دو سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن مغرب کے لوگ اس قسم کا کوئی موازنہ نہیں کرتے، ان حقائق کی جانب نہیں دیکھتے، بلکہ فقط آزادی کی بات کرتے ہیں۔ ہم بھی آزادی پر یقین رکھتے ہیں لیکن ہماری آزادی اسلامی تعلیمات اور شریعت کی بیان کی گئی حدود کے اندر ہونی چاہیے، اس کے مطابق ہونی چاہیے۔ ہم دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے حقوقِ نسواں اور تعلیم اور آزادی، یہ سب چیزیں چاہتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ آزادی اور حقوقِ نسواں کی فراہمی سے یہ تصور لیتے ہیں کہ افغانستان کی عورت بھی امریکہ و یورپ کی عورت کی طرح دکھائی دینے لگے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ بات مناسب ہے نہ قرینِ عقل ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افغانستان کے رسوم و رواج اور عادات امریکہ و مغربی ممالک کے رسوم و رواج سے بہت مختلف ہیں۔ ہم اسلام کی بتلائی ہوئی حدود میں رہتے ہوئے حقوقِ نسواں، تعلیم اور آزادی کے قائل ہیں۔ بلکہ طالبان کے سابقہ دورِ حکومت میں خواتین بھی امورِ حکومت میں شامل تھیں جیسے وزارتِ داخلہ، ایئر پورٹ، مدارس اور دیگر جگہوں پر خواتین خدمات انجام دیتی تھیں۔ مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم معاملات کو اس سے بھی کہیں آگے، یعنی اسلامی حدود کو پھلانگتے ہوئے، ترقی کرنے کی اجازت دیں گے۔

الجزیرہ: ذبیح اللہ مجاہد کا کہنا ہے کہ افغانستان میں امن کو اندرونی و بیرونی خطرات لاحق ہیں۔ سابقہ این ڈی ایس چیف کا کہنا ہے کہ پاکستان اب بھی طالبان کے ساتھ افغانستان میں کوئی کردار ادا کر رہا ہے۔ آپ نے بھی ایک ویڈیو نشر کی جس میں آپ نے دو داعشی جنگجوؤں کو پکڑنے کا دعویٰ کیا جو امریکی انتظامیہ اور افغان عہدیداروں پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اس سب میں کتنی صداقت ہے اور آپ کو کس چیز کا سامنا ہے؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: بہت سے واقعات و معاملات بظاہر جو نظر آ رہے ہوتے ہیں، حقیقت میں اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ وہ ہسپتال جس میں بہت سے علما اور انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والے رضاکار قتل ہوئے، اس پر حملے کے پیچھے کابل انتظامیہ کی انٹیلی جنس کا ہاتھ تھا۔ اور یہ کام کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ بیرونی افواج اور طاقتوں کو یہ باور کرایا جائے کہ افغانستان آج بھی خطرے میں ہے اور افغانستان سے انخلا کے لیے یہ وقت مناسب نہیں۔ کابل انتظامیہ اس قسم کے تمام مذموم واقعات کا ذمہ دار طالبان کو دکھانا و ٹھہرانا چاہتی ہے۔ مگر الحمدللہ، بفضل اللہ تعالیٰ تمام افغانی عوام یہ بات جانتے ہیں کہ طالبان ایسے حملے نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ طالبان اللہ پر ایمان رکھنے والے، مومن و مسلم ہیں اور عامۃ الناس کو کبھی نشانہ نہیں بناتے۔ طالبان انہی کے درمیان معاشرے میں رہتے ہیں اور ہمارے علما عوام کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے عوام کے ذہن اس حوالے سے بہت واضح ہیں کہ ہسپتالوں اور بے گناہ عوام کو نشانہ بنانے والے کون ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ طالبان مسلمان ہیں اور ان کا عقیدہ انہیں کبھی ایک ہسپتال پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ آخر طالبان کو ہسپتال میں موجود معصوم عورتوں اور نومولود بچوں کو قتل کر کے کیا فائدہ حاصل ہو گا؟

گو کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ایسے واقعات کے پیچھے کون ملوث ہے مگر اس کے باوجود ہم چاہتے ہیں کہ تحقیقات کی جائیں اور حقیقت سب کے سامنے لائی جائے کہ کس نے ان جرائم کی منصوبہ بندی کی۔

الحمدللہ، بفضل اللہ تعالیٰ تمام افغانی عوام یہ بات جانتے ہیں کہ طالبان ایسے حملے نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ طالبان اللہ پر ایمان رکھنے والے، مومن و مسلم ہیں اور عامۃ الناس کو کبھی نشانہ نہیں بناتے۔

الجزیرہ: جناب خیر اللہ خیر خواہ صاحب! آج کا افغانستان بیس سال پیشتر کے افغانستان سے یکسر مختلف ہے کہ جب طالبان بر سرِ اقتدار تھے۔ افغانستان کے عوام اور نوجوانوں کے تصورات بھی بیس سال پہلے سے بہت مختلف ہیں۔ اگر طالبان کو افغان حکومت میں ایک بڑا حصّہ مل جاتا ہے، تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نوجوانوں اور عوام کے پاس کس قدر آزادی ہو گی؟

ملا خیر اللّٰہ خیر خواہ: بالکل، ہم جانتے ہیں کہ نہ حالات و عادات آج سے بیس سال قبل جیسی ہیں اور نہ ہی لوگوں اور نوجوانوں کے خیالات و تصورات ویسے ہیں جیسے بیس سال پہلے تھے۔ بڑے بڑے تغیرات رونما ہو رہے ہیں، بڑی بڑی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ ان حالات میں ہم اپنے ملک کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تقریباً چار کروڑ آبادی ہے اور ہم اپنے لوگوں کے لیے بہترین مواقع اور حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کو امن، تحفظ، آزادی اظہارِ رائے اور دیگر تمام اقسام کی آزادی چاہیے، مگر حدودِ اسلام میں رہتے ہوئے۔ ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ہم افغان عوام کو امن و سلامتی اور رفاہِ عامہ فراہم کر کے رہیں گے۔ یہ درست ہے کہ حالات ویسے نہیں جیسے بیس سال قبل تھے، مگر جو خوف و دہشت کابل انتظامیہ اپنے ریڈیو اور ٹی وی سٹیشنز وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں بٹھانا چاہتی ہے کہ طالبان کے آنے سے بچیوں کی تعلیم کے مواقع ختم ہو جائیں گے، آزادی اظہارِ رائے ختم ہو جائے گی وغیرہ، یہ سب محض بے بنیاد پراپیگنڈا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 50 پر)

مثبت تبدیلی کے منتظر پاکستان کے عوام…… کیا تبدیلی آیا ہی چاہتی ہے؟

قاضی ابو احمد

پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین بحرانوں سے گزر رہا ہے اور اس کی سراسر ذمہ داری نااہل حکمرانوں، ان کے کٹھ پتلی نمائندوں اور ان کے کرپٹ مشیروں اور وزیروں پر عائد ہوتی ہے۔ آج وطنِ عزیز پاکستان کے جس شعبے، جس شہر اور جس صوبے کو بھی اٹھا کر دیکھیں اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ آدھا ملک بارشوں اور سیلاب سے ڈوب چکا ہے۔ مکانات، دکانیں اور املاک سیلابی پانی سے تباہ و برباد ہو چکی ہیں، عوام کا اربوں کا مالی نقصان ہوا ہے اور ناقابلِ تلافی جانی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ ایسے میں ڈوبے ہوئے ایک شہر کراچی کے دورے اور صدر، وزیر اعظم اور آرمی چیف سمیت ملک کے چوٹی کے سیاسی قائدین کے کراچی میں اکٹھ، بیانات اور تصاویر کی حیثیت عوام کی کھوپڑیوں کے مینار پر فاتحانہ انداز میں کھڑے ہو کر تصویریں بنوانے کی سی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ منی پاکستان کہلائے جانے والے، پاکستان کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی کو ہی یہ اعزاز کیوں کر ملا کہ تمام سیاسی قائدین وہاں اکٹھے ہو گئے، یہ ہم سب ہی جانتے ہیں۔ کراچی سیاسی پتّا ہے، جسے پیپلز پارٹی اپنے مفادات کے لیے کھیلتی ہے اور وفاق اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے؛ مگر کراچی کے عوام کو اس کے نتیجے میں محض سیوریج ملا پانی، ڈوبی ہوئی املاک، گندے پانی سے پھوٹتی بیماریاں، گھپ اندھیرا، اور پینے کے صاف پانی کی عدم دستیابی کی 'سہولیات' ہی ملتی رہی ہیں۔ کراچی کے جو علاقے پوش ترین کہلاتے ہیں، ان کے رہائشی بھی اب اپنی آرام دہ خواب گاہوں سے، گھروں میں سیوریج کا پانی داخل ہونے، بجلی ناپید ہونے اور پینے کا پانی دستیاب نہ ہونے کا رونا روتے سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ ان حالات میں کیا کوئی ہے جو اہالیانِ پاکستان کا پرسانِ حال ہو؟

کراچی ایک بڑا شہر ہے اور بالخصوص اسی ایک شہر کی اگر بات کی جائے تو قدرتی و مصنوعی آفات کے مواقع پر عوام کی حقیقی مدد فلاحی امدادی تنظیمیں ہی کرتی نظر آتی ہیں۔ مگر اس مرتبہ ان کی کارکردگی بھی نسبتاً سست نظر آرہی ہے۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ حکومت اور حکومتی مشینری نے خود تو ویسے ہی ملک چلانا نہیں؛ بقول چیف جسٹس، 'اس حکومت میں نہ ملک چلانے کی اہلیت ہے اور نہ ہی قابلیت'؛ بلکہ اس میں کام کرنے والے جتنے کل پرزے 'اتفاقاً' باقی رہ گئے ہیں انھیں بھی بے کار کرنے کا بیڑا اس حکومت نے اٹھا رکھا ہے، اور فلاحی ادارے جو عوام ہی کی مدد سے عوام ہی کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے ہیں، ان کی بھی کہیں گاڑیاں ضبط کر لی جاتی ہیں تو کہیں ٹیکس کے نام پر زکوٰۃ و صدقات و خیرات کا کروڑوں روپیہ ہضم کر لیا جاتا ہے، کہیں یہ کہہ کہہ کر ان کے کاموں میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے کہ ان تنظیموں کے سرکردہ افراد کا اپنا کردار شفاف نظر نہیں آتا…… غرض یہ کہ باقاعدہ ایک مشن کے تحت ملک کی لُٹیا ڈبونے کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے موجودہ حکومت و انتظامیہ اور ان کے سرپرستوں نے۔

فی الحال ہم ایک شہر کراچی پر ہی توجہ اس لیے مرکوز کیے ہوئے ہیں کہ یہ شہر آبادی، صنعت کاری، بندرگاہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر پاکستان کے اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ اگر اس شہر کا یہ حال ہے تو پھر باقی شہروں اور دیہاتوں کی دگرگوں حالت کا اندازہ خود ہی کر لیجیے۔ معلوم ہوا کہ شہر کراچی کے مسائل حل کرنے کے لیے وفاق کی جانب سے گیارہ ارب روپے کا بجٹ مختص کیا گیا……بڑی واہ واہ ہوئی؛ مگر ابھی اس واہ واہ کی دھول بیٹھی بھی نہ تھی کہ حکومت کے اپنے ہی ایوانوں سے ایسے ایسے اعداد و شمار اس بجٹ اور اس میں موجود وفاق اور صوبۂ سندھ کے حصے کے بارے میں سامنے آنے لگے کہ کہنے والوں نے یہ تک کہہ دیا کہ جس طریقے سے پاکستان میں فیصلہ سازی ہو رہی ہے اس طریقے سے تو ایک گھر کے کچن کے اخراجات اور بچوں کی فیس کا حساب بھی نہیں کیا جاتا۔

ایک طرف یہ سب حالات ہیں؛ ماضی قریب میں میڈیا پر نشر ہونے والی چند تصاویر اور ویڈیوز ہی کو گر دیکھا جائے تو کراچی کیا اور سندھ کے دیگر علاقے کیا، سب ہی پانی اور اندھیرے میں ڈوبے نظر آتے ہیں، پھر خیبر پختونخوا کی طرف سوات، چترال، گلگت…… یہ تمام علاقے شدید ترین سیلاب سے متاثر ہوئے مگر میڈیا پر اگر ذکر آیا بھی تو وہاں پھنس جانے والے سیاحوں کا، اور رہے وہاں کے عوام، تو وہ تو پہلے بھی اپنے رب ہی کے بھروسے پر زندگی گزارتے تھے اور اب بھی اپنے رب کی مدد کے ساتھ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کر ہی لیں گے، ان کے بارے میں کسی کو سوچنے اور فکر کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے!!!

ان حالات میں کہ جب کلفٹن اور ڈیفنس تک کے رہائشی آپ کو پانی، بجلی اور سیوریج کی بنیادی سہولیات کے لیے احتجاج کرتے اور پورے ملک کے کروڑوں عوام آٹے، چینی، مہنگائی، بجلی، پٹرول، بارش، سیلاب و بے روزگاری کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں، سیاسی حلقے چیخ رہے ہیں کہ اس حکومت نے ملک کو اپنی تاریخ کے ریکارڈ قرضوں تلے دبا دیا ہے، بین الاقوامی سفارت کاری بالکل نااہل ثابت ہو چکی ہے، دشمنوں کو دوست بنانے کی خواہش میں اپنے دوستوں سے بھی یہ ملک ہاتھ دھو بیٹھا ہے، ایسے وقت میں ملک کے وزیر اعظم بین الاقوامی میڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اپنے اوپر انحصار کرنے والا ملک بنے اور قرضوں کا بوجھ اس ملک سے بالکل ختم ہو جائے!!! کیا وزیر اعظم کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہے جس سے وہ یہ کر دکھانا چاہتے ہیں؟؟؟ جب آپ نے اپنے ملک کی تمام تر صنعتیں بجلی اور گیس کی عدم فراہمی کے سبب بند کر دی ہیں اور ایک سی پیک کا ہار گلے میں لٹکائے آپ کشکول پھیلائے چین کی جانب اپنی بھکاری نگاہیں اٹھائے دیکھ رہے ہیں، تو کیا خاک پاکستان خود انحصاری کی منزل طے کرے گا!!! کہتے ہیں کہ عوام کو مشکل وقت دیکھنا پڑے گا کیونکہ نیچے

سے اوپر تک سب تبدیل ہونے والا ہے...... مگر یہاں تو تبدیل ہوتا کچھ نظر نہیں آرہا سوائے پانچویں کے بعد چھٹے آئی جی پنجاب کے!!! مدینۂ ثانی کے نعرے لگانے والے اگر یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں مثبت تبدیلی لانے کی خاطر عوام تکلیف برداشت کریں تو انھیں خود اور حکومتی ایوانوں میں بیٹھے افراد کو سب سے پہلے اس تکلیف سے گزرنا چاہیے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے مدینہ میں جب خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں قحط آتا ہے، تو عوام کو سہولیات فراہم کرنے کی آخری حد تک کوشش کرنے والے سیدنا عمر کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جسم پر محض ہڈیاں اور ماس باقی رہ جاتا ہے۔ کہنے والے نے جب کہا کہ اے امیر المومنین! آپ اپنے اوپر اتنی سختی نہ کریں؛ کچھ تو اپنی صحت کا خیال رکھیں تاکہ آپ عوام کی خدمت کے قابل رہ سکیں، تو خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا کہ مسلمان عوام تو بھوکے ہوں اور عمر پیٹ بھر کر کھائے!!! مگر مدینۂ ثانی کے دعویٰ دار تو مزید سے مزید ٹھونسے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہماری تنخواہیں بڑھاؤ ہمارے گھروں کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور عوام! تو عوام پر لازم ہے کہ وہ تبدیلی کی خاطر فاقے سے، سیلابی پانی میں ڈوب کر، بے روزگاری کے ہاتھوں خودکشی کرکے جانیں دیں؛ کیونکہ جانیں دیے بغیر تو تبدیلی نہیں آتی!!! یہاں لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے باٹ اور! جب ووٹ لینے ہوں تو حقوق، انصاف، سہولیات کی فراہمی کے وعدے اور دیگر خوشنما نعرے اور جب کارکردگی دکھانی ہو تو پھر عوام تکلیف برداشت کریں!! کیسے دہرے معیارات ہیں تسبیح ہاتھ میں لپیٹ کر شان دار انٹرویو دینے والوں کے!

پاکستان ایک آتش فشاں کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ ہر سمت ابلتا لاوا پھٹنے اور ہر چیز کو خاکستر کر دینے کو تیار ہے۔ لاپتہ افراد کے لواحقین کا صبر تمام ہی ہوا چاہتا ہے۔ اہل ایمان پر لگائی جانے والی قدغنیں روز بروز سخت ہوتی جارہی ہیں۔ پاکستان FATF کی گرے سے بلیک لسٹ میں جائے یا نہ جائے، مگر اس کے حکمران اسے اپنے عوام اور اہل دین کی نگاہوں میں بلیک لسٹ کر کے ضرور رہیں گے۔

اے ہمارے محبوب اہالیانِ پاکستان! آپ ہمارے اپنے ہیں۔ آپ کا دکھ درد ہمارا دکھ درد ہے اور آپ کو ملنے والی خوشی اور راحت پر ہم خوش ہیں، ہم آپ ہی کی فلاح کے حریص ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ سب کے سب اپنی دنیا برباد کرکے اپنی آخرت سنوارنے کے لیے نکل کھڑے ہوں، بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو دنیا میں بھی راحت ملے اور آپ کی عاقبت بھی خراب نہ ہو۔ یہ نااہل حکمران آپ کو آپ کے دین سے بے گانہ کرکے آپ کو محض پیٹ کے بندے بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، یہ آپ کو اور آپ کی جان وایمان کو دو بوری آٹے کے عوض خرید لینا چاہتے ہیں؛ جان رکھیے! یہی فتنۂ دجال ہے کہ جب انسان محض خوراک کے چند نوالوں اور چند بوند پینے کے پانی کے لیے ترس رہا ہو گا اور بظاہر اسے سب کچھ میسر ہو گا مگر اپنے ایمان کے سودے کی شرط پر۔ پس فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو اپنا دین وایمان بچانے کے لیے آواز بلند کرنی ہے، جس کے نتیجے میں آپ کو دنیا و آخرت کی راحت و آسانی ملے گی ان شاءاللہ، یا دوسری صورت میں اپنی جان بچانے کی کوشش میں اپنا ایمان کھونا ہے اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی ہے۔ دنیا میں تو آپ اب بھی تکلیف اٹھا ہی رہے ہیں، ضروریاتِ زندگی کے حصول کے دروازے ابھی بھی آپ پر بند ہیں، مگر اللہ کی رحمت کا در اب بھی کھلا ہے۔ اپنے اور اپنے بچوں کے دین اور ایمان کو بچانے کی خاطر نفاذِ شریعت کا مشن لے کر اٹھیے کہ شریعت ہی میں آپ کی جان اور آپ اور آپ کی نسلوں کے ایمان کی بقا ہے۔ شریعت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے ہی آپ کو دنیا و آخرت کا سکون میسر آسکتا ہے۔ آپ ہی کے گلی محلّوں سے وہ فرزانے بھی نکلے ہیں جنھوں نے اپنے اور اپنی امت کے ایمان کی شمع جلائے رکھنے کے لیے لہو دیا ہے اور وہ عند اللہ سرخرو ہوگئے ہیں، ان شاءاللہ، آپ کو بھی ان کے نقوش ہائے قدم پکار رہے ہیں۔ شیطان آپ کو ڈراتا ہے کہ ہم اور ہمارے بیٹے اگر نفاذِ دین کی جدوجہد کے لیے اٹھے تو پسِ زندان ڈال دیے جائیں گے، مار دیے جائیں گے، عقوبت کا نشانہ بنیں گے...... کیا آج پاکستان کی سڑکوں پر آپ کی اور آپ کی اولاد کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے؟ پاکستان کی جیلوں اور خفیہ قید خانوں میں کیا فقط اللہ کے نام لیوا بند ہیں؟ ذرا تھانوں میں جاکر دیکھیں کہ روزانہ کی بنیاد پر نشانۂ تعذیب بننے والے کیا سب کے سب اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہونے والے تھے!! جب آپ نے مسلمان ہونے کا دعویٰ اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا ہے تو بہر حال آپ آزمائے جائیں گے؛ رب تعالیٰ کے فرماں بردار بن کر اس کی رضا کے حصول کے رستے میں یا اپنے رب کے نافرمان بن کر اس کی مشیت سے فرار کے رستے میں!!! فیصلہ آپ کا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بقیہ: سوشل میڈیا کی دنیا سے

سفیر جس کیفیت سے گزرے اس کے لیے حیرانگی چھوٹا لفظ تھا!

تلاش کو نکلا۔

صحرا نوردی شروع کی تو دیکھا دُوووور ایک شخص ایک درخت کے سائے میں لیٹا ہوا ہے اور دُوور دُوووور تک کوئی دوسرا بندہ بشر نہیں، قریب ہوئے تو دیکھ کر حیران رہ گئے اینٹ کو تکیہ بنائے اس عرب و عجم کے 'شہنشاہ' کے ماتھے سے پسینہ بہہ رہا ہے اور وہ سکون سے پیوند لگے کپڑے پہنے سویا ہوا ہے۔ ''مدینہ کی سپر پاور ریاست'' کا وہ حکمران نہ جانے کتنی دیر سے اونٹوں کو تلاش کرتے کرتے تھک جو گیا ہو گا......!

وہ سفیر بے اختیار بول اُٹھے: ''یاعمر !اعدلت فامنت فنمت......''

''عمر تم نے عدل کیا اسی لیے محفوظ و مامون ہو اور سکون کی نیند سو رہے ہو، ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں اس لیے انہیں سخت پہروں میں بھی نیند نہیں آتی!''

انقلاب کا کیک

محمد سعید حسن

انقلاب کسی پنسار کے چورن کا نام ہوتا تو اس قوم کے ہمدرد اسے کب کا کھلا چکے ہوتے۔ تبدیلی یا انقلاب زور آزمائی کا نام ہے۔ زمانے کے دستور کے خلاف چلنے اور دریا کے بہاؤ کے مخالف تیرنے کا نام انقلاب ہے۔ لوگوں کو روکھی پھیکی تحریریں تک پڑھنا گوارا نہیں ہے؛ انہیں پڑھنے میں رومانس اور ایڈونچر درکار ہے۔ انہیں دیکھنے کے لیے فلم اور سننے کے لیے موسیقی چاہیے۔ ایسے میں آپ انہیں یہ بتانا چاہیں کہ ایک شے کا نام اللہ کی محبت، اس کا شکر اور اس کی فرمانبرداری ہے اور دنیا میں انسان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کو پہچانے اور اس کے آگے اس طرح سے ماتھا ٹیک دے کہ اس کے بعد دنیا کی کوئی رسم، زمانے کا کوئی دستور اور نفس کی کوئی ناجائز تمنا اس کے لیے ماتھا ٹیکنے کے بجائے سینہ تاننے کی جا بن جائے۔ یہ سبق پڑھانا، یہ شعور دِلانا بے حد مشکل کام ہے۔ ہمارے معاشرے میں کسی سے نیک کام کے لیے چندہ تو لیا جاسکتا ہے لیکن اسے اس بات پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا کہ میاں! یہ جو چند بول تم بول کر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو ان کا مطلب جاننا ہو تو ابراہیم خلیل اللہؑ کی زندگی اپنانی پڑے گی۔ اب بھلا کون "عقل مند" ہے جو اسے قبول کرلے!

اس سے آگے چلیں۔ کئی کئی عشروں سے قائم فاسد نظام کیا محض للکارنے سے گر جانے والا ہے؟ محض اخباری بیانات اور فقط پریس کانفرنسوں سے چلا جانے والا ہے؟ اس فاسد نظام کے ساتھ ہزاروں خائن اور کرپٹ لوگوں کا دھندہ وابستہ ہے۔ یہ نظام محض ان کرپٹ لوگوں کی جی حضوری ہی نہیں کرتا بلکہ عام لوگوں کو غربت میں رکھ کر اپنا دستِ نگر بھی بنائے رکھتا ہے۔ ہزاروں معصوم لوگ زندگی کی گاڑی کھینچنے کے لیے اس نظام کے کولہو کو چلانے کے لیے بیلوں کی طرح اس میں جتے دن رات زور لگاتے ہیں۔ جواباً انہیں اس فاسد نظام سے گھروں کے چولہوں کو جلا رکھنے کے بقدر معاوضہ ملتا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ یہ نظام اپنی پراپیگنڈا مشین اور تعلیمی اداروں سے ذہنی طور پر تہی دست افراد کی ایک کھیپ بھی برآمد کرتا ہے۔ معاشرے میں موجود ایک نسل تو اس نظام کی چاکری سے اپنے چولہوں کو جلا رکھنے کا انتظام کرتی ہے تو اس کے بعد آنے والی نسل اس نظام کی تعلیمی اور پراپیگنڈا مشین سے ذہنی طور پر پَست، فِکری طور پر بے بہرہ اور اخلاقی طور پر بے راہ رو بن کر نکلتی ہے۔ نتیجتاً یہ آنے والی نسل، اس نظام کی وفاداری میں پختہ تر ہوتی ہے۔

کیا خیال ہے کہ ایسی صورت حال میں صرف کاغذی پرچیوں سے یہ نظام ڈھے جانے والا ہے؟ ان کاغذی پرچیوں کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ یہ اس فاسد نظام کے نظامِ ہضم کے انزائمز (خامرے/enzymes) ہیں۔ یہ پرچیاں آن کی آن میں خودی کو پگھلا کر اسے نظام کے سانچے میں ڈھال دیتی ہیں۔ جو شخص اس نظام کو رد کرتا ہے، اس کے لیے یہ میٹھی چھریاں ہیں۔ انتخابی عمل میں حصہ لینے والا جب اس راستے کو چنتا ہے تو یہ اس نظام کی جیت ہے۔ یہ نظام اس سے اپنی حیثیت تسلیم کروالیتا ہے اور پارلیمنٹ میں داخلے سے پہلے اس سے اپنی وفاداری کا حلف بھی اٹھوالیتا ہے۔ جب آپ ذہنی طور پر اس نظام کی برتری (supremacy) قبول کرچکتے ہیں تو پھر ہی آپ اس کے چنے ہوئے طریقۂ کار کے تحت، اس کی قائم کردہ شرائط کے تحت اس میں شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ جب نفسیاتی طور پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس نظام سے لڑائی اور دشمنی ممکن نہیں ہے تبھی اس میں شمولیت اختیار کی جاتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نظام سے نفسیاتی طور پر شکست تسلیم کیے بغیر اس کا حصہ بھی بنا جاسکے؟ ان دونوں چیزوں میں سے ایک وقت میں ایک چیز ہی اپنا وجود رکھ سکتی ہے۔ یا تو اس نظام کی نفسیاتی برتری اپنا وجود رکھے گی یا پھر اس نظام کے متبادِل کی نفسیاتی برتری۔ دونوں ایک وقت میں موجود نہیں ہوسکتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نظام سے ہمیں فقط کوئی لفظی دنگل نہیں لڑنا بلکہ اس سے حقیقی معنوں میں ہر قسم کی زور آزمائی کرنی ہے۔ اس میں فکری زور آزمائی سے لے کر اس کے جاری و ساری عمل کو معطل کرکے اس کے جگہ ایک اور نظام کو 'انسٹال' کرنا بھی شامل ہے۔ سماجیات سے لے کر سیاسیات اور ابلاغیات سے لے کر معاشیات تک ہر ایک چوراہے پر اس سے گتھم گتھا ہونا پڑے گا۔ یہ چومکھی لڑائی ہے اور اس لڑائی پر فیصلہ کُن ضرب بہر حال افغانستان کے انقلاب جیسے کسی عملی اقدام ہی کی صورت میں لگانی پڑے گی۔ اس سے پہلے تبدیلی شاعر کے خواب اور دیوانے کی بڑسے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب تک ایک ایسی عوامی شورش جنم نہیں لیتی جو نظام کے ہر ہر فاسد کل پرزے کو یکسر مسترد نہ کرتی ہو تب تک صحیح معنوں میں تبدیلی نہیں آنے والی۔ یہ کام جواں مردوں کا کام ہے۔ ایسے شیروں کا کام ہے جو زمانے کے رِواجوں اور اقدار (norms and values) کو تبدیل کرکے رکھ دینے کی ہمّت رکھتے ہوں نا کہ انتخابی پرچیوں کے ذریعے سہولت پسندی اور آرام طلبی کے راستوں سے انقلاب کا کیک کھانے کے سپنے دیکھتے ہوں! اور جن کا سپنا اس قسم کا ہے تو اس قسم کی انقلابی حکومت تو عمران خان کے برسرِ اقتدار آتے ہی قائم ہو چکی ہے جس نے 'فاسد نظام' کو بھی 'فساد' کا شکار کردیا ہے!

دوسروں پر انحصار کرنا چھوڑ دیں!

عامر سلیم خان (سابقہ آفیسر پاکستان آرمڈ فورسز)

بچپن کی بات ہے جب کسی دوست وغیرہ کو سکول یا مدرسے میں کسی دوسرے زور آور ساتھی سے مار پڑتی تھی تو وہ یہی کہتا تھا کہ میں اپنے بڑے بھائی کو بلاتا ہوں یا میں اپنے فلاں بڑے کو کہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کا رویہ پاکستانی افواج سے منسوب ایک ویب سائٹ 'ڈیفنس پی کے' پر اس وقت دیکھا جب بھارت نے نئے رفال جیٹ طیاروں کا پہلا Batch وصول کیا۔ ایک تجزیہ نگار صاحب لکھتے ہیں جو ریٹائرڈ سٹار رینک آفیسر بھی ہیں کہ 'چین اپنے طیاروں سے جس میں نئے بننے والے سٹیلتھ جیٹ(Stealth Jet) ہوں گے لداخ و باقی ماندہ بارڈر پر اور پاکستان اپنے ایف سولہ اور جے ایف سیونٹین سے اپنے بارڈر پر بھارت کی اس ٹیکنالوجی کا مقابلہ کریں گے'۔ عجیب بات یہ ہے کہ دفاعی تجزیہ نگار صاحب خود کارگل جنگ میں شریک رہے ہیں اور ۶۵ء و ۷۱ء سے تو وہ بخوبی واقف ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ چین ان سابقہ جنگوں میں کہاں تھا جو بھارت و پاکستان کے مابین لڑی گئیں؟

اسی طرح ابھی بھارت نے اپنی بحریہ کے ایسٹرن فلیٹ (مشرقی بیڑے) کو لے کر آبنائے ملاکہ میں مشقیں کیں۔ مقصد وہاں مشقوں کا یہ تھا کہ ضرورت کے وقت جب اس کو اپنے مشرق سے حملے کا خطرہ ہو تو وہ اس کا سدِباب کر سکے۔ اس پر بھی ڈیفنس پی کے پر بحث دیکھنے کو ملی۔ ادھر بھی مذکورہ فورم پر پاکستانی فوج کے چاہنے والوں (زیادہ تر ریٹائرڈ فوجی افسران) کی طرف سے یہی موقف پڑھنے کو ملا کہ بھارت کے پاکستان پر حملے کی صورت میں پاکستان نیوی مغرب سے اور چین مشرق سے بھارت پر حملہ کرے گا اور بھارت دو طاقتوں کے مابین سینڈوچ بن کر شکار ہو جائے گا۔ پھر سے اپنے دفاع کے لیے کسی اور کا آسرا؟؟؟ کیا ایسی ہی صورت حال کا ۷۱ء میں کسی نے مشاہدہ نہیں کیا جب امریکی بیڑا مدد کے لیے آنا تھا؟

آخر کار چین کیوں پاکستان کے لیے اپنے پڑوسی بھارت کے ساتھ جنگ کرے گا؟ ہم خود کیوں تیاری نہیں کرتے؟ اور کیا جنگیں صرف اسلحے کے زور پر لڑی جاتی ہیں؟

انڈین ایئر فورس میں رفال جیٹ اور اس کے ساتھ ہی نئی روسی میزائل ٹیکنالوجی کی شمولیت پر آئی ایس پی آر کیا کہتا ہے؟ پانچ آئیں یا پچاس ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ یہ اس فوج کے ترجمان صاحب کہہ رہے ہیں جس نے 93 ہزار کی تعداد کے باوجود ہندوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

ملک کے فوجی اڈے پہلے تو امریکیوں کے پاس تھے۔ اب پتہ چلا کہ آج کل چین ہمارے اڈوں کی خدمت میں مصروف ہے۔ مذکورہ بالا بحث ہی میں ایک سابقہ فوجی نے انکشاف کیا کہ سی پیک پلان میں یہ بھی شامل ہے کہ چین نے گوادر اور جیونی میں اپنے نیول سٹیشن فعال کر دیے ہیں۔ اس لیے ایک سابق فوجی کو یہ کہتے سنا کہ چین نہ صرف مشرق سے ہماری مدد کرے گا بلکہ مغرب سے بھی اس نے ہمارے دفاع کے لیے ہمارے بیسز (اڈے) لے کر تیاری کر رکھی ہے۔

ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا؟!

چین گوادر میں اپنے مفادات، اپنی سمندری تجارت کی حفاظت کے لیے آیا ہوا ہے۔ کیا پچھلے بیس سالوں میں جب امریکہ کو آپ نے اڈے دیے تھے، پاک بھارت کشیدگی کے کسی موقع پر امریکہ نے کبھی بھی یہ کہا ہے کہ بھارت کے حملے کی صورت میں ہم پاکستان کا دفاع کریں گے؟ کیا یہ تجربہ کافی نہیں؟ امریکہ تو چھوڑ ہی دیجیے۔ کیا ابھی تک چین نے کوئی ایسا ایک جملہ بھی کہا ہے کہ پاکستان پر حملے کے وقت ہم پاکستان کا دفاع کریں گے؟ پھر آپ کس خواب غفلت میں پڑ کر یہ بات کر سکتے ہیں؟ [ہاں تین سال پہلے کی برکس (BRICS) کانفرنس کو یاد کر لیں، وہاں چین کا کیا موقف تھا؟]

سابقہ ایئر فورس چیف سہیل امان نے بھی اپنا 'تجرباتی' تجزیہ پیش کیا۔ کہتے ہیں کہ رفال کے آنے سے بھارت کو الیکٹرانک وار فیئر میں پاکستان پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی، پاکستانی ایئر فورس کا اصل ان کے افراد کی اعلیٰ تربیت ہے جو بھارت دس سال میں بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ ہماری ٹریننگ بہت معیاری ہے اور اس کا اندازہ آپریشن سوفٹ ریسورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بات وہ ایئر چیف کر رہا ہے جس کے دور میں امریکی ڈرون قبائل میں روزانہ بمباری کرتے تھے اور ڈرون بھی وہ جو نہ تو سٹیلتھ ٹیکنالوجی کے حامل تھے نہ ان کے ریڈار کی رینج سے باہر تھے[1]۔ اس لیے سوال یہ ہے جب مظلوم قبائلی مسلمانوں پر امریکی ڈرون بمباریاں کر کے ان کو گھر بار سمیت تباہ کرتے تھے تو اس وقت آپ کی الیکٹرانک وار فیئر صلاحیت کہاں تھی؟ وہاں آپ کے پائلٹس کا اعلیٰ professionalism کہاں تھا؟

آپریشن سوفٹ ریسورٹ سے یاد آیا کہ ایسا ہی کچھ ۶۵ء میں ہوا تھا۔ جب پاکستان نیوی کے پاس آبدوز تھی اور انڈیا کے پاس نہیں تھی۔ پاکستان نیوی نے اس آبدوز کے بھروسے پر 'دوارکہ آپریشن' لانچ کیا جس میں قریبی بھارتی نیول ریڈار سٹیشن کو نشانہ بنایا گیا۔ کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ بمبئی پر حملہ کرتے لیکن چلو یہی سہی۔ بھارت کی بحریہ آبدوز سے ڈر کر اس کے دفاع کو نہیں نکلی۔ اس آپریشن کو بڑی کامیابی سے تعبیر کیا گیا اور بس۔ پھر بھارت نے تیاری کی، چھ سال کے

---

[1] مجھے خود ایک ایئر فورس کے آفیسر نے بتایا کہ 'پاکستان ایئر فورس' کے ریڈار پر ڈرون طیارے واضح دکھائی دیتے ہیں۔

عرصے میں اس نے اپنی بحریہ کو اس قابل بنایا کہ ۷۱ء میں انہوں نے پاکستان کے سارے سمندری راستے بند کر کے کراچی آئل ٹرمینلز کو اپنے ہوائی جہازوں سے نشانہ بنایا اور پاکستان نیوی کچھ نہ کر سکی۔

ایک اور دفاعی تجزیہ کار کا تجزیہ جو انہوں نے ڈیفنس پی کے پر لکھا، ملاحظہ ہو:

> ”بھارت نے اگر رفال خریدے ہیں تو مسئلہ نہیں۔ ہمارے حلیف ملک متحدہ عرب امارات نے بھی دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی ایف-۳۵ جہاز خریدے ہیں اور عرب امارات کے بہت پائلٹوں کو ہم یہاں ٹریننگ دیتے ہیں جس سے ہماری اور ان کی قریبی دوستی ہے۔ وقت آنے پر وہ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔“

یہ دفاعی تجزیہ کاروں کی سوچ ہے اور یہ قوم کو افیون چٹا رہے ہیں، گلی محلے کی لڑائی میں بھی ایسا نہیں ہوتا جس 'تک' سے یہ ملکوں کی لڑائی میں حکمتِ عملیاں سوچ رہے ہیں۔ خیر عرب امارات کے پائلٹس یہاں بنیادی ٹریننگ کرنے آتے ہیں وہ بھی چند افسر۔ اور پاکستان کے علاوہ بھی ان کے پائلٹس دوسرے ممالک میں ٹریننگ کرنے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ (جس طرح امریکی اور برطانوی وار کالجز میں تربیت حاصل کرنے اور ان کا نمک کھانے کے بعد ہمارے افسر فرنٹ لائن اتحادی بن جاتے ہیں) وہ بھی ان سب ملکوں کا دفاع کریں گے۔ پھر کیا عرب امارات کے وہ پائلٹس جو ان جدید جیٹ جہازوں کو اڑائیں گے ان کی ٹریننگ خود امریکی نہیں کریں گے۔ پراجیکٹ یہی ہے کہ طیارے امریکہ دے رہا ہے اس کے لیے سٹاف ٹریننگ بھی وہ ہی دیں گے۔ عرب امارات نے آپ کے ساتھ کشمیر ایشو پر کتنا ساتھ دیا اور ابھی کیا اسرائیل کو آپ کی 'ٹریننگ' کے نتیجے میں تسلیم کیا گیا ہے؟ کیا انہوں نے بھارت کو آپ کے مقابل زیادہ اہمیت نہیں دی؟ اپنے ملک کے اعلیٰ ترین سول اعزاز مودی کو نہیں دیے؟ کیا او آئی سی کانفرس کے نتیجے میں ذلت اتنی جلدی بھول گئے کہ وہاں سشما سوراج کی شرکت بھول گئے؟

دوسروں پر اکتفا کرنا چھوڑ دیں، اصل مسئلے کی طرف آئیں۔ مسلمان جنگ ایمان سے لڑتا ہے نہ کہ صرف اسلحے سے اور افواجِ پاکستان کا انحصار تو اسلحے سے زیادہ میڈم نور جہاں پر ہے۔ آپ کے ایف سولہ نے کشمیر کاز میں آپ کا کتنا ساتھ دیا؟ آپ کا ایٹم بم کیا کشمیریوں پر ہونے والا ظلم روک سکا ہے؟ کشمیر میں انڈیا کے ظلم کے خلاف آپ کے دوست چین نے آج تک کیا کیا ہے؟

اپنے دین کی طرف لوٹیں۔ اللہ کیا کہتا ہے، قرآن پر نظر ڈالیں، بدر کو دیکھیں، احد، خندق، یرموک وحطین کی طرف نظر دوڑائیں اور جواب دیں کہ جنگیں کیسے لڑی جاتی ہیں!

اللہ کی نصرت بہت قریب ہے!

کوئی دعوت قربانیوں کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہوتی، خواہ یہ دعوت زمینی ہو یا آسمانی......ربانی ہو یا انسانی...... لہو، لاشے، پھڑکتے جسم، تڑپتی روحیں، شہید، زخمی...... ہمیشہ اس معرکے کا ایندھن بنتے ہیں، عقائد کے معرکے کا......افکار کے معرکے کا۔ یہ آیت اس سلسلے میں ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو قربانیاں دینے اور پیش قدمی کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو وہ جنت کا مستحق بھی نہیں ہو سکتا۔ ام حسبتم......کا مطلب یہی ہے کہ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تم وہ تکلیفیں سہے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے، جو تم سے پہلے لوگ برداشت کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک اہم معاملے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اللہ کے محبوب بندوں سے بہتر نہیں ہو۔

اس صفحۂ زمین پر آج تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم نہیں گزرا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر فرما رہا ہے کہ ”ان کو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں، جنگیں لڑنا پڑیں، فقر و فاقہ سہنا پڑا اور وہ ہلا مارے گئے“۔ اور دیکھیے، بشر انسانی کی طرف دیکھیے اس کے دل کی طرف دیکھیے۔ جب یہ ہلتا ہے تو اس پر شدید قسم کا زلزلہ طاری ہو جاتا ہے۔ گویا زمین پر کوئی طوفان آگیا ہو اور اس کے لیے اس کی زد سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اس طوفان نے زمین کے سب سے زیادہ صابر انسان صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سے التجا کرتے ہوئے گڑگڑا کر یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ اے ہمارے رب! آپ کی مدد و نصرت کب آئے گی؟

اگر دنیا کا سب سے بڑا صابر، سب سے نیک، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، زمین پر اللہ کی امانت کا سب سے بڑا محافظ، جو آسمان کے امین سے صبح و شام ملتا ہو، جس کو قرآن رات دن سہارا دیے رکھتا ہو، جس کے قدم جمائے رکھتا ہو......وہ بھی گڑگڑا کر ......اللہ کی سکھائی ہوئی دعاؤں سے چپکے چپکے پکارتا ہو......اے رب! فتح و نصرت کہاں ہے؟ قرآن کی آیت پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں کہتی ہے ”حتیٰ کہ جب رسول بھی مایوس ہونے لگے اور سوچنے لگے کہ اب وہ جھٹلا دیے جائیں گے......تب اچانک ہماری مدد آپہنچی“۔

(مجددِ جہاد فضیلۃ الشیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ)

لوازمِ جہاد

ملا محمد مقبول بانڈی پوری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس کسی کام کا بھی امر کیا ساتھ میں اس کے اصول بھی بتائے کہ کس طرح یہ فعل آپ نے کرنا ہے۔ جیسا کہ نماز کا حکم فرما کر یہ بھی بتایا کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے اور کیوں پڑھنی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا امر کر کے بتایا کہ زکوٰۃ کہاں خرچ کرنی ہے اور کیوں کرنی ہے، اور اس کے مستحقین کون ہیں؟

جس طرح ان افعال کے لیے قرآنی ہدایات موجود ہیں، بالکل اسی طرح جنگ و جہاد میں کامیابی کے لیے قرآنی ہدایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہدایات کو سورۂ انفال کی آیات ۴۵، ۴۶ اور ۴۷ میں بیان فرمایا۔ پینتالیسویں اور چھیالیسویں آیت میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدان جنگ اور مقابلۂ دشمن کے لیے ایک خاص ہدایت نامہ دیا ہے، جو ان کے لیے دنیا میں کامیابی اور فتح مندی کا اور آخرت کی نجات و فلاح کا نسخۂ اکسیر ہے اور قرون اولیٰ کی تمام جنگوں میں مسلمانوں کی فوق العادت کامیابیوں اور فتوحات کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اور وہ چند اصول یہ ہیں:

اول، ثبات: یعنی ثابت قدم رہنا اور جمنا

اس میں ثباتِ قلب اور ثباتِ قدم دونوں داخل ہیں، کیونکہ جب تک کسی شخص کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو اس کے قدم اور اعضا ثابت نہیں رہ سکتے اور یہ چیز ایسی ہے جس کو ہر مومن و کافر جانتا اور سمجھتا ہے اور دنیا کی ہر قوم اپنی جنگوں میں اس کا اہتمام کرتی ہے کیونکہ اہل تجربہ سے مخفی نہیں کہ میدان جنگ کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب ہتھیار ثبات قلب و قدم ہی ہیں۔ دوسرے سارے ہتھیار اس کے بغیر بیکار ہیں۔

دوسرا، ذکر اللہ

ذکر اللہ کی کئی قسمیں ہیں۔ ذکر اللہ (اللہ کا ذکر) دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ افضل یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے اللہ کا ذکر ہو اور اگر ان میں سے کسی ایک سے ہو تو پھر دل کا ذکر افضل ہے۔

اب ذکر بالقلب (دل سے اللہ کا ذکر) کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو یہ ہے اللہ کی عظمت میں، جبروت و ملکوت میں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں جو زمین و آسمان میں ہیں، غور و فکر اور استغراق۔ اس قسم کے ذکر کو ذکر خفی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں منقول ہے کہ وہ ذکر خفی ستر درجہ افضل ہے جسے حفظہ (یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے) بھی نہیں سنتے۔ چناچہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو حساب کتاب کے لیے جمع کرے گا تو حفظہ وہ تمام ریکارڈلے کر حاضر ہوں گے جنہیں انہوں نے اپنی نوشت اور یادداشت میں محفوظ کر رکھا ہو گا۔ وہ تمام ریکارڈ دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندوں کے اعمال میں اور کیا چیز باقی رہ گئی ہے (جو تمہارے اس ریکارڈ میں نہیں ہے)۔ وہ عرض کریں گے۔ پروردگار! بندوں کے اعمال کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہمیں معلوم ہوا اور جو کچھ بھی ہم نے یاد رکھا ہم نے اسے اس ریکارڈ میں جمع کر دیا ہے، اس ریکارڈ میں ہم نے ایسی کوئی چیز محفوظ کرنے سے نہیں چھوڑی جس کی ہمیں خبر ہوئی ہو۔ تب اللہ تعالیٰ بندہ کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ میرے پاس تیری ایسی نیکی محفوظ ہے جسے کوئی نہیں جانتا اور وہ ذکر خفی ہے میں تجھے اس نیکی کا اجر عطا کروں گا۔

ذکر بالقلب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو احکام دیے ہیں خواہ ان کا تعلق امر کرنے سے ہو یا نہی سے، ان کی ادائیگی کا وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔ ذکر بالقلب کی ان دونوں قسموں میں سے پہلی قسم افضل و اعلیٰ ہے۔

ذکر اللہ وہ مخصوص اور معنوی ہتھیار ہے جس سے مومن کے سوا عام دنیا غافل ہے۔ پوری دنیا جنگ کے لیے بہترین اسلحہ اور نئے سے نیا سامان مہیا کرنے اور فوج کے ثابت قدم رکھنے کی تو پوری تدبیریں کرتی ہے مگر مسلمانوں کے اس روحانی اور معنوی ہتھیار سے بے خبر اور ناآشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر میدان میں جہاں مسلمانوں کا مقابلہ ان ہدایات کے مطابق کسی قوم سے ہوا مخالف کی پوری طاقت اور اسلحہ اور سامان کو بیکار کر دیا۔

ہمارے سامنے کئی مثالیں موجود ہیں، حال ہی میں خراسان میں نہتے مجاہدین کی فتح اور اسلحہ سے لیس کفار کی ذلت اس کی زندہ مثال ہے۔ آج تاریخ نے پھر ثابت کر دیا کہ ذکر اللہ اور اللہ پر توکل (جو کہ ایک حقیقی مومن و مجاہد کی صفت ہے، اور ایک حقیقی مجاہد سے مطلوب ہے) ایک ایسی طاقت ہے جو کفر کے قلعوں کی تباہی ہے۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

> وعن علي قال كانت بيد رسول الله صلى الله عليه و سلم قوس عربية فرأى رجلا بيده قوس فارسية قال : ما هذه ؟ ألقها وعليكم بهذه وأشباهها ورماح القنا فإنها يؤيد الله لكم بها في الدين ويمكن لكم في البلاد. رواه ابن ماجه
>
> حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (کسی میدان میں یا ویسے ہی کسی موقع پر) رسول کریم ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، جب آپ ﷺ نے ایک شخص (صحابی) کے ہاتھ میں فارسی (ایرانی) کمان دیکھی تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو، تمہیں ایسی (یعنی عربی) کمان رکھنی چاہیے۔ اور اسی طرح (یعنی اس وضع کی) رکھنی چاہئے۔ نیز تمہیں کامل نیزے رکھنے چاہئیں، یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین (کو سر بلند رکھنے) میں تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے) شہروں میں تمہیں جمادے گا۔

گویا ان صحابی نے جب یہ دیکھا ہو گا کہ فارسی (ایرانی) کمان زیادہ مضبوط اور زیادہ سخت ہوتی ہے تو انہوں نے اس کمان کو عربی کمان پر ترجیح دی۔ پھر انہوں نے یہ گمان کیا ہو گا کہ ایسی کمان جنگ میں بہت کار آمد ہوتی ہے اور دشمنوں کے شہروں کو فتح کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان پر واضح کیا کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ آلاتِ حرب خواہ کسی قسم کے ہوں اور دیکھنے میں کتنے ہی مضبوط و عمدہ ہوں، حقیقت میں میدان جنگ کی کامیابی کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی سربلندی کی جدوجہد میں مدد و نصرت دے کر کامیاب و کامران کرتا ہے۔ حقیقی مدد و نصرت اسی کی طرف سے اور اسی کی قوت و قدرت کے ساتھ ہوتی ہے۔ نہ تمہاری قوت و طاقت سے دین کی سربلندی میں نصرت حاصل ہوتی ہے اور نہ محض تمہارے ساز و سامان اور آلات حرب کی مضبوطی و عمدگی سے دشمنوں کے مقابلے پر مدد ملتی ہے۔

اے میرے مجاہدین بھائیو! یہ ہمیں کس چیز نے یہاں پر لا کھڑا کر دیا کہ پاکستان اور پاکستانی ایجنسیوں کے بغیر یہ جہاد نہیں چل سکتا۔ یقین جانیے یہ ہمارے ایمان اور ہمارے کام کے منافی ہے۔

اسی طرح امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے کمان دار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا کہ:

> میں تمہیں اور تمہاری تمام فوجیوں کو ہر حالت میں تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ تقویٰ دشمن کے خلاف بہترین ہتھیار اور جنگ کے لیے مضبوط ترین چال ہے۔ ہماری تعداد اور ہتھیار دشمن کی تعداد اور ان کے ہتھیاروں سے ہمیشہ کم رہی ہے، لہٰذا اگر ہم گناہ کر کے ان جیسے بن جائیں تو دشمن اپنی تعداد اور ہتھیاروں کی وجہ سے ہم پر برتری حاصل کر لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم ان پر اطاعت گزاری کی وجہ سے غالب نہ آئیں تو ہم اپنے اسلحے کی بنا پر کبھی غالب نہیں آسکتے۔

یہاں ہمیں اس بات پر زیادہ دھیان دینے کی تلقین کی گئی کہ ہم اپنے تعلق کو خالق کائنات سے زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں۔ رب سے تعلق مضبوط نہ ہونے کی صورت میں ہم پر دشمن غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

ہتھیار کا انکار نہیں ہے۔ لیکن ہتھیار سے پہلے رب سے اپنا تعلق مضبوط کرنا ضروری اور لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کا راستہ ہی ذکر اللہ ہے۔ جتنا ہم اپنے خالق و مالک کو یاد کریں گے، اتنا اپنے خالق سے تعلق مضبوط ہو جائے گا اور جب تعلق مضبوط ہو جائے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائے گا، اور جس کسی نے بھی قرآنی ہدایت نامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے جہاد کو جاری نہیں رکھا، اس نے مات کھائی۔ اس کی بھی کئی زندہ مثالیں ہیں۔ ذکر اللہ کی اپنی ذاتی اور معنوی برکات تو اپنی جگہ ہیں ہی، یہ بھی حقیقت ہے کہ ثبات قدم کا اس سے بہتر کوئی نسخہ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد وہ بجلی کی طاقت ہے جو ایک انسان ضعیف کو پہاڑوں سے ٹکرا جانے پر آمادہ کر دیتی ہے، اور اس کے عزائم کو بلند و بالا کرتی ہے، اور کیسی ہی مصیبت اور پریشانی ہو اللہ کی یاد سب کو ہوا میں اڑا دیتی ہے، اور دلوں کو سکون عطا فرماتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ الرعد کے اندر فرماتا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

”سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔“

اور اللہ کا ذکر ہی انسان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتا ہے۔

میرے معزز مجاہدین بھائیو! یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ جنگ و قتال کا وقت عادۃً ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا، اپنی فکر پڑی ہوتی ہے۔ اس لیے زمانۂ جاہلیت میں عرب کے شعرا میدان جنگ میں بھی اپنے محبوب کو یاد کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں کہ وہ بڑی قوت قلب اور محبت کی پختگی کی دلیل ہے۔ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے:

ذكرتك والخطى يخطر بيننا

یعنی اے محبوب! میں نے تجھے اس وقت بھی یاد کیا جب کہ نیزے ہمارے درمیان چل رہے تھے!

قرآن کریم نے اس پر خطر موقع میں مسلمانوں کو ذکر اللہ کی تلقین فرمائی ہے اور وہ بھی کثیرا کی تاکید کے ساتھ۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ پورے قرآن میں ذکر اللہ کے سوا کسی عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں۔ صلوۃ کثیرا یا صیاما کثیرا کہیں مذکورہ نہیں۔ سبب یہ ہے کہ ذکر اللہ ایک ایسی آسان عبادت ہے کہ اس میں نہ کوئی بڑا وقت خرچ ہوتا ہے، نہ محنت، نہ کسی دوسرے کام میں اس سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ذکر اللہ کے لیے کوئی شرط اور پابندی، وضو، طہارت، لباس اور قبلہ وغیرہ کی بھی نہیں لگائی۔ ہر شخص، ہر حال میں باوضو، بے وضو، کھڑے، بیٹھے، لیٹے، کر سکتا ہے۔

اور اس پر اگر امام جزری کی اس تحقیق کا اضافہ کر لیا جائے جو انہوں نے حصن حصین میں لکھی ہے کہ ذکر اللہ صرف زبان یا دل سے ذکر کرنے ہی کو نہیں کہتے، بلکہ ہر جائز کام جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے وہ بھی ذکر اللہ ہے۔ تو اس تحقیق پر ذکر اللہ کا مفہوم اس قدر عام اور آسان ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان سوتے ہوئے بھی سنتوں کی اتباع کر رہا ہو تو اس کی نیند کو بھی ذکر کہا جا سکے گا۔ جیسے بعض روایات میں ہے کہ نوم العالِم عبادۃ یعنی عالم کی نیند بھی عبادت میں داخل ہے۔ کیونکہ عالم جو اپنے علم کے مقتضی پر عمل کرتا ہو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کا سونا اور جاگنا سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے دائرہ میں ہو۔

میدانِ جنگ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اگرچہ بظاہر مجاہدین کے لیے ایک کام کا اضافہ نظر آتا ہے، جو عادتاً مشقت و محنت کو چاہتا ہے۔ لیکن ذکر اللہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ محنت

نہیں لیتا بلکہ ایک فرحت و قوت اور لذت بخشتا ہے۔ اور ذکر اللہ انسان کے کام میں معین و مددگار بنتا ہے۔ یوں بھی محنت و مشقت کے کام کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی کلمہ یا گیت گنگنایا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس کا نعم البدل دے دیا جو ہزاروں فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے اسی لیے آخر آیت میں فرمایا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ......یعنی اگر تم نے ثبات اور ذکر اللہ کے دو گُر یاد کر لیے اور ان کو میدان جنگ میں استعمال کیا تو فلاح و کامیابی تمہاری ہو گی۔

حالتِ جنگ میں بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہنا ہمیں صحابۂ کرام نے سکھایا ہے کیونکہ ہماری اصل طاقت کا انحصار اللہ کی مدد پر ہے۔ لہٰذا اے میرے مجاہدین بھائیو! اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ، کیونکہ ایک بندۂ مؤمن کا صبر اللہ کے بھروسے پر ہی ہوتا ہے۔ اگر ہمارے دل اللہ کی یاد سے منور ہوں گے، اس کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق استوار ہو گا، تو ہمیں ثابت قدم رہنے کے لیے سہارا ملے گا۔ اور اگر اللہ کے ساتھ ہمارا یہ تعلق کمزور پڑ گیا تو پھر ہماری ہمت بھی جواب دے دے گی۔

ایک غزوے میں رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سورج ڈھلنے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا "لوگو! دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو، لیکن جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال رکھو اور یقین مانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے سچی کتاب کے نازل فرمانے والے، اے بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے اللہ ان کافروں کو شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ دشمن کے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ، گو یا وہ چیخیں چلائیں لیکن تم خاموش رہا کرو۔

امام طبری نے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"تین وقت ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے: تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازے کے وقت۔"

ایک اور حدیث میں ہے کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت میرا ذکر کرتا رہے یعنی اس حال میں بھی میرے ذکر کو، مجھ سے دعا کرنے اور فریاد کرنے کو ترک نہ کرے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: 'لڑائی کے دوران یعنی جب تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے'۔ حضرت عطار حمہ اللہ کا قول ہے کہ 'چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے'۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

پس اے میرے مجاہدین بھائیو! اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور ذکر اللہ کو زیادہ سے زیادہ کرنے کا حکم دیا کہ ناامید، بزدل اور ڈرپوک نہ بنو۔ اللہ کو یاد کرو، اسے نہ بھولو۔ اس سے فریاد کرو اس سے دعائیں کرو اسی پر بھروسہ رکھو اس سے مدد طلب کرو۔ یہی کامیابی کے گر ہیں۔ صحابۂ کرام ان احکام میں ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال اگلوں میں بھی نہیں، پیچھے والوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ یہی ذکر اللہ، یہی ثابت قدمی و استقلال تھا جس کے باعث مددِ ربانی شامل حال رہی اور بہت ہی کم مدت میں باوجود تعداد اور اسباب کی کمی کے مشرق و مغرب کو فتح کر لیا۔ نہ صرف لوگوں کے ملکوں کے ہی مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کر کے اللہ کی طرف لگا دیا۔ دنیا کے گوروں، کالوں کو مغلوب کر لیا، اللہ کے کلمہ کو بلند کیا، دین حق کو پھیلایا اور اسلامی حکومت کو دنیا کے کونے کونے میں جما دیا۔

کشمیر کے میرے غیور مجاہدین بھائیو! خیال تو کرو کہ صحابہؓ نے تیس سال میں دنیا کا نقشہ بدل دیا، تاریخ کا ورق پلٹ دیا۔ کیا وجہ تھی جس کے ذریعے انہوں نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا؟ یقین جانیے یہ ذکر اللہ یعنی اللہ پر توکل اور غیر اللہ کا انکار اور ثابت قدمی کا ہی نتیجہ ہے۔ جس کے ذریعے صحابہ کرام فتح یاب ہوئے اور ہمارے لیے ایک تاریخ رقم کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی انہی کی جماعت میں حشر کرے، وہ کریم و وہاب ہے۔ اور ان صحابہ کی جماعت کے ساتھ ہمارا حشر تب ہی ممکن ہے جب مجاہدین ان کی سیرت کو دیکھ کر چلیں گے۔

اللہ پاک مجاہدینِ کشمیر و برِّ صغیر کو صبر و ثبات عطا فرمائیں اور حقیقی معنوں میں توکل اور ذکر اللہ کی توفیق دیں، ہر غیر اللہ کے انکار کا ایمان و عزم عطا فرمائیں اور کشمیر و برِّ صغیر سمیت ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا فرمائیں، آمین!

بقیہ: سحر ہونے کو ہے (ناول)

وہ عمارت کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ علی لاؤنج ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر ابو بکر کی جانب دیکھا اور پھر اپنی کتابوں میں مگن ہو گیا۔

"چلیں ٹھیک ہے اماں! اگلے ماہ آنے کی کوشش کروں گا ان شاءاللہ......لَو یُو اماں!" مسکرا کر کہتے اس نے کال کاٹ دی۔

"السلام علیکم!" علی نے کتابوں سے سر نکال کر کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!"

"کہاں جا رہے ہو اگلے ماہ؟" علی کتابیں رکھ کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

"نور کی منگنی پر!......تم بھی انوائٹڈ (مدعو) ہو"۔

"اچھا! ماشاءاللہ!......چلو اس بہانے پاکستان کا چکر لگ جائے گا۔ کتنے دن کے لیے جاؤ گے؟"

ابو بکر بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا اور کتاب اٹھالی۔

"بس ایک ہفتے کے لیے"۔ علی قریب پڑے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اسائنمنٹ کہاں تک پہنچی؟"

"پتا نہیں اس لیپ ٹاپ کو کیا مسئلہ ہو گیا ہے...... یہ آٹو کیڈ فائلیں ہی نہیں اٹھا رہا...... حالانکہ ساری اسائنمنٹ مکمل ہو گئی ہے"، علی نے جھلّا کر لیپ ٹاپ پرے دھکیلا۔ ابو بکر نے ہنستے ہوئے لیپ ٹاپ اپنی طرف کھینچا اور اس پر جھک گیا۔

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

محمد راشد دہلوی

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

دینِ اسلام پر فخر ہی امت مسلمہ کی آدھی سے زیادہ بیماریوں کا علاج ہے۔ گھگیاتے، شرماتے اپنے دین پر عمل کرنا، مردِ مومن کی شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں کروڑوں بتوں، دیوی دیوتاؤں کی پرستش سے بچا کر اپنا پاک صاف دین عطا فرمایا اور ہمیں وہ عقیدہ سکھلایا جو بتوں اور جھوٹے خداؤں کا انکار کرتا ہے۔

مگر کیا محض ایک نسل کا مضبوط عقیدہ اور پختہ نظریہ ہماری آئندہ آنے والی مسلمان نسلوں اور کے صحیح العقیدہ مسلمان رہنے کی ضمانت بھی ہے؟ اور کیا ہمارے لیے جیتے جی اس بات کا اطمینان و یقین کرلینا بھی ضروری ہے کہ ہماری نسلوں کے دلوں تک میں اسلام اور مسلمانوں کی محبت اور درست اسلامی عقیدہ راسخ ہو؟

ہندوستان ہندو اکثریت رکھنے والا ملک ہے، جہاں کروڑوں بتوں کو پوجنے والے زندگی کے ہر شعبے میں سر گرم ہیں۔ یہ بتوں اور مورتیوں کے رکھوالے ہیں، یہاں تک کہ یہ ملک بھی ان کے نزدیک ایک بت ہے (بھارت ماتا)! ایسی صورت میں کیا ہندوستان میں بسنے والا ایک مسلمان یہ توقع کر سکتا ہے کہ ہندو اسے اور اس کی اولاد کو اس کے خالص دین پر قائم رہنے دے گا اور اس سلسلے میں اس کا معاون ہوگا؟

انگریزوں کی آمد سے پہلے برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ یہاں شریعت نافذ تھی، عدالتیں شریعت کے مطابق فیصلے کرتی تھیں، مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، ثقافت و زبان محفوظ تھی اور ساتھ ہی ساتھ اقلیتوں کے حقوق کا بھی انتہائی خیال رکھا جاتا تھا اور ان کی جان و مال و عزت کی حفاظت کی جاتی تھی۔ انگریز کے آنے کے بعد جب اس سنہری دور کا خاتمہ ہوا تو مسلمان ذہنیت پر بھی زوال کے اثرات آنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے پاؤں بھی برِ صغیر سے اکھڑنے لگے اور وہ اقتدار اپنے وفاداروں کے سپرد کر کے اپنے گھونسلوں میں لوٹ گئے۔ پھر ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کی تہذیب و ثقافت نے زور مارنا شروع کر دیا، تعلیمی نصاب بدل گئے۔ لا الہ الّا اللہ کہنے والے اب نصابی کتابوں میں سانپ، چوہوں اور بندروں کو 'خدا' کی شکل میں دیکھنے لگے۔ گھروں اور مدرسوں میں مجاہدین کی بہادری کے قصے پڑھنے، سننے والے مسلمان بچے، اب ہنومان، بھیم، شری رام اور کالی داس کی کتھاؤں سے واقف ہونے لگے، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کو ہیرو جاننے والوں کے لیے اب ڈراموں، فلموں اور ناٹکوں میں ہندو ڈاکو ہیرو بن گئے اور ہم بے خبر رہے۔ مسلمانوں کے اپنے گھروں میں اپنے اسلاف، اپنے اکابرین، اپنے مجاہدین کا نام تک لینے میں شرم محسوس کی جانے لگی اور مسلمان کو چاہے نہ چاہے شریعت کی غلامی سے زیادہ بنیے کی غلامی مزہ دینے لگی۔ اسلام کی ترویج و ترقی سے ہندو وطن کی ترقی زیادہ عزیز ہوگئی۔ اردو اور عربی لکھنا، پڑھنا معیوب اور ہندی و انگریزی بولنا زیادہ باعثِ فخر ہوگیا۔

یہ مادیت پرستی کا دور ہے۔ کسی دور میں دین دار کہلائے جانے والوں نے بھی دین داری کو ثانوی چیز سمجھ کر پس پشت ڈال دیا ہے اور دنیا کی زندگی و ظاہری ترقی کو اپنے جینے کا اصل مقصد بنالیا ہے۔ اسکول و کالج ہماری نظروں میں وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جو شاید کسی اور ادارے نے حاصل نہ کیا ہوگا۔ ہمارے دلوں میں ان کی ضرورت اور اہمیت اس طرح راسخ ہو چکی ہے کہ ہم اچھے سے اچھے اسکول میں اپنے بچوں کو داخل کروانا بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور ہم اس فکر سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان اسکولوں و کالجوں میں ہمارے بچوں کو کیا پڑھایا جارہا ہے؟ ان کے کچے ذہنوں میں کیا عقیدہ بٹھایا جارہا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ ہمارا بیٹا ڈاکٹر، انجنیئر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ تو کہلائے لیکن جب اس سے اسلام کے متعلق پوچھا جائے تو وہ کہے کہ یہ تو ۱۴۰۰ سال پہلے کی فرسودہ باتیں ہیں!

ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ کروڑوں خداؤں کی پوجا کرنے والی قوم یا پھر سیکولرازم کا عَلم بلند کرنے والے کیسے ایک خدا کی بندگی کو برداشت کر سکتے ہیں؟ اور کس طرح وہ سکولوں اور کالجوں میں اللہ رب العزت کی وحدانیت کی تعلیم دیے جانا گوارا کر سکتے ہیں؟ ہندوؤں کی تہذیب تو وہ ہے کہ جو ان کے مندروں میں ننگی مورتیوں سے جھلکتی ہے، جو ان کی تاریخ کی کتابوں کا حصہ ہے! ان کتابوں میں کبھی دیوتا کے لنگ (شرمگاہ) کے حوالے سے وستار (تفصیل) بتائی جاتی ہے تو کبھی باپ (دیوتا) بیٹی (دیوی) کے ناجائز تعلقات کے بارے میں چرچا کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں دیوالی، ہولی، رکشا بندھن وغیرہ کا احترام دلوں میں کہانیوں کے ذریعے بٹھایا جاتا ہے، جبکہ سب جانتے ہیں کہ دیوالی کی رات گھر گھر جوئے کی منڈی سجتی ہے اور ہولی میں تو بھنگ پی کر طوفانِ بدتمیزی بپا کیا جاتا ہے۔ کروڑوں خدا جو یا تو جانور ہیں یا آدھے جانور اور آدھے انسان، یا ایسے انسان جن کی کرتوتوں سے شرم ہی آجائے۔ ایسے خداؤں کا تذکرہ اور ان کے متعلق کہانیاں جب معصوم بچوں کے کانوں میں گونجیں گی تو بچے کی تربیت پر کیا اثر پڑے گا؟ بچوں کا ذہن کچا ہوتا ہے، ہر اس عقیدے اور بات کو وہ بہت جلدی اپنے ننھے سے ذہن میں بٹھالیتا ہے جو اسے بچپن میں سکھائی جاتی ہے؛ اس صورتِ حال میں آپ تصور کریں کہ آپ کے بچے جب ان ننگی مورتیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو بتوں کے احترام اور فحاشی اور عریانی کے سوا کیا سیکھیں گے؟ وہ ان تہواروں سے متاثر ہوں گے تو ان کی نگاہ میں اللہ کے دیے پاکیزہ تہواروں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی کیا اہمیت باقی رہ جائے گی؟ پھر جب ان مسلمان بچوں کے لیے ان کے گھروں یا کسی دینی ادارے

میں دینی تعلیم اور دین کی درست تعلیمات سے روشناس کروانے کا بھی کوئی انتظام نہ کیا گیا ہو تو کیا یہ اپنی نسلوں کے ساتھ انصاف ہے؟ کیا ہمیں صرف دنیا ہی میں ان کے لیے بہتر مستقبل درکار ہے، ان کی آخرت کی فکر ہمارے ذمے نہیں ہے کیا؟ آپ کا بچہ تو نادان ہے لیکن آپ تو سمجھ دار ہیں۔ اپنے بچوں کی صرف دنیاوی ذمہ داری تو آپ پر نہیں، ان کی آخرت کی فکر کرنا بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے!!! اسکولوں میں وطن کی محبت، اس کا احترام ایسے ذہنوں میں ڈالا جاتا ہے کہ مانو نعوذباللہ یہی ملک دارالاسلام ہے اور اسی کی حفاظت ہمارے ایمان کی حفاظت ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہندوستان اسلامی ملک، نہ ہی اس کا قانون شریعت کے مطابق، نہ یہاں کے ادارے، حکمران، تعلیمی نظام اسلامی تو پھر کفر اور دارِ کفر کا اس قدر احترام کیوں؟ وطن کے لئے جان دینا جہالت ہے اور پھر اس جہالت کا مرتکب بھی ہو ہندواور اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اس کے نام کے آگے لکھا جائے شہید اور اس کے احترام میں ہاتھ باندھ کر خاموش دومنٹ کے لئے کھڑا ہوا جائے......!!! آخر ہم اپنے بچوں کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ انہیں کیا سکھانا چاہتے ہیں!!! یہ کہنا کہ ہم اس ملک میں رہتے ہیں اور اس ملک کا ہم پر حق ہے، ہمیں اس سے محبت اس کے ساتھ وفاداری ہمیں کرنی چاہیے......تو میرے عزیزو! یہ ملک تو کیا، سارے ممالک ہی میرے رب کے ہیں۔ اس دھرتی کا حق تو اس وقت ادا ہو گا جب اس پر اللہ کا عطا کردہ نظام نافذ کیا جائے گا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں اپنی نسلوں کے ایمان کے تحفظ کے سلسلے میں کیا مثال دیتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے سامنے اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ اسلام کا اسوہ بیان فرماتے ہیں:

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ○ (سورۃ البقرۃ:۱۳۳)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے ایک بیان میں اسی آیت کے تحت بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"......مسلمانوں میں بھی بہت سی پشتیں اور خاندان ہیں جن پر مسلم معاشرہ فخر کرتا ہے اور لوگ ان کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔ لیکن اصل نسبت صحیح عقیدہ، اللہ سے صحیح رشتہ غلامی وعبودیت ہے اور اس کا صحیح طریقہ تعلیم ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جس کا یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے سب فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کرکے دریافت فرمایا کہ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ یہ بات انھوں نے کس سے کہی تھی ان سے کہی تھی، جو نبی زادے تھے، نبی کے پوتے تھے،......پیغمبروں کے اس خاندان کا سرپرست اپنے بچوں کو جمع کرتا ہے، بیٹوں، پوتوں کو جمع کرتا ہے، پیارے بیٹو، پوتو، نواسو! اب میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں، لیکن میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے کہ جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ تم خدائے واحد ہی کی عبادت کروگے؟ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے۔

اللہ اکبر! یہ وہ وقت ہے کہ آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے...... لیکن اللہ کے اس مومن بندے کو فکر صرف یہ ہے کہ کیا میری اولاد اس دولت کو اپنی سینے سے لگائے رکھے گی جس پر خدا کی ہر مدد، خدا کی ہر رحمت خدا کے ہر بہتر فیصلے اور خدا کی نصرت، فردوامت کی نجات اور انسانیت کے مستقبل کا دارومدار ہے؟ بس تم یہ بتادو کہ میری آنکھ بند ہونے کے بعد بندگی کس کی کروگے؟

یہ ہے مسلمانوں کے ذہنوں کو ڈھالنے والا سانچہ، ایمان کی قیمت پہچاننے کا امتحان و معیار، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر کرکے اس کو قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا کہ ہر نسل کا مسلمان بلکہ ہر نسل کا انسان پڑھے اور اس سے سبق لے،... یہاں پر ہمیں بتایا کہ اس طرح مسلمان کے ذہن کو کام کرنا چاہیے۔

یہ سب سے بڑا اطمینان ہے، اس کے بغیر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، جب تک وہ کسی نہ کسی درجہ میں یہ اطمینان نہ کرلے کہ میری نسل اسلام کے صحیح راستہ پر رہے گی، صحیح عقیدہ پر قائم رہے گی، خواہ اس کو اس کے لئے کتنی قربانیاں دینی پڑیں۔"[1]

اے میرے ساتھیو!

آپ بے حد چوکنا رہیے! اگر آپ اپنے لختِ جگر کو ڈاکٹر، انجنیئر، تاجر بنانا چاہتے ہیں یا پھر مروجہ اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے ہیں تو آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کی آخرت کی فکر کیجیے! یوں اس کی دنیا خود بخود سدھر جائے گی۔ اپنے اور اپنے بچوں کے عقیدے کو درست کیجیے اور ان کے ذہن پر اثرانداز ہونے والے حادثات، واقعات سے اپنے بچے کو بچایئے، اپنے زیر اثر لوگوں کو زندگی کو مقصد، رب کی عبادت سکھایئے، اس کے دل ودماغ سے یہ نکال دیجیے کہ اس کی زندگی کا مقصد ملک کی خدمت ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 42 پر)

[1] "آئندہ نسلوں اور پسماندگان کے صحیح العقیدہ مسلمان رہنے کی ضمانت اور جیتے جی اس کا اطمینان ویقین ضروری ہے" از مولانا ابوالحسن ندویؒ

پاکیزہ لہو

محترمہ امیمہ حسن احمد صاحبہ[1]

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روحانی اولاد پر بیتنے والے حالات کی کہانی، جو آپ کو آج سے چودہ صدیاں پیش تر لے جائے گی اور سچ یہ ہے کہ یہ کہانیاں عالمِ اسلام میں تاریخ کے ہر ورق پر، ہر دن ملیں گی، بس لکھنے اور پڑھنے والے چاہییں!

سنہ ۱۹۹۶ء، جب مجاہدین پر ساری دنیا تنگ ہو چکی تھی، ہر در سے اللہ کے یہ سپاہی ٹھکرائے جا رہے تھے، ایسے میں ایک زمین کو اللہ نے مجاہدین کے لیے کھول دیا۔ افغانستان میں امارت اسلامیہ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی زیرِ قیادت قائم ہوئی۔ امت کے بہت سے جوانوں نے جوق در جوق اس مبارک سرزمین اور اس کی مجاہد قوم کی طرف ہجرت کی۔ ایک ایسی قوم کہ جس کے رگ و خون میں جہاد دوڑتا ہے۔ اس قوم نے مجاہدین کو دل و جان سے مرحبا کہا، ان کا بہترین اکرام کیا اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ ہم نے جو زمانہ، امارت اسلامیہ کے سائے تلے افغانستان میں گزارا، وہ یقیناً ہماری زندگی کا بہترین دور تھا۔

لیکن امریکہ اور اس کے حواریوں کو عرب اور افغان مجاہدین کی ایسی اجتماعیت کب قبول تھی؟ اس سے پہلے بھی جب یہ جمع ہوئے تھے تو اللہ کی مدد و نصرت سے انہوں نے روس کو ذلیل و خوار کر کے افغانستان سے مار بھگایا تھا۔ اب کی بار امارت اسلامیہ کے سائے تلے، مکمل آزادی کے ساتھ، یہ خود کو اور اپنی نسلوں کو یہود و نصاریٰ اور ان کی کٹھ پتلی حکومتوں کے خلاف جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ جی ہاں! یہ اسی امریکہ کے خلاف تیار ہو رہے تھے جس نے بلادِ اسلامیہ کو ظلم و فساد سے بھر دیا، ان کے وسائل لوٹے، ان کے لوگوں کو بے عزت کیا۔ پس امریکہ کو اس وقت تک چین نصیب نہ ہوا جب تک اس نے امارتِ اسلامیہ راشدہ کو ڈھا نہ دیا۔

پس انہوں نے امارت اسلامیہ پر حملہ کرنے کی خاطر منصوبہ بندی شروع کر دی اور گیارہ ستمبر کے واقعات کو دلیل بنا کر امارت اسلامیہ پر صلیبی یلغار کر دی۔ (انہوں نے اس بات کی تشہیر اس حد تک کی) کہ ساری دنیا چیخ اٹھی کہ ''امریکہ کا حق ہے کہ وہ گیارہ ستمبر کا بدلہ لے''۔ اور لوگ یہ بات بھول گئے یا انہیں بھلا دی گئی کہ گیارہ ستمبر کے حملوں کا اصل سبب امریکہ کا مسلمانوں پر ظلم و ستم، ہمارے مظلوم فلسطینی بھائیوں پر صبح و شام ظلم کرنے والے اسرائیل کی پشت پناہی اور بلادِ اسلامیہ پر اپنے کٹھ پتلی حکمران مسلط کرنا تھا۔ غرض گیارہ ستمبر کی اصل وجہ امریکہ کا مسلمان ملکوں پر قبضہ اور ان کے عوام کو پیسنے کا شوق تھا۔

جب افغانستان پر ظالمانہ حملہ شروع ہوا تو میں اپنے پہلے شوہر ''طارق انور سیّد رحمہ اللہ'' کے ساتھ کابل میں رہائش پذیر تھی۔ میرے شوہر، مجھے اور میرے شوہر کی دوسری اہلیہ ''سیّدہ احمد حلاوہ'' کو علی الصباح ہی کابل سے نکلنا پڑا۔ سیّدہ حلاوہ کے ساتھ ان کے پانچ بچے بھی تھے۔

آپ اس سے پہلے ''شہید احمد نجار رحمہ اللہ'' کی اہلیہ رہ چکی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کی شادی (میرے پہلے شوہر) طارق انور رحمہ اللہ سے ہوئی۔ دوسری شادی کے آٹھ مہینے بعد طارق انور بھی شہید ہو گئے۔

اس سفر میں ہمارے ساتھ ''نصر فہمی نصر'' اور ان کی اہلیہ ''ام آیات سعدیہ بیومی'' بھی اپنے بچوں کے ساتھ شامل تھیں۔ اللہ اس شہید خاندان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ام آیات سعدیہ رحمہا اللہ اس سے پہلے نزیہ نصحی راشد رحمہ اللہ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک تھیں۔ اُن کی شہادت کے بعد آپؒ کی شادی نصر فہمی نصر رحمہ اللہ سے ہوئی اور پھر آپ دونوں اکٹھے ہی شہید ہو گئے۔

اسی طرح ''ام فاطمہ عزہ انور نویر'' رحمہا اللہ بھی اپنے چار بچوں سمیت ہماری رفیقۂ سفر تھیں۔ آپ رحمہا اللہ شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی اہلیہ تھیں۔ جبکہ شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ اُس وقت شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے ساتھ تورہ بورہ میں تھے۔

''عبد اللہ محمد سیّد'' بھی اپنی اہلیہ ''خدیجہ بنت شیخ ابو اسماعیل احمد بسیونی دویدارؒ'' اپنے بیٹے اور دو چھوٹی بیٹیوں سمیت ہمارے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ اللہ اس شہید خاندان پر بھی اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

ہم کابل سے سیدھا خوست گئے، وہاں ہمارا قیام ''ابو حمزہ جوفی رحمہ اللہ'' کے گھر ہوا۔ ہم نے وہاں تقریباً ایک ہفتہ گزارا۔ اس کے بعد ہم وردگ کی طرف چلے گئے۔ جبکہ ام فاطمہ اور خدیجہ اپنے بچوں سمیت خوست ہی میں رہیں۔ وردگ میں ہم شیخ استاد یاسر رحمہ اللہ کے گھر میں تقریباً دو ماہ تک رہے۔ اس کے بعد ہم 'چرخ' میں ایک بڑے سے گھر میں رہے۔ وہاں میں، سیدہ حلاوہ، ام آیات، ام فاطمہ عزہ انور نویر اور سارے بچے پھر سے اکٹھے ہو گئے۔ ہم سب کے شوہر بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ لیکن شیخ ایمن بدستور تورہ بورہ میں تھے۔

وادیٔ چرخ میں تقریباً دو سے تین ہفتے ہمیں چین سے گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔ لیکن حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ ہر دن کی تبدیلی سے کئی کئی اضلاع شمالی اتحاد کے قبضے میں جا رہے تھے۔ چرخ، صوبۂ لوگر کا ایک ضلع ہے۔ جب لوگر کا صدر مقام دشمن کے قبضے میں گیا تو میرے شوہر اور دیگر مجاہد ساتھیوں کو خطرہ محسوس ہونے لگا، کیونکہ دشمن ہمارے بہت نزدیک

[1] یہ تحریر شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی اہلیہ کی ہے جس کا ترجمہ برادر قاری داؤد غوری نے کیا ہے۔

پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ان سب نے قندھار جانے کا سوچا۔ ظہر کے وقت جب ہم نکلنے لگے تو علاقے والوں نے ہمیں بتایا کہ قندھار کے راستے کو دشمن کے ٹینک گھیرے میں لے چکے ہیں اور فضا میں امریکی طیارے گردش کر رہے ہیں۔ جو بھی اس راستے پر جاتا ہے اس پر طیاروں سے بمباری کی جاتی ہے۔

جب ہم گاڑیوں میں بیٹھ گئے تو بہت سے علاقے والے ہمیں قائل کرنے لگے کہ ابھی مت جاؤ، ان شاءاللہ مشکل کی کوئی بات نہیں، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔

لیکن دشمن کے طیارے بہت شدت سے ہمارے سروں پر منڈلا رہے تھے اور حالات خیر کی کوئی بھی خبر دینے سے عاجز تھے۔ ایسے میں تمام ساتھیوں نے یہی طے کیا کہ ابھی تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں، رات میں خوست کی طرف چلے جائیں گے۔

رات میں ہم نے تھوڑا بہت سامان اٹھایا اور اپنی گاڑیوں میں آکر بیٹھ گئے۔ پہلے سفر کی روداد میں جن افراد کا تذکرہ میں نے پچھلی سطور میں کیا ہے، اس سفر میں بھی وہی لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ جس ویگن میں ہم سوار تھے اسے میرے (سابق) شوہر طارقؒ چلا رہے تھے۔ ہماری گاڑی میں میرے شوہر کی دوسری اہلیہ سیدہ حلاوہ بھی اپنے پانچ بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ دوسری ویگن کو نصر فہمی نصرؒ چلا رہے تھے، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور سات بچے تھے اور شیخ ایمن حفظہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے چار بچے بھی ان ہی کے ساتھ تھے۔ اسی طرح ایک اور گاڑی کو محمد سیدؒ چلا رہے تھے اور ان کی اہلیہ خدیجہ بنت ابو اسماعیل اور ان کے بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔

رات کے آٹھ بجے ہم نے سفر شروع کیا۔ یہ نومبر ۲۰۰۱ء کی راتیں تھیں، موسم ٹھنڈا تھا۔ ہمارا مختصر سا قافلہ انتہائی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جا بجا کھڑے طالبان، عوام کو شمالی اتحاد کے مقبوضہ راستوں سے خبردار اور محفوظ راستے کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ہمیں ہر پل دھڑ کا لگا ہوا تھا۔ سارا راستہ اللہ کا ذکر ہماری زبانوں پر جاری تھا۔ سروں پر سے گزرتے جیٹ طیاروں کی آوازوں سے ہمارے کان پھٹ رہے تھے۔ خیر! اللہ اللہ کر کے جب ہم 'گردیز' پہنچے تو سامنے ہمیں طالبان کی بھاری نفری نظر آئی۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ "خوست مت جاؤ، خوست کا راستہ بند ہو چکا ہے"۔

رات گزارنے کے لیے ہم گردیز ہی میں واقع شیخ مولوی جلال الدین حقانی رحمہ اللہ کے گھر چلے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا گھر تھا؛ دراصل یہ مہمانوں کے 'استقبالیہ گھر یا مہمان خانے'[1] کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ہم سب خاندان اور مجاہد ساتھی دوسری منزل پر ٹھہرے۔ عورتیں، بچیاں اور چھوٹے بچے ایک کمرے میں، جبکہ مرد حضرات اور بڑے بچے ہمارے ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔ ان دونوں کمروں کے درمیان ایک لمبی سی راہداری تھی جس میں غسل خانہ بنا ہوا تھا۔

جیٹ طیاروں کی آوازیں کان پھاڑ رہی تھیں۔ ایسے میں ایک بہن نے خدیجہ بنت ابو اسماعیل سے کہا کہ "اگر تم برا نہ مناؤ تو اپنے شوہر سے جا کر ان طیاروں کی بابت پوچھو"۔ خدیجہ پوچھنے کے لیے چلی گئی۔ اس کے شوہر نے کہا: "ان شاءاللہ، اللہ خیر کرے گا، بس اللہ پر توکل کرو!"۔ اس نے واپس آکر ہم سب کو جب یہ بات بتائی تو ام آیات رحمہا اللہ کہنے لگیں: "عین ممکن ہے کہ اللہ ہمیں شہادت دے دے۔ میں تو جنت میں جا کر اپنے ابو سے ملوں گی"۔ اور ان کی خوشی چھپائے نہ چھپتی تھی۔ پھر کہنے لگیں: "اللہ کرے ہم سوتے ہوئے شہید ہو جائیں!"۔ ان کی بیٹی 'آیات' مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ میں نے جب اس کی طرف دیکھا تو وہ مجھے پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت معلوم ہوئی۔ میں نے کہا: "تم بہت خوبصورت ہو گئی ہو"۔ اس نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا: "خالتی (اے میری پیاری خالہ)! آپ ہمیشہ مجھے خوبصورت بناتی رہتی ہیں"۔ وہ قرآن حفظ کیا کرتی تھی۔ اس کی آواز بہت پیاری تھی خصوصاً جب وہ تلاوت کرتی تھی۔ اے اللہ! ان سب کو اپنی بارگاہ میں قبول کر لے۔

ہم مغرب اور عشاء کی نماز پہلے ہی جمع کر کے پڑھ چکی تھیں لیکن خدیجہ بنت اسماعیل نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی۔ خدیجہ نماز کے لیے کھڑی ہو گئی جبکہ اس کے دونوں ننھے منے بچے اس کے پاؤں سے لپٹے ہوئے تھے۔ ہم سونے کے لیے بستر وغیرہ بچھانے لگیں کہ اچانک طیاروں کی گھن گرج غائب ہو گئی۔ ایک لمحے کو خاموشی سی چھاگئی۔ پھر ایک دم ہی ہم پر میزائل آکر لگا۔ چھت کا سارا ملبہ ہمارے اوپر گر گیا...... اور ہم سب دب گئیں۔

یہ لمحہ بہت خوفناک تھا۔ سب سے پہلے ام آیات دم توڑ گئیں اس کے ساتھ ہی آپ کی دو بیٹیاں آیات اور عائشہ بھی شہید ہو گئیں (دراصل عائشہ اور حفصہ دو جڑواں بہنیں تھیں، عائشہ تو شہید ہو گئی البتہ حفصہ بچ گئی)۔ ام آیات کا چھوٹا بیٹا محمد ملبے کے نیچے سے مجھے چیخ چیخ کر کہنے لگا: "خالتی! مجھے نکالیں...... مجھے نکالیں"۔ میں نے اپنے اوپر سے تھوڑا بہت ملبہ ہٹاتے ہوئے کہا: "میری جان! میں خود بھی بالکل نہیں ہل سکتی"۔ دوسری جانب سے (شیخ ایمن کی اہلیہ) ام فاطمہ مجھے پکار رہی تھیں: "میرے سینے سے یہ چٹان ہٹا دو"۔ میں نے روتے ہوئے انہیں کہا: "میں خود بھی نہیں ہل پا رہی"۔ آہستہ آہستہ ان دونوں کی آوازیں ماند پڑتی گئیں اور ان کی روحیں پرواز کر گئیں۔ اللہ ان کو قبول فرمائے۔

جب میزائل لگا تھا تو اس وقت خدیجہ بنت ابو اسماعیل حالت نماز میں تھی۔ دھماکے سے وہ میرے پاؤں پر گر گئی تھی اور پھر ہمارے اوپر چھت گر گئی۔ مجھے ملبے کے اندر سے آپ کی گھٹی گھٹی سانسوں کی آواز آرہی تھی۔ میں نے آپ کے منہ پر پڑی رضائی ہٹانے کی کوشش کی کہ شاید رضائی کی وجہ سے آپ کا سانس گھٹ رہا ہو۔ لیکن میرا بایاں کندھا ملبے نے مضبوطی سے دبایا ہوا تھا اس لیے کچھ فائدہ نہ ہو سکا۔

[1] مجاہدین بالعموم استقبالیہ گھر کو 'مضافہ' کہتے ہیں۔

میرے برابر ہی سیّدہ حلاوہ بھی اپنے دونوں چھوٹے بچوں سمیت چھت کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ ان میں سے تسنیم کی عمر ڈھائی سال تھی جبکہ صلاح تقریباً چار سال کا تھا۔ (صلاح رحمہ اللہ تقریباً تین سال قبل افغان مرتد فوج کے خلاف ایک کارروائی میں شہید ہوا ہے۔ اس کی شہادت کے وقت عمر بیس سال تھی)۔

الحمد للہ ہمیں اللہ نے بالکل بچایا ہوا تھا۔ در اصل کمرے میں ایک بڑی سی میز موجود تھی دھماکے سے وہ ترچھی ہو کر ہمارے اوپر گر گئی، اس طرح اللہ نے اس میز کو ملبے کے ایک بڑے حصے سے ہمارے لیے ڈھال بنا دیا اور ہم مکمل طور پر ملبے کے نیچے دبنے سے بچ گئیں۔

اچانک مجھے ملبے کے اوپر کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ ہمیں بہت حیرت ہوئی۔ ملبے میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ میں نے اس میں سے پکار کر کہا: کون ہے؟ تو پتہ چلا کہ وہ تیرہ سالہ ہاجر اور گیارہ سالہ ایمان تھیں۔ یہ دونوں ام آیات کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے علاوہ شیخ ایمن کی گیارہ سالہ بیٹی خدیجہ بھی از خود ملبے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

ہم نے ان کو آواز دی کہ کیا تم ہمارے لیے سوراخ کھول سکتی ہو؟ لیکن وہ یہ کام نہیں کر سکتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ہمیں مردوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو عربی میں آوازیں دے رہے تھے: ’’کوئی ہے؟...... کوئی سن رہا ہے؟‘‘

جو بچیاں ملبے سے نکل چکی تھیں وہ مردوں کو جواب دینے لگیں۔ لیکن اسی اثنا میں جیٹ طیارے پھر سے آ گئے۔ مرد جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جیٹ کے علاوہ باقی سب آوازیں خاموش ہو گئیں۔ اتنے میں طیارے نے غوطہ کھایا اور ایک اور میزائل داغ ڈالا۔ ہماری سہمی ہوئی بچیاں اندھیرے آسمان میں اپنی آنکھوں سے میزائل کی چمک کو آتا دیکھ رہی تھیں۔ دہشت کے مارے انہوں نے اپنے چہرے ایک ٹوٹی پھوٹی دیوار کی طرف کر دیے۔ میزائل سیدھا باقی ماندہ چھت پر آ کر لگا۔ اس کے گرم گرم شعلے ہمیں اندر داخل ہوتے محسوس ہوئے۔ لیکن اُس میزائل نے وہ کام کیا جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اور وہ یہ کہ ملبے کا ایک بڑا حصہ ہم پر سے ہٹ گیا اور ہم تھوڑی بہت حرکت کرنے کے قابل ہو گئے...... اب میں اپنا پہلو بدل سکتی تھی۔

میزائل کی دھمک نے باہر نکلی ہوئی بچیوں کو پورے زور سے دیوار پر دے مارا۔ لیکن الحمد للہ کسی کو کوئی زخم نہ آیا۔ اس دوسرے میزائل کی وجہ سے شیخ ایمن کی بیٹی نبیلہ کے اوپر سے ملبہ ہٹ گیا اور وہ باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ طالبان پھر سے آ گئے اور وہ باہر نکلی ہوئی بچیوں کو کسی محفوظ جگہ پر لے گئے۔ پھر ہم پر سے ملبہ اٹھانے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے حفصہ بنت نصر فہمی کو نکالا۔ اس کو فوراً ہلالِ احمر والوں کی طرف لے گئے۔ پھر محمد بن نصر فہمی (چار سالہ) کو نکالا اور اس کو بھی لے کر وہ ہسپتال کی طرف بھاگے۔ لیکن محمد کو بہت گہرے زخم لگے تھے۔ وہ چند گھنٹوں بعد ہی شہید ہو گیا۔

اس کے بعد طالبان ملبے کے بڑے بڑے پتھر توڑ کر ہمیں نکالنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اللہ کا ذکر ان کی زبانوں پر جاری تھا، ہمیں بھی وہ ذکر کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ اس ذکر کا کثرت سے ورد کرتی رہو: لا إله إلا الله الحليم الكريم، لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب السموات ورب الأرض رب العرش الكريم۔

بالآخر انہوں نے ملبے میں چھوٹا سا سوراخ کر لیا جس میں سے وہ سیّدہ حلاوہ کے بچوں صلاح اور تسنیم کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان دونوں کو بھی فوراً ہلالِ احمر کے ہسپتال بھجوایا گیا۔ پھر دوبارہ سے وہ سوراخ بڑا کرنے کی کوشش میں جت گئے۔ تھوڑی دیر بعد سیدہ حلاوہ بھی باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئیں، لیکن میرے جسم کا تھوڑا سا حصہ تا حال ملبے میں دھنسا ہوا تھا۔ شیخ خلیل حقانی نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا: ’’میری بہن اپنا ہاتھ دیں‘‘۔ مجھے تھوڑا تردد سا ہوا، اسی وقت فضا میں پھر سے طیارے آ گئے۔ میں نے سمجھا کہ شاید یہ پھر سے بمباری کریں گے اس لیے میں نے باہر نکلنے کی کوشش ترک کر دی اور پیچھے ہو گئی، کہ شاید میں بھی انہی شہدا کے ساتھ شہید ہو جاؤں! ایسے میں شیخ خلیل حقانی نے چیخ کر کہا: ’’میری بہن! جلدی کریں طیارے گھوم رہے ہیں‘‘۔ پس میں نے ان کو ہاتھ دے دیا۔ انہوں نے انتہائی سرعت اور قوت سے کھینچ کر مجھے ملبے سے باہر نکال دیا۔ میں جب باہر نکلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ میری محبوب اور پیاری بہن سیّدہ حلاوہ ادھر ہی کھڑی میرے نکلنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اللہ جزائے خیر دے طالبان کو انہوں نے فوراً ایک بڑی سی گاڑی میں ہمیں بٹھایا اور ہمیں کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے ان شاء اللہ ہم آپ کو محفوظ جگہ پر لے کر جائیں گے۔

سارا راستہ ہم ان سے پوچھتے رہے کہ ہمارے جو بچے بچ گئے تھے وہ کہاں ہیں؟ ہماری بیٹیاں کہاں ہیں؟ وہ ہمیں سیدھا ہلالِ احمر کے ہسپتال لے کر گئے۔ وہاں سیّدہ حلاوہ کے بچوں، صلاح اور تسنیم کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی نصر فہمیؒ کی بیٹی حفصہ بھی تھی۔ سیّدہ حلاوہ نے روتے ہوئے اپنے دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔ میں نے بھی روتے ہوئے حفصہ کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر نے پوچھا کہ کیا یہ تمہاری بچی ہے؟ میں نے (فرطِ محبت سے) کہا: جی!

پھر ہم وہاں سے فوراً دیگر بچیوں کی طرف گئے۔ ہم ان کے حوالے سے بہت پریشان تھے۔ رات کے تقریباً دو بج رہے تھے۔ طالبان نے ہمیں ایک بڑی سی ویگن میں بٹھایا۔ ہم گاڑی میں بیٹھے بچیوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ہر گھر پر گاڑی روک کر بچیوں کا پتہ کرتے لیکن وہ سب انکار کر دیتے۔ یہ دیکھ کر ہمارا غم بڑھتا جاتا اور ہم مزید سے مزید روتی جاتیں۔ ان کی تلاش میں ہم نے ایک طویل راستہ طے کر لیا تھا۔ بالآخر کچھ لوگوں سے ہمیں اس گھر کا پتہ چل گیا، جس گھر میں بمباری کے بعد مقامی لوگ بچیوں کو لے گئے تھے۔ ہماری گاڑی اس گھر پر جا کر رُکی، ان لوگوں نے کہا کہ اندر آ جائیے آپ کی بچیاں یہیں پر ہیں۔ ہم دونوں نہایت پریشان حال تھیں۔ باہر سے ہی پکارے جا رہی تھیں: ہاجر! ایمان! نبیلہ! خدیجہ!

اچانک ہمیں بچیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دوڑتی ہوئی ہمارے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ''أين أمي؟ أين أبي؟ أين إخواننا؟ (میری امی کہاں ہیں؟ میرے ابو کہاں ہیں؟ ہمارے بھائی کہاں ہیں؟)

ہم نے کہا: ''پریشان مت ہو ان شاءاللہ وہ آتے ہی ہوں گے''۔

ہم پوری رات اسی انتظار میں رہیں کہ شاید اللہ نے باقیوں کا بچالیا ہو۔ مجھے اس بات کی قوی امید تھی کہ مردوں یا بڑے بچوں میں سے کوئی نہ کوئی تو ضرور بچا ہو گا۔ اس آس سے میرے دل کو کچھ ڈھارس سی بندھی ہوئی تھی، لیکن وہ سب کے سب اللہ کی راہ میں قربان ہو چکے تھے ...... شہید ہو چکے تھے...... اپنے رب کے پاس ایک عظیم منزل پا چکے تھے۔ نحسبهم كذالك والله حسيبهم۔

جیسے ہی صبح ہوئی تو دیگر عرب مجاہدین بھی اطلاع پا کر پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ چلیں ہمیں اس جگہ سے نکلنا چاہیے۔ ہماری حالت انتہائی قابلِ رحم تھی، پاؤں چپلوں سے خالی اور ہمارے کپڑے بارود، خون اور بچوں کے پیشاب سے لتھڑے ہوئے تھے!

ہمارے ساتھ شیخ ایمن کی چھوٹی بیٹی عائشہ بھی تھی، اس کو بھی ملبے سے نکالا گیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں بری طرح زخمی ہو چکی تھیں...ایک تو ٹوٹ چکی تھی جبکہ دوسری ٹانگ زخمی تھی۔ اُس کو ہسپتال بھی لے جایا گیا تھا اور اس کی ٹانگ باندھ دی گئی تھی۔ اس کو لے کر ہم خوست کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ ہمیں بہت سی گاڑیاں کھڑی نظر آئیں۔ ہم نے رک کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ راستہ بند ہے، آگے نہیں جایا جا سکتا۔ مجاہد ساتھیوں نے راستے میں ہی واقع ایک گھر پر ہمیں اتارا۔ اُدھر کھڑی گاڑیوں میں کچھ اور عرب خاندان بھی تھے (جب ہم اتریں تو انہوں نے ہمیں پہچان لیا لیکن) ہماری حالت دیکھ کر وہ پوچھنے لگے: تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہیں گزشتہ رات پیش آئے واقعے کی کچھ خبر نہ تھی۔ جب ہم نے اپنی داستان انہیں سنائی تو انہیں شدید دھچکا لگا اور وہ سکتے میں آ گئے۔

عائشہ بنتِ شیخ ایمن کے لیے انہوں نے فوراً دوا کا بندوبست کیا لیکن ہمیں محسوس ہوا کہ اس بے چاری کا سر کچھ پھول سا گیا ہے، ہم کھٹک گئیں۔ وہ معصوم بچی بے ہوشی کے عالم میں، امی! امی! پکار رہی تھی۔ اس کی دونوں بہنیں اس کی خدمت کے لیے اس کے سرہانے ہی کھڑی رہیں۔ رات میں اچانک وہ اٹھی اور رونا شروع کر دیا۔ میں اور اس کی بڑی بہن نبیلہ دونوں بھاگ کر اس کے پاس پہنچیں۔ اسے خون بھری الٹیاں آ رہی تھیں۔ ہمیں بہت پریشانی لاحق ہوئی۔

صبح رمضان المبارک کا پہلا روزہ تھا۔ صبح ہوئی تو ہم نے ساتھیوں سے کہا کہ عائشہ کی حالت انتہائی نازک ہے۔ انہوں نے کہا بس ہم تھوڑی دیر میں ہی اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ لیکن جس گھر میں ہم ٹھہرے تھے، اُن لوگوں نے ہم سب کو گھر سے باہر نکال دیا...... اس خوف سے کہ کہیں ہماری وجہ سے ان کے گھر پر بھی بمباری نہ ہو جائے!

سارا دن ہم اُس پہاڑی راستے کی سڑک کے کنارے ہی بیٹھی رہیں۔ کچھ دور ہمیں ایک اکیلا کمرہ نظر آیا۔ ہم نے عائشہ کو اُدھر جا کر لٹا دیا لیکن اُسی گھر کی عورت وہاں بھی چیختی چلاتی پہنچ گئی کہ ''یہ کمرہ ہمارا ہے! نکل جاؤ یہاں سے!''

ہم نے اس سے کہا کہ ہم صرف چھوٹے بچوں کو یہاں بٹھا رہی ہیں۔ بالآخر اس نے انتہائی بد دلی سے ہمیں اجازت دے دی۔

جب ظہر کا وقت ہوا تو ہم پہاڑ پر پانی تلاش کرنے لگے، دور ہمیں ایک ہینڈ پمپ نظر آیا۔ اس سے ہم نے وضو کر کے ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھی۔ عصر کے وقت ساتھی گاڑیاں لے کر ہمیں دوسری جگہ لے جانے کے لیے پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ تیار ہو جائیے سفر طویل ہے۔ ہم دوبارہ سے وضو کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتریں۔ جب ہم واپس آئیں تو ساتھیوں نے ہم سے کہا کہ جلدی سے گاڑیوں میں بیٹھ جائیے۔ ہم نے کہا کہ عائشہ اوپر کمرے میں زخمی حالت میں پڑی ہے ہم اس کو لے کر آتی ہیں۔ تو ایک ساتھی نے کہا کہ میں اسے لے آتا ہوں۔ آپ لوگ میری اہلیہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھیں۔

ہم گاڑیوں میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں، لیکن ساتھی کو گئے بہت دیر ہو گئی۔ اچانک ہمیں وہ واپس آتا دکھائی دیا...... لیکن اس کے ساتھ عائشہ نہ تھی!

ہم نے حیرت سے اس کی اہلیہ سے کہا: دیکھو! بچی زخمی ہے، اور ہمارا اُس کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کہاں ہے وہ؟''

ساتھی نے آتے ساتھ ہی ہمیں تسلیاں دینا شروع کر دیں: ''آپ لوگ اہلِ صبر ہیں، عائشہ چھوٹی سی ہے اور اسے انتہائی خطرناک زخم لگے تھے۔ اللہ نے کرم کیا کہ وہ اپنی ماں سے جا ملی ہے۔ پس اب وہ آرام سے ہو گی۔ یہ اس کی خوش بختی ہے کہ آج جمعہ ہے اور رمضان المبارک کا پہلا روزہ ہے''۔

بس ہمارے غموں سے بھرے دل پھٹ پڑے، ہم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئیں۔ وہ ساتھی ہمیں اللہ کی یاد دلاتا رہا، اس کی اہلیہ بھی روئے جا رہی تھی۔

مغرب کی اذانیں راستے میں ہی ہوئیں۔ ہم نے کھجور اور پانی سے روزہ افطار کیا، اور سفر جاری رکھا یہاں تک کہ ہماری منزل ہمیں دکھائی دینے لگی۔ دراصل وہ پہاڑ کی چوٹی پر مٹی کا بنا ایک گھر تھا۔ ہم نے گاڑیاں پہاڑ کے نیچے ہی کھڑی کیں۔ پھر پیدل پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ یہ چڑھائی بہت پُر مشقت تھی، اس میں بھی ہمیں اچھا خاصا وقت لگا۔ جب ہم گھر پہنچے تو ہمارا استقبال ایک ایسے وسیع و عریض کمرے میں کیا گیا جہاں قالین بچھا ہوا تھا، بخاری[1] جل رہی تھی اور کمرہ گرم تھا۔ انہوں نے فوراً ہمیں کھانا پیش کیا اور ہمارا بہترین اکرام کیا۔

صاحب بیت کہنے لگے کہ ''میں، میرے اہلِ خانہ، میرا گھر اور جو کچھ بھی میری ملکیت میں ہے، وہ سب تم لوگوں پر قربان ہو''۔

[1] افغانستان اور قبائل میں عموماً کمرہ گرم کرنے کے لیے استعمال ہونے والی انگیٹھی کو 'بخاری' کہتے ہیں۔

میرا شہید بھائی اسامہ رحمہ اللہ گیارہ ستمبر کے کچھ دنوں بعد ہی برطانیہ سے قندھار پہنچا تھا۔ میں ابھی تک اس سے نہیں مل پائی تھی۔ جب اسے اس حادثے کی اطلاع ملی تو وہ اسی گھر میں مجھ سے ملنے آیا، اور میرے ساتھ تین دن تک رہا۔

ساتھیوں کے درمیان یہی طے پایا کہ تمام عورتوں اور بچوں کو پاکستان بھجوا دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم پاکستان چلی گئیں۔ یہ بھی ایک لمبا اور کٹھن سفر تھا۔ ہمارے ساتھ اس سفر میں پاکستانی مجاہدین تھے۔ انہی میں سے ایک کے گھر میں ہم رہیں۔ لیکن پاکستان کے حالات انتہائی خطرناک تھے۔ ایک ایک کر کے ان کے اکثر ساتھی گرفتار ہو گئے۔ ان ساتھیوں کو ہماری فکر لاحق ہوئی، پس وہ ہمیں صحرا میں تنکوں سے بنی ایک جھونپڑی میں لے آئے۔ ہم اس جھونپڑی میں ایک عرصے تک رہیں۔ وہاں ہم نے زندگی کا صحیح سروائیول(Survival) سیکھا۔

پھر اللہ نے اپنا کرم کیا اور عرب مجاہدین کو ہمیں وہاں سے نکالنے کے لیے بھیج دیا۔ پھر ہم ایران چلی گئیں۔ وہاں میں دوبارہ اپنے بھائی اسامہ رحمہ اللہ سے ملی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہم ایران میں گرفتار ہو گئیں۔ ڈھائی سال بعد ہم قید سے فرار ہو کر وزیرستان پہنچے۔

یہ قصہ طویل ہے اور ابھی باقی ہے، لیکن میں اسے طول دے کر قارئین کو بور نہیں کرنا چاہتی۔ دراصل مجاہدین کی زندگیاں انہی قصّوں اور مصیبتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ مشکلات اور مصیبتیں مجاہدین پر آتی ہی رہتی ہیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں فتح دے دے یا وہ شہادت پا جائیں۔ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ ہمیں ثابت قدم رکھے، ہمیں شہادت دے، ہمیں قبول کر لے اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہو، اور وہ رب ہمیں اور ہماری تمام مسلمان بہنوں کو قید سے بچائے۔

آخر میں مَیں اپنی مسلمان، مجاہد، مہاجر اور مرابط بہنوں کو یہ مختصر سا پیغام دینا چاہوں گی: اللہ کے لیے صبر اور صبر...... ثابت قدمی اور ثابت قدمی! ہمیں جاننا چاہیے کہ فتح صبر کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”من يتصبر يصبره الله ومن يستغن يغنه الله ومن يستعفف يعفه الله وما أجد لكم رزقا أوسع من الصبر.“ (مسندِ احمد)

”جو کوئی (کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے) صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔ اور جو کوئی (بندوں کے سامنے) اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے تو اللہ اس کو (بندوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور جو کوئی عفیف بننا چاہتا ہے (یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے آپ کو بچاتا ہے) تو اللہ اس کو سوال کی ذلت سے بچاتا ہے اور کسی بندے کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔“ (ترجمہ از معارف الحدیث)

پس میری پیاری بہنو! اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر کرنا ہمیں اپنے رب کی جنتوں میں لے جائے گا (ان شاء اللہ) اور اللہ عزّوجل اور اس کے حبیبِ مصطفیٰ ﷺ سے جا ملوائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حفت الجنة بالمكاره، وحفت النار بالشهوات.“ (مسندِ احمد)

”جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے، اور دوزخ شہوات و لذات سے گھیر دی گئی ہے۔“ (ترجمہ از معارف الحدیث)

اور جیسا کہ ہمارا رب فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ○الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ○أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ○(سورۃ البقرۃ: ۱۵۵-۱۵)

”اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوش خبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔“ (ترجمہ از آسان ترجمۂ قرآن)

پس جو بھی اللہ کے راستے میں آزمایا جائے اور پھر اس پر صبر کرے اس کے لیے رحمت اور ہدایت کے راستے پر ہونے کی بشارت ہے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ یہ جنگ ایک طویل جنگ ہے، ایمان اور کفر کی جنگ ہے، معرکۂ حق و باطل برپا ہے۔

ہمیں اپنے بچوں کے قلوب و اذہان میں یہ بات راسخ کرنی ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک دشمنانِ اسلام، ہمارے لیے شر کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہم اپنا دین چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگ جائیں۔ جب تک ہم اپنے دین سے چمٹے رہیں گے یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ پس ہمیں اپنے بچوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھانی ہے اور ان کے دلوں میں امریکیوں اور اُن کا فر و فاجر حکمرانوں سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھرنی ہے جو اللہ کی شریعت کے بجائے اپنی خواہش اور خود ساختہ قوانین سے فیصلے کرتے ہیں، مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ان کے وسائل لوٹتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

وأصلي وأسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين

☆☆☆☆☆

کچھ یادیں 5

ابرار احمد

اس تحریر میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے کچھ تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے؛ ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، کچھ انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور کچھ کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کے وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرما لے، آمین۔ (ابرار احمد)

ناصر قریشی شہیدؒ

کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن سے ملنے کے بعد آپ کو ان سے محبت اور اپنائیت سی ہو جاتی ہے اور یہ محبت محض رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے۔ ایسے ہی افراد میں ایک ہمارے پیارے ناصر قریشی بھائی بھی تھے جنہیں میدانِ جہاد میں درویش اور جانان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ راقم کو درویش بھائی کے ساتھ کچھ عرصہ اکٹھے گزارنے کا موقع ملا۔ شہید درویش بھائی بنوں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم کا عملی نمونہ تھے۔ آپ اخلاص نیت، تقویٰ، بلند اخلاق، صبر واستقامت، اور بہادری و شجاعت جیسی اعلیٰ صفات کا مجموعہ تھے۔

جانان چھوٹے بڑے اسلحہ، مائن کاری و شہری جنگ کے استاد بھی تھے۔ آپ نے افغانستان میں امریکی واتحادی افواج کے خلاف بھی جہاد کیا اور ساتھ ساتھ امریکی مزدور پاکستانی خائن افواج کے خلاف بھی برسرِپیکار رہے۔ ذیل میں آپ کی بہادری کا ایک واقعہ لکھا جا رہا ہے جو ان کے ساتھ شریک ساتھی نے راقم کو بتایا وہ کہتے ہیں کہ:

جانان اور میں ایک مرتبہ جنوبی وزیرستان کے علاقے محسود میں پاکستانی فوج کے کیمپ پر مائن کاری کے لیے گئے۔ ضروری سامان کے ہمراہ ہم دونوں اونچے اونچے پہاڑی سلسلے عبور کر کے فوج کے علاقے میں پہنچے۔ یہ رات کے کوئی دس بجے کا وقت ہو گا۔ جانان بھائی مائن لگانے کی جگہ کا انتخاب کرنے لگے۔ چند منٹ بعد جانان نے مجھے مائن کا سامان دینے کا سرگوشی کے انداز میں کہا۔ اب جانان بھائی آہستہ آہستہ زمین کھودنے لگے۔ چونکہ جانان کو اس کام میں مہارت تھی اس لیے سارا کام وہی سرانجام دے رہے تھے۔ اسی دوران میں نے جانان سے دشمن کے متعلق پوچھا کہ وہ کس سمت اور کتنا دور ہے؟ جانان نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا جب میں نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مائن لگانے کی جگہ عین پوسٹ کے نیچے ہے اور ہم عین برج کے نیچے ہیں۔ 'ہم دشمن کی نظروں میں آسانی سے آسکتے ہیں'، میں نے گھبراتے ہوئے کہا۔ جانان ہلکا سا مسکرائے اور کہا یہ مزدور فوجی ہمیشہ دور دیکھتے ہیں قریب نہیں دیکھتے۔

یہ واقعہ جانان کی بہادری اور دلیری کی ایک مثال ہے۔ جانان بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی رقیق القلب بھی تھے۔

مجھے ایک بار جانان بھائی کے ساتھ افغانستان کے صوبۂ زابل میں رہنے کا موقع ملا۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور گرمی بھی بہت زیادہ تھی۔ جانان کے ذمے کچھ ایسے کام تھے جن کے پیش نظر ان کو تقریباً ہر روز سفر پہ جانا پڑتا اور وہ بمشکل افطاری کے وقت مرکز پہنچ پاتے۔ بظاہر تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی مگر ان کا چہرہ، خشک ہونٹ اور چال ان کے تھکاوٹ سے چور جسم کی داستان سناتی تھی۔ افطاری اور نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ساتھیوں کی گپ شپ کی محفل جمتی تو جانان کے چہرے پر تروتازگی نمایاں ہو جاتی۔ اس محفل کی جان ہمیشہ جانان بھائی ہی ہوتے۔ نماز عشاء اور تراویح کے بعد کچھ ساتھی کمرے میں اور کچھ باہر سو جاتے۔ ایک دن مجھے مچھروں کی کثرت کے باعث نیند نہیں آرہی تھی اور میں کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہی تھا کہ مجھے کمرے کے کونے سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آتی محسوس ہوئی۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ مصلے پر جانان بھائی عجز وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے رازونیاز میں مشغول ہیں۔ دل کی نرمی کی یہ حالت تھی کہ سسکیاں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ جانان جو بہت مضبوط جسم کا مالک ہے، انتہائی دلیر اور نڈر ہے، دشمن پہ بہت ہی سخت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے آگے ایسے زاروقطار رو رہا ہے جیسے کوئی چھوٹا بچہ اپنی ماں کے سامنے رو کر کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہو اور اسے کہہ رہا ہو کہ مجھے اپنی آغوش میں لے لو۔

وہ منظر سوچ کر آج بھی مجھ پہ خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ اتفاق دوبارہ بھی ہوا جس سے پتا چلا کہ یہ جانان کا معمول تھا۔ یقیناً اسی طرح اور بھی اللہ کے مجاہد بندے ہیں جو اللہ کا قرب حاصل کرنے اور امت محمدیہ ﷺ کی حالت زار پر اللہ کے آگے روتے اور گڑگڑاتے ہیں اور بلاشبہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کی یہ حالت بہت محبوب ہے۔ جب اللہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ ان کو اپنے پاس جنت الفردوس میں بلا لیتا ہے اور وہاں اللہ کی مہمانی میں یاقوت اور مرجان سے بنے عظیم الشان محلوں میں وہ رہتے ہیں۔ ان کو وہاں وہ کچھ دیا جاتا ہے جس کا دنیا میں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیا ہی کامیاب تجارت ہے جو شہدا نے اپنے رب سے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے نوجوانوں کو جہاد و شہادت کا شوق عطا فرمائے جو اصل کہ کامیابی ہے!

☆☆☆☆☆

انجنیئر محمد ارسلان علی بیگ شہیدؒ

محمد سعید اللہ

آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق ہندوستان کے مشہور علاقے لکھنؤ سے تھا۔ انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اسلام کے نام پر بننے والے ملک کی طرف ہجرت کی تا کہ اسلامی شریعت کے تحت آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ مگر افسوس کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا، اس وطن میں اسلام پسندوں پر ظلم ہی دیکھا۔

شہید ارسلان بھائی بہت ہی باادب، سلیم الفطرت، راست فکر، سلیقہ مند اور ملنسار انسان تھے۔ جو بھی آپ سے ایک بار ملتا آپ اس کے دل میں گھر کر جاتے تھے۔ ذہانت آپ کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی، زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہتی۔ اکثر میرے گھر آیا کرتے اور کام کی بات سے فارغ ہوتے تو اصرار کرتے کہ آئیں تھوڑی دیر کلمہ طیبہ یا اسمِ 'اللہ' کا ذکر کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب میری انجنیئرنگ کی ڈگری مکمل ہوئی تو بہت خوش خوش میرے پاس آئے۔ میں نے پوچھا بھائی بہت خوش نظر آرہے ہو کیا بات ہے؟ تھوڑا جھجکتے ہوئے کہنے لگے 'آپ کے بھائی کی تیسری پوزیشن آئی ہے'۔ میں نے کہا ماشاءاللہ بہت خوشی کی بات ہے اللہ پاک آپ کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے۔ میں نے پوچھا کہ پیارے بھائی! آگے کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگے جیسے آپ کہیں۔ میں نے کہا میری دلی خواہش ہے کہ میرا بھائی حافظ قرآن ہو۔ کہنے لگے بھائی جان میرا بھی یہی ارادہ ہے، ان شاءاللہ! مگر اتنی عمر میں کس مدرسے میں داخلہ ملے گا؟ میں نے کہا پیارے بھائی دعا کرو اللہ پاک رستے بنائیں گے۔ پھر کچھ دیر سوچ کر کہنے لگے 'بھائی جان میری آئندہ کی زندگی بس جہاد اور مجاہدین کے لیے وقف سمجھیں، اگر عسکری تربیت یا تشکیل کی کوئی ترتیب ہو تو بتایئے گا۔ میں نے کہا ماشاء اللہ، اللہ پاک قبول فرمائے ثابت قدمی و استقامت عطا فرمائے، ان شاءاللہ ضرور بتاؤں گا۔

کچھ دنوں بعد پھر ملاقات ہوئی۔ چہرے پر ایک عجیب سی نورانیت تھی۔ میں نے پوچھا بھائی بہت چمک رہے ہو کیا بات ہے؟ کہنے لگے بھائی جان! آپ کی دعا سے داخلہ مل گیا، وہ بھی بنوری ٹاؤن کی شاخ، 'جامعہ گلشن عمر رضی اللہ عنہ' میں۔ استاذ جی بھی بہت محبت کرنے والے ہیں، مجھے بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں (میں نے دل میں کہا آپ ہیں بھی تو ایسے ہی)۔ یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے کہا پیارے بھائی میری دعا آپ کے ساتھ ہے محنت کریں، تقویٰ اختیار کریں اللہ پاک آپ کو باعمل حافظ قرآن بنائے۔ ساتھ ساتھ میں نے کہا بھائی آپ کی ساری کارگزاری میں نے شیخ صاحب کو بتائی تھی وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ دعا دے رہے تھے آپ کو۔ یہ سن کر ارسلان بھائی کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ مجھ سے کہنے لگے بھائی جان میری ملاقات کب کرائیں گے؟ میں نے کہا ان شاءاللہ جلد۔ تقریباً دو ماہ بعد میں نے ارسلان بھائی شہید کی دعوت کی جس میں شیخ محترم حافظ شہریار شہید اور ایک اور ساتھی جو افغانستان میں تقریباً چھ ماہ تشکیل گزار کر حال ہی میں واپس آئے تھے کو مدعو کیا، شیخ کی ملاقات نے آپ کے اندر بجلیاں سی بھر دیں۔

آپ اپنے وقت کو بہت قیمتی بناتے اور اکثر آپ کی سوچ بس یہی ہوتی کہ میری زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت میں خرچ ہو اور مجھے اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہو جائے۔

ایک دفعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صبح مدرسے جاتا ہوں، شام چار بجے فارغ ہو جاتا ہوں کوئی کام ایسا بتائیں جس کو میں شام کے اوقات میں کیا کروں جس سے دین و جہاد کو فائدہ ہو۔ میں نے شیخ سے مشورہ کیا کہ اگر ان کو کراٹے کلب میں داخلہ دلا دیا جائے تو کیسا ہے؟ شیخ نے کہا کہ پوچھ لیں ان سے، اگر سخت ورزش برداشت کر سکتے ہیں تو ضرور سیکھیں، ایک مجاہد کو مضبوط اور صحت مند ہونا چاہیے تا کہ راہ جہاد میں کسی محاذ پر اس کو مشکل پیش نہ آئے۔ مجاہد کا جسم اتنا مضبوط ہو ایسی ٹیکٹکس (tactics) اسے آتی ہوں کہ کبھی اسلحہ پاس نہ بھی ہو تو اس کے ہاتھ اسلحہ بن جائیں اور دشمن سے اسلحہ چھین کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ کراٹے سیکھنے یا سخت ورزش کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے۔ مشکل حالات میں کم ہمتی نہیں ہوتی اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

اصل میں شیخ نے یہ جو کہا کہ پوچھ لیں ان سے کہ سخت ورزش کر لیں گے وہ اس لیے کہ ارسلان بھائی شہید دیکھنے میں کمزور سی صحت کے مالک تھے۔ جب میں نے ان سے کہا کہ فارغ وقت میں کراٹے کلب چلے جایا کریں اور محنت سے اس فن کو سیکھیں آپ کے کام بھی آئے گا اور مجاہدین کی خدمت کا موقع بھی مستقبل میں ان شاءاللہ ملے گا تو بہت خوش ہوئے۔ چند دنوں میں کلب جانا شروع کر دیا، ساتھ ہی حافظہ اتنا قوی تھا کہ چھ ماہ میں اٹھارہ پارے حفظ کر لیے۔

اپنی اصلاح کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی۔ کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کئی دنوں تک پریشان رہتے اور اپنے آپ کو کوستے رہتے کہ مجھ سے ایسا کیوں ہوا؟ کوئی بات ان کو سمجھا دی جائے کہ ایسے کرنا ہے تو کبھی بھی اپنی رائے پر اصرار نہ کرتے۔ جیسا کہا جاتا ویسے ہی کام کرتے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کوئی غلطی انہوں نے دہرائی ہو۔، مجاہدین و شہدا کے قصے سنتے تو ان کی عادات کو اپنانے کی حتی الامکان کوشش کرتے۔ شیخ اکثر ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ ایسا پیارا بھائی ہے کہ اس کے لیے خود دل سے دعا نکلتی ہے۔ جو بھی کام کہو ہر کام کے لیے تیار رہتے تھے۔ اعانتِ جہاد کے لیے رقم جمع کرنے کا کام ہو تو بس سارا دن دوڑ دھوپ کرتے اور خوب دعاؤں کا اہتمام کرتے۔ جہاں جہاں سے ممکن ہوتا جا کر ملاقات کرتے، جہاں مجاہدین کے بارے میں بتانا ممکن ہوتا تو وہاں جا کر مجاہدین کے بیت المال کی کمزوری اور دشمن کی طاقت اور

ان کے وسائل کے تذکرے کرتے۔ اپنے ہم عمر ساتھیوں کو جہاد اور مجاہدین سے جوڑنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے۔

ارسلان بھائی شہید دنیاداری سے بے انتہا بیزار تھے۔ دنیادار رشتہ داروں اور دوستوں کی محفل اور ان کے ساتھ میل جول سے بہت زیادہ کتراتے تھے۔ ہاں دین کی دعوت اور جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت کی غرض سے دنیادار دوستوں سے ملا کرتے تھے۔ ان کو دین کی دعوت بہت ہی احسن طریقے سے دیتے۔ جہاد کی دورِ حاضر میں ضرورت، امت کے حالات ان کے سامنے رکھتے پھر جب کبھی ملاقات ہوتی تو اپنی ہفتے بھر کی ملاقاتوں کا تذکرہ کرتے، اپنے دوستوں کے لیے دعائیں کرواتے۔ اگر کبھی ان کو پتا چل جاتا کہ کوئی دوست کسی گناہ میں ملوث ہے تو بہت روتے تھے اور اس کے لیے گناہ چھوڑنے کی دعا بھی کرتے۔

ایک دفعہ ماہ رمضان میں اپنے گھر سے بہت دور مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے۔ میں نے گھر سے دور مسجد کا انتخاب کرنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ وہاں نوجوان لڑکے بڑی تعداد میں اعتکاف میں بیٹھتے ہیں؛ ان شاء اللہ موقع ملا تو کسی نہ کسی کو جوڑلوں گا، نہیں تو لڑکوں سے دوستی کرکے بنیادی جہاد کی دعوت تو ضرور دوں گا۔

بہت ہی رقیق القلب اور حساس طبیعت کے مالک تھے۔ جب بھی شیخ اصلاحی بیان کرتے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی چھلک پڑتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ شیخ کا بیان ختم ہونے کے بعد بہت دیر ہچکیاں لے کر روتے رہے۔ ایک دفعہ ایک بھائی کے گھر پر شیخ نے ساتھیوں کو جمع کیا، ارسلان بھائی شہید میرے ساتھ بائیک پر وہاں گئے۔ شیخ نے ایمان تازہ کرنے کے لیے ساتھیوں کے درمیان وعظ کیا۔ شیخ اکثر بیان کے آخر میں ہم سب ساتھیوں کو متوجہ کرکے فرماتے تھے کہ

> ”بھائیو! ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑ دو، گناہوں سے مکمل جان چھڑالو یا مجاہدین کی مجلسوں میں نہ آیا کرو اور مجاہد کہلانا چھوڑدو۔ یہ جہاد کی کرامت ہے کہ جو جہاد کرتا ہے گناہ کے کام اس سے چھوٹ جاتے ہیں اگر بندہ گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاد چھوڑ دیتا ہے یا پھر جہاد اسے چھوڑ دیتا ہے۔“

میں نے دیکھا کہ بیان کے دوران ارسلان بھائی نے اپنے آنسو بڑی مشکل سے ضبط کیے ہوئے تھے۔ جب ہم واپس گھر کی طرف جانے لگے تو ارسلان بھائی بائیک پر میرے پیچھے بیٹھے۔ جب بھی وہ بائیک پر میرے ساتھ بیٹھتے تو ہمیشہ اپنی ٹھوڑی میرے کندھے پر رکھتے اور مسلسل باتیں کرتے رہتے۔ ان کے ساتھ سفر میں کبھی بھی بے زاری نہیں ہوتی تھی۔ آج بھی وہ ایسے ہی بیٹھے تھے مگر خلاف معمول خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرا کندھا گیلا ہو رہا ہے۔ میں نے مذاقاً ان سے کہا کہ بھائی! رومال مانگ لیتے، میرے کندھے سے کیوں ناک صاف کی ہے؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے بائیک روک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو زاروقطار رو رہے تھے۔ میں نے ان کو سینے سے لگایا اور پوچھا بھائی کیوں رو رہے ہو؟ کیا بات ہو گئی؟ کہنے لگے آپ ایک بات سچ سچ بتائیں۔ میں نے کہا ہاں پوچھو پیارے بھائی! کیا بات ہے؟ کہنے لگے آج شیخ نے بیان خاص میرے لیے کیا تھا ناں؟ ان کی یہ بات سن کر مجھے بھی رونا آگیا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے ان کے آنسو پونچھے اور ان کو تسلی دی کہ بھائی شیخ نے عمومی بات کی ہے ہم سب کے لیے، اللہ پاک ہم سب کو ہدایت پر قائم فرمائے۔ کہنے لگے بھائی! میں بہت گناہ گار ہوں سب باتیں میرے لیے ہی کی تھیں، آپ میرے لیے دعا کیجیے گا اللہ رب العزت مجھے جہاد فی سبیل اللہ سے محروم نہ فرمائے، مجھ سے دین کی نصرت کا کام لے لے اور حسن خاتمہ بصورت مقبول شہادت نصیب فرمائے۔ میں اپنے تمام گناہ چھوڑنے کا عہد کرتا ہوں، آپ گواہ رہیے گا! عجیب اللہ کے ولی تھے کہ اپنی ایمانی اداؤں سے ہم سب کے ایمان گرما دیتے تھے۔ عمر اور قد میں ہم سب سے چھوٹے تھے مگر اللہ جی کی نظر میں ہم سب سے بڑے اور معزز تھے (نحسبه كذالك والله حسيبه)۔ صرف اپنے والدین، بھائیوں اور خاندان والوں کی آنکھوں کا تارا ہی نہیں بلکہ ہم سب ساتھیوں کو بھی بہت زیادہ محبوب تھے۔ سب ساتھی ان سے بہت محبت کرتے تھے جب کوئی بھائی کئی دنوں بعد ملتا تو ملاقات کے بعد ان کا ضرور پوچھتا تھا۔

ان کا ماضی دنیاداری میں گزرا تھا۔ اکثر اپنے ماضی کا سوچ کر افسوس کرتے اور کہتے کاش میں پہلے ہی آپ لوگوں سے مل جاتا۔ ان کے جڑنے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ جب چھوٹے تھے تو ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تو ارسلان بھائی چوتھی جماعت میں تھے۔ میں نے دیکھا کہ بچپن سے ہی بہت باادب، سلیقہ منداور ذمہ دار قسم کے بچے تھے۔ جب بھی ملتے تو بہت ادب اور محبت سے ملتے۔ مجھے یاد ہے کہ اس دور میں بھی جب بھی کسی بات کی ان کو نصیحت کی جاتی تو پوری توجہ سے سنتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی کہتے تھے کہ آپ کی باتوں کو بہت توجہ اور محبت سے سنتا ہے۔ میٹرک کے بعد میرا ارسلان سے خاص تعلق نہیں رہا۔ میں گریجویشن کے دوسرے سال میں تھا، جمعہ کا دن تھا میں اور شیخ جمعہ کی نماز مفتی تقی عثمانی صاحب کے پیچھے پڑھنے بیت المکرم مسجد کی طرف جارہے تھے کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجی۔ بائیک چلانے کی وجہ سے میں نے کال کاٹ دی۔ مگر پھر فون بجنے لگا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا۔ شیخ نے کہا بھائی بائیک روک کر کال سن لو۔ میں نے آخر کال اٹھالی، دوسری طرف ارسلان بھائی تھے۔ سلام دعا کے بعد کہنے لگے آپ نے پہچانا میں آپ کا بھائی بات کر رہا ہوں۔ میں نے کہا بھائی تو بہت سارے ہیں، اپنا نام بتائیں۔ کہنے لگے آپ اپنے بھائی کو بھول گئے یار آپ کا چھوٹا بھائی۔ ابھی بھی مجھے سمجھ نہیں آیا کہ یہ لڑکا کون ہو سکتا ہے، خیر میں نے کہا بھائی میں رستے میں ہوں اور بائیک چلا رہا ہوں گھر پہنچ کر خود کال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے کال کاٹ دی۔ سارے رستے میں یہی سوچتا رہا کہ یہ کون ہو سکتا ہے؟ اچانک دل میں خیال آیا کہ یہ ارسلان ہو سکتا ہے، کیونکہ اسکول میں اسی نے مشہور کیا ہوا تھا کہ یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ خیر گھر پہنچ کر میں نے رابطہ کیا تو واقعی ارسلان بھائی ہی نکلے۔ کہنے لگے مجھے آپ سے ملنا ہے، آپ کب گھر پر مل سکتے ہیں؟ میں نے کہا بھائی اتوار کی صبح آجائیں۔ کہنے لگے جی ٹھیک ہے۔ اتوار کے دن تقریباً دس یا گیارہ بجے گھر آگئے۔ تقریباً پانچ سال بعد ان کو میں نے دیکھا تھا۔ بال

فوجی کٹ کٹے ہوئے تھے اور داڑھی بھی صاف تھی۔ سلام دعا اور حال احوال پوچھنے کے بعد میں نے برجستہ پوچھا بھائی یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ نہ بال سنت کے مطابق نہ چہرے پر داڑھی یہ کیسا بھائی ہے میرا؟ مجھے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ ان کو میرے پاس محبت کھینچ لائی ہے اور کوئی وجہ مشکل ہی ہے۔ تھوڑے شرمندہ ہوئے اور سر جھکا کر نیچے دیکھنے لگے میں نے پوچھا بھائی کیسے آنا ہوا اتنے عرصے بعد؟!

کہنے لگے بھائی جان ویسے ہی بہت دنوں سے آپ کی یاد آرہی تھی سوچا مل لوں۔ پھر کہنے لگے بھائی جان میں نے ایک خواب دیکھا تھا، جب میں سو کر اٹھا تو بہت بے چین تھا، بس دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد آپ سے ملاقات ہو جائے۔ میں نے کہا کیا دیکھا تھا پیارے بھائی؟ کہنے لگے میں نے دیکھا آپ اپنے کسی دوست کے ساتھ بائیک پر میرے سامنے سوار ہو کر جا رہے ہیں، میں آپ کے پیچھے آتا ہوں تو آپ جا چکے ہوتے ہیں، مجھے دل میں بہت رنج ہوتا ہے، میں آپ کو بہت ڈھونڈتا ہوں لیکن آپ نہیں ملتے۔ جب میں سو کر اٹھا تو بہت بے چین تھا۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ بس دل چاہ رہا تھا جلد از جلد ملاقات ہو جائے، اب آپ سے ملاقات ہوئی تو سکون ملا ہے۔

پھر کہنے لگے کہ بھائی جان! آئی ایس ایس بی آپ کے بھائی نے کلیئر کر لیا ہے بس ایک انٹرویو باقی ہے جو چند دنوں بعد ہونا ہے۔ دعا کریں کہ وہ بھی کلیئر ہو جائے۔

یہ سن کر تو مجھے ایک جھٹکا لگا۔ تھوڑی دیر تک تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کو کیا جواب دوں۔ سوچنے لگا کہ ابھی اس کو سمجھاؤں یا چھوڑ دوں۔ دل ہی دل میں ''اللھم خرلی واخترلی''کا ورد کرنے لگا۔ بس پھر دل میں آیا کہ اس کو سمجھاتا ہوں، یقیناً یہ مخلص لڑکا ہے، اسٹیٹس بنانے اور ظاہری عزت حاصل کرنے کے شوق میں فوج میں جانا چاہ رہا ہے، یقیناً اس کو پاک فوج کے جرائم کا ادراک نہیں ہے۔

جب کافی دیر مجھے خاموش دیکھا تو ارسلان بھائی کہنے لگے کیا آپ میرے لیے دعا نہیں کریں گے؟ ارسلان بہت حساس طبعیت کا حامل تھا۔ میری خاموشی سے بھانپ گیا کہ اس کا فوج میں جانا بھائی جان کو پسند نہیں۔ خیر میں نے اللہ پر توکّل کیا اور امتِ مسلمہ کے ساتھ کی جانے والی پاک فوج کی خیانتیں اس کے سامنے بیان کرنا شروع کیں، افغانستان پر ہونے والے امریکی حملے میں فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا کردار، پاکستان میں علما کا قتل اور سانحۂ لال مسجد میں ہونے والے ظلم و ستم کو ان کے سامنے بیان کیا، ساتھ ہی استاد احمد فاروق شہید کا رسالہ 'یہ کس کی فوج ہے؟'میرے پاس تھا اس کو دیا کہ بھائی اس کو پڑھنا۔

ارسلان بھائی ساری بات خاموشی سے سنتے رہے۔ رسالہ مجھ سے لے لیا اور یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ پھر ملیں گے! مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شاید ان کو میری بات سمجھ نہیں آئی ہے۔ خیر میں نے ان کی ملاقات کا سارا قصہ شیخ کو بتایا انہوں نے کہا کہ بھائی بہتر کیا آپ نے، بس آپ دعا کریں ارسلان کے لیے کہ اللہ پاک اس کو ہدایت دے۔ بس میں نے اللہ رب العزت سے ان کی ہدایت کے لیے مستقل دعا کرنی شروع کر دی۔ خوب اللہ پاک سے مانگا کہ اللہ پاک پیارے بھائی کو ہدایت دے اور اس کو اپنی جان دین اسلام کی خاطر قربان کرنے کی توفیق دے دے۔

آخر چند دنوں بعد ارسلان بھائی گھر آئے چہرے پر داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ چہرہ بھی تھوڑا نورانی سا ہو رہا تھا۔ سلام دعا کے بعد کہنے لگے کہ بھائی جان آپ نے میرے لیے کیا دعا کی تھی؟

میں نے کہا بھائی! آپ سے اللہ کے لیے محبت ہے آپ کی دنیا و آخرت کی بربادی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کی ہدایت کی ہی دعا کی تھی!!

کہنے لگے کہ اس دن تو آپ کی بات کو میں نے خاص اہمیت نہیں دی۔ انٹرویو کی کال بھی چند دن بعد آگئی، میں نے تیاری شروع کر دی۔ انٹرویو بڑے رینک کے افسر نے لینا تھا۔ میں مطمئن تھا کہ انٹرویو کلیئر ہو جائے گا۔ ایک دن پہلے ہی ہمارے بیچ کو ملیر کینٹ بلا لیا گیا، میں بھی چلا گیا۔ جس دن انٹرویو تھا ہم سارے لڑکے افسر صاحب کے کمرے کے باہر قطار میں بیٹھے تھے کہ اچانک مجھے متلی ہونا شروع ہوئی اور زوردار قسم کی الٹی ہوئی اور پھر ایک کے بعد ایک کئی دفعہ الٹیاں ہوئیں اور تیز بخار ہونے لگا۔ وہاں موجود عملے نے مجھے فوراً ایمرجنسی منتقل کر دیا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک مجھے کیا ہوا۔ انٹرویو کا وقت نکل چکا تھا، میں انٹرویو نہیں دے سکا۔ کہتے ہیں کہ جب تھوڑی طبعیت سنبھلی تو ہمت کر کے اٹھا اور گھر آگیا۔ گھر پہنچا تو طبعیت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ میں سمجھ گیا یہ سب اللہ پاک کی طرف سے ہوا ہے۔ بس میں نے سوچ لیا کہ اب کبھی اس طرف نہیں بھٹکوں گا۔ خوش ہو جائیں بھائی جان آپ کی دعا اللہ پاک نے قبول کر لی۔ بس اب داڑھی رکھنے کا بھی ارادہ ہے ان شاء اللہ۔

میرا پیارا بھائی جس مقصد سے میرے پاس آیا تھا، واللہ اس مقصد کو پا گیا۔ شہادت کے خون میں نہا کر اپنے گناہوں کو دھلوا کر اللہ ربُ العزت کے نزدیک سرخرو ٹھہرا۔ اللہ پاک پیارے بھائی کی سعادت بھری زندگی ثابت قدمی اور استقامت سے بھرپور شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

ارسلان جب بھی تمہاری یاد آتی ہے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں تمہاری محبت بھری پیاری پیاری باتیں اور یادیں دل کو رلاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے جب میں ایک دفعہ سفر پر افغانستان جا رہا تھا تو تم مجھے لینے آئے تھے تاکہ تم مجھے بس اڈے تک چھوڑ آؤ۔ ہم الوداعی ملاقات کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھنے کی تلقین کر رہے تھے۔ تو میں نے تم سے کہا تھا پیارے بھائی میرے لیے دعا کرنا اس بار اللہ پاک شہادت عطا فرما دیں۔ تم بے اختیار رو پڑے تھے تم نے کہا تھا بھائی جان آپ اگر شہید ہو گئے تو میرا کیا ہو گا میں جہاد کس کے ساتھ مل کر کروں گا؟ نہیں پیارے بھائی جان، مجھ سے پہلے شہید مت ہو جایئے گا، ان شاء اللہ ساتھ شہید ہوں گے!

محبتوں میں ہر ایک لمحہ وصال ہو گا یہ طے ہوا تھا
بچھڑ کے بھی ایک دوسرے کا خیال ہو گا یہ طے ہوا تھا

بچھڑ گئے ہیں تو کیا ہوا کہ یہی تو دستور زندگی ہے
جدائیوں میں نہ قربتوں کا ملال ہوگا یہ طے ہوا تھا

اے پیارے اللہ جی...... میرے بھائی کے تیری راہ میں بہہ جانے والے خون کو، زندان میں سہی جانے والی صعوبتوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخش دیجیے!

اللہ رب العزت ہمیں بھی شہید کی تمام اچھی صفات عطا فرمائے، یا اللہ ہمیں بھی حسنِ خاتمہ بصورت مقبول شہادت عطا فرمایئے اور جنت الفردوس میں انبیا علیہم السلام، صدیقین و شہدا کے ساتھ اکٹھا فرمادے۔ جب تک زندہ رکھیو اپنے مقبول، محبوب پسندیدہ بندوں کے ساتھ ہدایت یافتہ لشکروں کے ساتھ رکھیو اور اپنے مقبول بندوں کے ساتھ شہادت کے خون میں نہلا کر اپنا پیارا دیدار نصیب فرمائیو، آمین۔ یا اللہ میرے گناہوں کو میری شہادت کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیجیے گا، آمین۔

ارسلان یقیناً تم ہر لحاظ سے مجھ سے افضل اور اعلیٰ تھے ورنہ اللہ پاک تم کو مجھ سے پہلے کبھی شہادت نہ دیتے۔

ارسلان بھائی نے ۲۰۱۶ء میں اپنی عسکری تربیت افغانستان کے صوبہ قندھار میں مکمل کی۔ آپ نے پسٹل اور کلاشنکوف میں تخصص بھی کیا۔ وہیں پر شیخ سے بنیادی جہادی شرعی علوم اور شہری و میدانی جنگی چالوں کی بنیادی تعلیم بھی حاصل کی۔ جب تربیت مکمل کر کے واپس کراچی آئے تو اکثر اصرار کرتے اور اپنی خواہش کا اظہار کرتے اور کہتے کہ کب ہم اپنے شہدا کے خون کا بدلہ لینا شروع کریں گے؟

آپ کی عادت تھی اور شیخ کا حکم بھی تھا لہٰذا خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں، فوج اور پولیس کے افسروں کو اپنی نظر میں رکھتے اور ان کی لسٹ بناتے رہتے۔ موقع ملنے پر ان کی ریکی بھی خفیہ اور محفوظ طریقے سے کرتے رہتے اور اپنے پاس لکھ کر محفوظ کر لیتے۔

آپ کے پختہ نظریے، تقویٰ، ذہانت اور چھپی ہوئیں صلاحیتوں کو دیکھ کر شیخ کا ارادہ آپ کو فوج میں بھرتی کرانے کا ہوا۔ شیخ نے استخارہ کیا اور پھر کہا کہ اس کو اس کام کے لیے آپ تیار کریں۔ میں نے ارسلان بھائی کو بلایا اور ان کو شیخ کے ارادے کے بارے میں بتایا۔ یہ سن کر ارسلان بھائی ہچکیاں لے کر رونے لگے۔ کہنے لگے میں بہت کمزور ہوں اور اب اس گندے ادارے میں بھرتی ہونا میرے لیے بہت مشکل ہے مجھے ڈر ہے کہیں میں اپنے ایمان سے ہی نہ ہاتھ دھو بیٹھوں۔ خیر شیخ کو میں نے ساری صورت حال بتائی۔ شیخ نے ان سے خود ملاقات کی اور آخر انھیں تیار کر ہی لیا۔

ارسلان بھائی شہید نے ابتدائی ٹیسٹ کی بنیادی تیاری کی اور اپنی تعلیمی اسناد لے کر سلیکشن بورڈ کے آفس پہنچے۔ اپنی اسناد جمع کرائیں اور پرچی لے کر میڈیکل اسٹاف کے پاس آئے۔ میڈیکل اسٹاف والوں نے سب سے پہلے ان کا قد ناپا اور ان کو ریجیکٹ کر دیا۔ واپس سیدھا میرے پاس آئے، بہت خوش تھے، کہنے لگے کہ اللہ پاک نے مجھے بچا لیا۔ الحمدللہ ریجیکٹ کر دیا یہ کہہ کر کہ تمہارا قد چھوٹا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ان کو بتاتے کہ پہلے میں سلیکٹ ہو چکا ہوں، کہنے لگے ان کو میں نے بہت کہا مگر وہ نہیں مانے۔ بس یہ اللہ پاک کی طرف سے تھا۔

ارسلان بھائی علما کرام سے بہت محبت رکھتے تھے۔ جب ان کو پتا چلتا کہ کہیں کسی عالمِ دین کا بیان ہے، بھاگے بھاگے وہاں پہنچ جاتے، پھر جب کبھی ملاقات ہوتی تو بیان میں سنی اہم باتیں بتاتے۔

ارسلان شہید کو علم دین حاصل کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی حفظ قرآن مکمل ہو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لوں۔ اللہ پاک ان کے ارادوں کو خوب جانتے ہیں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ پیارے شہید بھائی کو اپنے پاس خاص مقام عطا فرمائیں اور روز محشر انبیا کرام، صدیقین، حفاظ کرام، علماء و شہدا کرام کے ساتھ ان کو اور ہم کو جمع فرمائے آمین۔

بہت ہی خوش قسمت ہیں شہید کے والدین، بھائی، رشتہ دار اور دوست احباب!! قیامت کے دن آپ کا بیٹا اور آپ کا بھائی آپ کے حق میں سفارش کرے گا۔ شہید کی ماں اور باپ کو اللہ رب العزت عزت کا تاج پہنائے گا، سبحان اللہ! حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ ربُّ العزت کی طرف سے شہید کے لیے درج ذیل انعامات ہیں:

1. خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے،
2. شہید جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے،
3. شہید کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے،
4. شہید قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے،
5. شہید کے سر پہ یاقوت سے جڑا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے،
6. شہید کے نکاح میں بہتر حوریں دی جاتی ہیں،
7. شہید روز محشر اپنے ستر عزیز و اقارب کی سفارش کرے گا، (مسند احمد)

وہ کیا منظر ہو گا جب باپ بیٹے سے، بھائی اپنے بھائی سے منہ چھپا رہا ہو گا۔ وہاں ارسلان علی بیگ اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہاتھ پکڑ کر اللہ رب العالمین کے پاس لے کر جائیں گے اور کہیں گے یا اللہ یہ میرا بھائی ہے، یہ میرے ماموں ہیں، یا اللہ یہ میری خالہ ہیں، یا اللہ یہ میرا دوست ہے، یا اللہ ان کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔ اللہ پاک فرمائیں گے ہاں میرے پیارے شہید! تم نے اس فتنے کے دور میں میرے دین کی آبیاری اپنے خون سے کی جب ہر طرف فساد ہی فساد تھا جب جہاد کو شکوک و شبہات میں گڈ مڈ کیا گیا تھا، سرکاری اور غیر سرکاری طور پر جہاد کے خلاف تمام قوتیں اکٹھی ہو کر جہاد کے فریضہ کو مٹانے کے درپے تھیں، جب پڑھے لکھے لوگ بھی جہاد فی سبیل اللہ کو دہشت گردی سے تعبیر کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں...... تب تم نے اپنا خون دے کر جہاد کے جھنڈے کو اونچا کیا......

تو نے اسلاف کی ہر نشانی کے مٹنے کے اس دور میں

اجنبیت کے پرچم کو بلند کیا
تونے حق وصداقت کے روشن دیے
اپنے خونِ جگر سے روشن کیے

ہاں آج تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔اپنے ستر اقربا کو لے کر جنت میں چلے جاؤ۔اللہُ اکبر کیا خوش قسمت رہا اللہ پاک سے سودا کرنے والا؛ بہترین زمانے میں شہادت پا گیا۔

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی تب تک جہاد تر و تازہ رہے گا(یعنی قیامت تک)اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان میں کے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ کہیں گے کہ یہ جہاد کا دور نہیں ہے، لہٰذا ایسا دور جس کو ملے تو وہ جہاد کا بہترین زمانہ ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(ہاں ایسا وہ پڑھے لکھے کہیں گے) جن پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو گی۔“(السنن الواردہ فی الفتن ج:۳ص:۷۵۱)

ارسلان بھائی شہادت کی موت کی بہت تمنا کرتے تھے۔جب بھی کسی کو دعا کا کہتے تو یہ ضرور کہتے تھے کہ دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک مجھ سے بہت سارا دین کی خدمت کا کام لے لے پھر آخر میں مقبول شہادت عطا فرمائے۔

اپنے بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے، کہتے تھے کہ بھائی جان میرے اندر کوئی ایسا عمل دیکھیں جو شہدا میں نہیں ہوتا تو مجھے فوراً آگاہ کیجیے گا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم چند ساتھی شیخ کے گھر پر جمع تھے۔ شیخ نے ہمیں ترکستانی مجاہدین کی ایک ویڈیو دکھائی جو شہدا کی سیرت پر بنائی گئی تھی، جس میں پہلے شہدا کی زندگی کے چند لمحات دکھائے گئے تھے، پھر اس شہید کی شہادت کے بعد کی تصویر یا شہادت کے آخری لمحات دکھائے گئے تھے۔ جب بھی ویڈیو میں شہید کی زندگی کے لمحات دکھائے جارہے ہوتے تو شیخ کہتے تھے کہ اس کے چہرے پر تو زندگی میں ہی شہادت کا نور چمک رہا ہے...دیکھنے ہی سے شہید لگتا ہے ...کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے چہرے پر ایمان اور شہادت کا نور ان کی زندگی میں ہی چمک رہا ہوتا ہے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو اللہ پاک ایسا ہی بنا دیں، آمین۔ خیر ویڈیو دیکھ لینے کے بعد سب ساتھی اپنے گھروں کو چلے گئے۔چند دنوں بعد میری ارسلان بھائی سے ملاقات ہوئی۔ ملتے ہی مجھ سے کہنے لگے، بھائی جان! میرے چہرے کو غور سے دیکھیں۔ میں نے دیکھا تو ان کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسوں رواں تھے۔ میں نے پوچھا، کیا بات ہو گئی؟ پیارے بھائی کہنے لگے کہ سچ سچ بتائیں کہ میں آپ کو شہید لگتا ہوں یا نہیں؟ جب سے آپ لوگوں کے ساتھ وہ ویڈیو دیکھی ہے بس دل میں بار بار یہ بات آتی ہے کہ پتہ نہیں میرا کیا ہو گا؟ میری سیرت و صورت شہدا والی ہے کہ نہیں؟ دل میں تو آیا کہ کہہ دوں کہ بھائی تمہاری تو ہر ادا ہی نرالی ہے۔ یقیناً پیارا بھائی چلتا پھرتا شہید تھا۔ خیر میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ سوال تو شیخ سے کرنا۔اللہ رب العزت ہم سب کو ضرور شہادت عطا فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔

اللہ پاک نے آپ کو آپ کے پاکیزہ اخلاق و کردار کی طرح اک روشن منور نورانی صورت سے نوازا تھا۔ آپ کا چہرہ ان شاء اللہ آپ کے ایمان نور سے چمکتا دمکتا رہتا تھا۔ آپ کا شوق شہادت قابل دید تھا۔ ہر وقت شہادت کی تمنا کرتے رہتے تھے۔ شہدا کا ذکر سن کر آپ کی عجیب سی کیفیت ہو جاتی۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے کی نورانیت بتا رہی ہوتی کہ یہ بھی اک شہید ہے۔ شہادت آپ کی آرزو تھی، آپ کی تمنا تھی—— آخر وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب آپ شہید کر دیے گئے۔

شہادت کے بعد آپ کے چہرے پر عجیب نورانیت تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نور پھوٹ رہا ہے؛

وہ مسکراتی حسین آنکھیں وہ نوری کرنوں میں لپٹا چہرہ
وفا و شرم و حیا کا پیکر ، خلوص و صدق و صفا کا پیکر
ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، لہو میں بھیگا گلاب چہرہ

امریکہ کی غلام ایجنسی آئی ایس آئی کے ہاتھوں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ ظلم کے علم برداروں نے آپ کو سخت تعذیب کا نشانہ بنایا۔ آپ سے مجاہدین کے بارے میں معلومات اگلوانے کی کوششیں کی گئیں مگر اس سب ظلم و ستم کے باوجود آپ کے پایۂ استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ جب آئی ایس آئی کے غنڈے آپ سے معلومات اگلوانے میں ناکام رہے تو انہوں نے آپ کو کرائے کے قاتل راؤ انوار کے حوالے کر دیا تا کہ آپ کو بھی دیگر مجاہدین کی طرح جعلی مقابلے کا ڈھونگ رچا کر شہید کیا جائے۔آپ ۲۱ اکتوبر بروز ہفتہ سنہ ۲۰۱۷ء کو فرعون صفت طاغوتی ایجنسیوں کے آلہ کار راؤ انوار کے ہاتھوں جعلی مقابلے میں شہید کر دیے گئے، اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ بوقت شہادت آپ کی عمر ۲۳ برس تھی۔ اللہ پاک شہید کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، آمین۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک شہید کی قبر کو نور سے بھر دے، اسے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے، ان کی والدہ، بھائیوں اور تمام رشتہ داروں کو صبر جمیل عطا فرمائے، شہید کی شہادت کو ان کے والد مرحوم کی بخشش اور درجات کی بلندی اور ان کے دوست احباب کی ہدایت اور ان کے وطن میں شریعت کی بہار لانے کا ذریعہ بنا دے آمین۔ یا اللہ مجھے بھی مقبول شہادت عطا فرما اور شہید ارسلان علی کے ساتھ انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ اکٹھا فرما دے، آمین ثم آمین۔

عقوبت خانوں سے براہِ راست

محمد جمال

اس کے بعد ایک دوسرے سے کہا چلو اسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔ میں بہت خوش ہوا کہ شاید ہسپتال میں کچھ زخم تو مندمل ہوں گے۔ لیکن ظالم مجھے تفتیش کے ایک اور مقام پر لے گئے۔ یہاں پوچھ گچھ اور گالم گلوچ اور مار پیٹ کے بعد مجھ سے کہا کہ کل رات ہم نے تمہارے ایک ساتھی کو گرفتار کیا ہے، وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ میں نے صاف انکار کر دیا کہ میرا کوئی ایسا ساتھی نہیں۔ درحقیقت میں ان کی ہر بات کو جھوٹ سمجھتا کیونکہ ان کی ننانوے فیصد باتیں جھوٹی ہی ہوتی تھیں۔ لیکن اس بار معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ سچ مچ میرے ساتھی ہی کو میرے سامنے لایا گیا۔ اس کو میرے سامنے بٹھایا گیا۔ آنکھوں کے علاوہ میرے سارے چہرے کو بھی اس کے سامنے کھولا گیا۔ اس نے پہلے صرف یہی کہا کہ میں نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے لیکن جب اس کو بے تحاشا مارا گیا تو اس نے کہا کہ یہ شخص میرے ساتھ فلاں تنظیم کے فلاں مرکز میں اکٹھا رہتا تھا اور یہ کہ اِس کے کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس نے ان ساتھیوں کے نام بھی لیے اور کہا کہ اس نے مجھے فلاں کے کہنے پر وزیرستان بھیجا تھا۔ اس دوران وہ رونے بھی لگا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے تباہ و برباد کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں نہیں جانتا، تم کون ہو جو مجھ پر جھوٹی گواہی دے کر مجھے اور میرے یتیم بہن بھائیوں کو برباد کرنا چاہتے ہو، ان یتیموں کا تو دوسرا والی بھی نہیں۔ گواہ کو جاننے سے انکار کرنے پر اللہ کے دشمن مجھے بے تحاشا مارنے لگے، کیونکہ ان بدبختوں کا آخری حربہ بھی ناکام ہونے والا تھا اس وقت "فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ" کی سی کیفیت سے یہ لوگ دوچار ہو گئے تھے اس لیے باری باری مار پیٹ اور گالیوں سے میری تواضع کرتے رہے۔

جب مایوس ہو گئے تو ایک بار پھر مجھے اپنے سیل میں لے جا کر ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیے۔ اور تین دن رات اسی حالت میں کھڑا کیا۔ میرے ہاتھ پاؤں بلکہ سارا بدن سوج گیا۔ تیسرے دن عشاء کے وقت میرے ہاتھ جو کہ اوپر لٹکا دیے گئے تھے کھولے گئے اور مجھے آرام کرنے کی اجازت مل گئی۔

میرے جسم کا کوئی حصہ ظالموں کی ضربوں سے محفوظ نہیں رہا تھا، مسلسل کھڑے رہنے سے پاؤں میں ورم آ گیا تھا۔ آسانی سے اٹھنا بیٹھنا بھی محال تھا۔ تین دن رات تک میں نے نماز تک کھڑے کھڑے پڑھی تھی۔ ہاتھ اوپر بندھے ہونے کی وجہ سے رکوع تو ممکن ہی نہ تھا البتہ سلاخوں سے پیشانی لگا کر سجدہ کرتا۔ لیکن اب ہاتھ کھلے دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ میں نے تو چونکہ کسی چیز کا اعتراف نہ کر کے دشمن کو شکست دی ہے اس لیے مجھے عن قریب رہا کیا جائے گا۔ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ اس سے بھی خطرناک عقوبت خانے میں وحشی درندوں کی ایک پوری کھیپ میرے تن بدن میں آگ لگانے کے لیے ادھار کھائے بیٹھی ہے!

طویل اور کٹھن سفر کے بعد ہمیں ایک ماڈرن اور پرسہولت لیکن خطرناک کال کوٹھری میں منتقل کر دیا گیا۔ اچھا اور معیاری کھانا۔ گرمی میں ائر کنڈیشنڈ ماحول اور صفائی کا بہترین انتظام تھا، لیکن انتظامیہ کے سب کارندے، کیا افسر اور کیا چپراسی جانوروں سے بدتر تھے۔ بدترین اخلاق، گالم گلوچ اور بات بات پر قیدیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر مارنا پیٹنا اس جیل کے روزانہ معمولات میں سے تھا۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اس سے پہلے والے عقوبت خانے ایم آئی اور دوسری ایجنسیوں کے تھے جبکہ یہ جیل ان تمام ایجنسیوں کی سردار اور سی آئی اے کی براہ راست تابع، ادنیٰ امریکی غلام اور اجرتی قاتل آئی ایس آئی کے زیر اہتمام تھا۔ اس شان وشوکت کے باوجود قیدیوں کی حالت زار ناقابل بیان تھی۔ اس جیل میں چپل وغیرہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ پندرہ دن بعد کپڑے ملتے وہ بھی پھٹے پرانے۔ باتھ روم میں پانچ منٹ سے زیادہ وقت لینے کی اجازت نہ تھی۔ ایک سیل میں دو دو تین تین قیدی ہوتے لیکن ان کو آپس میں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ تلاوت تک اونچی آواز میں کرنے پر پابندی تھی۔

عصر سے کچھ پہلے تک تو اللہ کے کرم سے کوائف لکھوانے اور تصاویر کھنچوانے میں وقت گزرا۔ اس کے بعد تفتیش کا جان لیوا مرحلہ شروع ہوا۔ تفتیش کرنے والے افسر اتنے بدبخت اور بداخلاق ہوتے تھے کہ ان کا قتل کرنا آسان تھا لیکن ان سے بات کرنا مشکل تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق انہی بدبختوں سے ایک بار پھر آمنا سامنا ہو رہا تھا۔ آج پہلی فرصت میں مجھے قلم کاغذ تھما کر حکم دیا گیا کہ جتنی جہادی تنظیموں میں کام کیا ہے ان کی تفصیل لکھو۔ یہ تفصیل لکھنے کے لیے مجھے ایک انتہائی روشن کمرے میں لے جا کر تالا لگایا۔ میں بمشکل دو صفحے لکھ سکا اور افسر کے بدبخت ہرکارے ہر دس منٹ بعد "کاغذ تو نہیں چاہیے؟" کا مکروہ نعرہ لگا کر زخموں پر نمک چھڑکتے۔ یہاں میں نے اندازے سے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں کہ وقت معلوم ہی نہیں تھا اور دن رات کی بھی کوئی خبر نہ تھی۔ آخر کار میرے دو صفحے کی تحریر افسر کو پیش کی گئی، خوش قسمتی سے اسے دیر ہو رہی تھی اس لیے آج دوبارہ میری پیشی نہیں ہوئی اور مجھے بغیر کسی مزید کارروائی کے سیل بھیج دیا گیا یہاں آ کر پتہ چلا کہ ابھی تو مغرب کا وقت بھی داخل نہیں ہوا۔

رات کو سیل میں موجود دوسرے قیدی بھائیوں سے تعارف ہوا اور ان پر تفتیش کے دوران ظلم کے جو پہاڑ توڑے گئے تھے اس کی تفصیل سن کر میرے بھی اوسان خطا ہو گئے۔ بہر حال رات

کٹ گئی۔ صبح ہوتے ہی قیدیوں کی تفتیش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ فراعنۂ عصر بیٹھے قیدیوں کی تفتیش کر رہے تھے۔ مجھے بھی ہاتھ باندھ کر اور پٹی ٹوپی پہنا کر ایک فرعون کے سامنے پیش کیا گیا۔ اللہ کے دشمن نے مجھے دیکھتے ہی میری لکھی ہوئی دو صفحے کی تحریر گندی گالیوں سمیت میرے منہ پر دے ماری اور کہا، ''یہ تو جھوٹ کا پلندہ ہے، یہاں میں نے بڑے بڑے کمانڈروں کو زیر کیا ہے تم کیا چیز ہو مجھے دھوکہ دینے والے''۔ گھنٹی بجائی تو مار پیٹ کے ماہرین دو مسٹنڈے مخصوص ڈنڈوں سمیت آدھمکے۔ مارنے کا حکم ملتے ہی وہ مجھے بے دردی سے مارنے لگے۔ پہلی جیلوں میں مار پیٹ کی وجہ سے میرے اعضا مزید سختی برداشت کرنے سے قاصر تھے لیکن پھر بھی ان کو کوئی معلومات نہیں دیں، بحمد اللہ۔ اب غصے کی وجہ سے اللہ کے دشمنوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ گالم گلوچ کے بعد ان مسٹنڈوں کو رخصت کیا گیا اور دوسرے افسروں کو بلا کر ان کے ذریعے مجھ سے منت ساجت کی گئی کہ یہ صاحب تو بڑے سخت ہیں پھر بھی تجھ سے اتنی رعایت کی اس لیے تمہاری خیر اسی میں ہے کہ سچ سچ بتا کر جلد از جلد گلو خلاصی کر لو۔ لیکن میں نہ ماننے کی پرانی ریت پر قائم رہا۔

ایک بار پھر خطرے کی گھنٹی بجائی گئی اور دیو ہیکل مسٹنڈے ڈنڈے ہاتھ میں لیے نمودار ہو گئے۔ ان جابروں کو مجھے الٹا لٹکا کر مارنے کا حکم دیا گیا۔ ایک بانس کے دونوں سرے کرسی اور میز پر اوپر رکھ کر بانس کے درمیان میں مجھے لٹکایا گیا۔ دھمکی پر دھمکیاں دی گئیں کہ مرنا چاہتے ہو یا سچ بولو گے۔ میں نے کہا سچ بولتا ہوں۔ پوچھنے لگا کن کن ''دہشت گردوں'' کا ساتھ دیا ہے۔ حیران ہوا کیا بولوں؟ میں چند سیکنڈ کے لیے خاموش ہو گیا تھا کہ میری رانوں پر ہر طرف سے کاری ضربوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ مجھے پھر بھی اللہ نے استقامت دی۔ تو اللہ کے دشمن پریشان ہوئے اور کچھ دیر بعد تفتیش کا ایک ایسا مرحلہ شروع ہوا جس کا سامنا میرے بس سے باہر تھا۔

اب باری باری گواہ آتے رہے اور میرے خلاف گواہی دیتے رہے۔ کوئی کہتا میں نے اس کو میران شاہ کے فلاں ہوٹل میں دیکھا ہے اور کوئی کہتا میں وانا کے فلاں مرکز میں مجاہدین کے ساتھ تھا۔ گواہ رخصت ہوئے تو پھر میری شامت آگئی۔ بے تحاشا مار پیٹ شروع ہوئی، گالیاں اس پر مستزاد تھیں۔ آخر کار میں نے مجبور ہو کر چار و ناچار اعتراف کیا کہ ہاں میں مجاہدین کا ساتھی تھا فلاں مجاہد کو ہوٹل میں اور فلاں کو فلاں کوٹھی میں پناہ دی تھی۔ بس اب ان کی تسلی ہوگئی۔ میرے ہاتھ پاؤں کھول کر مجھے کھڑا کر دیا گیا لیکن میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں تھا، لڑکھڑا کر گرنے لگا تو گندی گالیاں دے کہا کہ تم ڈرامہ بازیاں کرتے ہو۔ اب مجھے کرسی پر بٹھا کر نمک ملا پانی پلایا گیا اور آئندہ کے لیے اسی طرح سچ بولنے کی نصیحت کر کے سیل بھیج دیا گیا۔ سیل پہنچ کر مغرب ہو چکی تھی۔

مغرب پڑھی تو اپنے سیل میں اور دوسرے سیلوں میں موجود ساتھی تسلی دینے لگے۔ مجھے قریبی سیل میں موجود اس ساتھی کی حوصلہ افزائی کے میٹھے بول اب بھی یاد ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

''بھائی غم نہ کرو یہ اللہ کا دین ہے کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ شکر کرو ہمیں ہمارے رب نے ان نفوس قدسیہ کے مشابہ ہونے کی سعادت بخشی ہے جنہوں نے اللہ کے دین کی خاطر مار پیٹ اور ذلیل ہونے کا سامنا کیا لیکن اللہ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ ہم بھی اللہ کے دین کی نصرت کرتے رہیں گے، ان شاءاللہ!''

دوسرے سیل سے آواز آئی:

''بھائی جان ڈٹے رہنا۔ ان اذیتوں سے ہمیں دین پر استقامت نصیب ہوگی۔ صحابہ کو اسی لیے یہ دین اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز تھا کہ انہوں نے اس کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے، ان شاءاللہ!''

رات کو نماز بیٹھ کر پڑھی۔ جسم کا ہر عضو چیخ چیخ کر فریاد کر رہا تھا کہ اتنے میں قیدیوں کی محفل سجی۔ ترانوں پہ ترانے شروع ہو گئے۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا گویا جیل نہیں مجاہدین کا کوئی مرکز ہے۔ یہاں تو بات کرنے کی بھی اجازت نہ تھی لیکن عشاء کے بعد بعض اوقات جیل کے اعلیٰ حکام (ادنیٰ صلیبی غلام) غائب ہونے کی وجہ سے عام عملہ ٹی وی کے گرد بیٹھ کر قیدیوں کو بھول جاتا۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر قیدیوں کو کبھی کبھار محفل سجانے کا موقع ملتا۔ آج میری خوش قسمتی تھی کیونکہ اس محفل کی وجہ سے میں اپنے سارے دکھ اور غم بھول گیا تھا۔ ایک نظم کے بول اس طرح تھے......

نبیؐ کے صحابہؓ کے رستے پہ چل کے دلوں کا سکوں ہم نے حاصل کیا ہے
لگا ہے نشہ جب سے جنت کا ہم کو، اچاٹ اپنا جی اس جہاں سے ہوا ہے

یہ نظم ختم ہوئی تو ساتھی ایک قاری صاحب کی منت ساجت کرنے لگے کہ یار آج ضرور وہ کانٹوں والی نظم پڑھیں۔ قاری صاحب نے راضی ہو کر نظم شروع کی۔ اس نظم نے تو گویا میرے زخموں سے چور بدن کے لیے مرہم کا کام دیا۔ نظم کا 'طرح' اس طرح تھا......

راہ وفا میں ہر سو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

اس کے بعد ایک انجنیئر صاحب بغیر کسی منت ساجت کے اس طرح گنگنانے لگے......

نشیب دنیا کے اے اسیرو! فراز تم کو بلا رہا ہے
ہیں جنتیں منتظر تمہاری محاذ تم کو بلا رہا ہے

اس نظم کے دل میں اتر جانے والے چند اشعار یہ بھی تھے،

دلیل کیا مجھ سے مانگتے ہو نبیؐ کی امت کا حال دیکھو
قدم گھروں سے نکالنے کا جواز تم کو بلا رہا ہے
اذان ہی دے کے سو نہ جانا ابھی فلسطین تک ہے جانا
تمہارے مالک کا عفو بندہ نواز تم کو بلا رہا ہے

یہ محفل رات گئے تک جاری رہتی اگر بدبخت فوجی 'سب اچھا' کی آواز نہ لگاتا۔ الحمدللہ رات بڑے آرام سے کٹ گئی۔

صبح تفتیش کا خطرہ تھا لیکن شکر ہے کہ ایک ہفتے تک کوئی تفتیش نہیں ہوئی۔ بس کھاتے پیتے، تلاوت کرتے اور ایک دوسرے سے گپ شپ میں وقت گزارتے۔ گپ شپ بھی ماشاء اللہ بڑی خیر کا باعث ہوتی۔ اکثر ساتھیوں نے محاذ پر وقت گزارا تھا۔ محاذ کے بیتے دنوں کی کہانیاں بڑی دلچسپ اور سبق آموز ہوا کرتی تھیں۔ یہاں چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہم جیسے چھوٹوں کو تو اللہ نے ان اولیا سے استفادے کا ایک نادر موقع عطا فرمایا تھا۔ ان اولیا نے تو جیل کو بالکل مدرسہ بنا رکھا تھا۔ میں نے خود جیل ہی میں تجوید مکمل کی۔ جیل سے پہلے میرے لیے 'ق' اور 'ک' میں فرق کرنا مشکل تھا اور اب ماشاءاللہ 'ر' کے باریک اور پُر پڑھنے کا بھی ماہر ہو گیا تھا۔ ان اولیا کے ساتھ میری معیت کے بارے میں مجھے گرفتاری سے چند دن پہلے اشارہ مل گیا تھا۔ ہوا یوں کہ ایک دن کام پر جا کر ابھی میں نے ایک گاہک بھی فارغ نہیں کیا تھا کہ ایک قاری صاحب دکان پر آئے اور کہا کہ "بھائی جان! آج رات میں نے خواب دیکھا کہ آپ بڑے بڑے اولیا کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں"۔ پس اب اللہ نے اس خواب کی تعبیر کے مطابق جیل کی صورت میں مجھے اولیا کی صحبت نصیب فرمائی تھی۔ الغرض جیل ہمارے لیے ایک تربیت گاہ کا کام دے رہی تھی۔

تفتیش تو ختم ہو گئی۔ نسبتاً آسانی ہو گئی لیکن ہمارا آرام سے جیل کاٹنا ان بدبختوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ قیدیوں کو بات بات پر تنگ کرنا ظالموں کا معمول تھا۔ اور جب کسی نئے بندے کو گرفتار کرتے تو قیدیوں کو باری باری تفتیش کے مقام پر لے جاتے اور گرفتار شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ جان پہچان سے انکار کرنے والوں کو مارتے پیٹتے اور گالیاں دے کر واپس سیل بھجوا دیتے۔ قیدیوں کو تنگ کرنے کا ایک بہانہ 'ہفتہ وار تلاشی' تھی۔ اس دوران قیدیوں کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دے کر دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیتے، آنکھیں پہلے ہی پٹی ٹوپی سے ڈھانپ دیتے۔ تلاشی کے دوران قیدیوں کی شرم گاہوں تک پر ہاتھ پھیرتے حالانکہ اس تلاشی کی سرے سے ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ قیدیوں کو تو اپنی مرضی سے چلنے پھرنے کی اجازت بھی نہیں تھی اور تفتیش کے لیے بھی انہی کی نگرانی میں چھپے منہ آنا جانا ہوتا لیکن یہ سب صرف اپنے بغض اور کینہ پروری کی خاطر کرتے۔

اس کے بعد مجھے کئی بار الٹا لٹکایا گیا تھا اس مقصد کے لیے کہ میں ان کو مزید معلومات دوں لیکن ایک تو میرے پاس مزید معلومات تھیں ہی نہیں اور دوسرا یہ کہ اب میں دوسرے قیدی بھائیوں کی طرح چھوٹی موٹی سزائیں سہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ گویا اب ہم پر غالبؔ کا یہ شعر صادق آنے لگا تھا......

رنج سے خوگر ہُوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

آخر کار چند سال گزارنے کے بعد اللہ نے ہماری آزمائش آسان کر دی۔ میں ابھی چاشت کی نماز کی تیاری کر رہا تھا کہ مجھے ادنیٰ امریکی غلاموں کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ دو تین بدبخت افسر تھے۔ پہلے مجھے ہدایات دی گئیں کہ آئندہ کے لیے ان لوگوں سے دور رہنا اور کوئی خود سے آپ کے پاس آئے تو اس فون نمبر پر ہمیں مطلع کرنا۔ یہ ہدایت بھی کی کہ جیل میں جو کچھ دیکھا سنا ہے اس کا ذکر کسی کے سامنے نہ کرنا۔ میں نے دل میں کہا "کسی سے کہنے کا کیا فائدہ، تم تو ویسے بھی گولی کے سوا کوئی زبان نہیں جانتے"۔ پھر میرے ہاتھ باندھ کر اور ٹوپی پہنا کر گاڑی میں بٹھایا گیا اور چند کلو میٹر طے کرنے کے بعد ایک سڑک کے کنارے بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا۔ ہوش و حواس بحال ہونے کے بعد میں نے ایک شخص سے مسجد کا راستہ معلوم کیا وہاں جا کر دو رکعت نفل پڑھے اور ہاتھ اٹھائے تو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اپنے کریم اور مہربان رب کا شکر ادا کروں۔ بس اپنے رب کے سامنے روتا رہا اور روتے ہوئے بے اختیار قرآن پاک کی یہ دعا میری زبان پر جاری ہو گئی:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ!

گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح میرا ابھی سب کچھ اللہ کا دیا دوگنا ہو چکا تھا۔

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

☆☆☆☆☆

ہمیں یقین ہے کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے!

"جہاد کا راستہ دراصل تکالیف اور کانٹوں پہ سفر کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی بقدرِ قربانی ہوتی ہے کہ جتنی ایک بندے کی قربانی ہو اتنی اللہ کی مہربانی بھی ہوتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے، باطل اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے جو محیر العقول ہو اور اللہ کی مدد و نصرت کی واضح نشاندہی کرتا ہو۔ مجاہدین کا مسلسل دشمن کے خلاف ہمت و استقامت کے ساتھ دفاع کرنا، ان کے توپ، جیٹ بمبار جہازوں اور ہیوی گنوں سے مقابلہ کرنا یہ سب سے بڑی دلیل ہے اللہ کی فتح و نصرت کی!"

مولانا مفتی ولی الرحمٰن محسود شہید رحمہ اللہ

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

چھٹی کا دن تھا اس لیے سب گھر والے ہی فجر کے بعد گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ دروازے کی گھنٹی کافی دیر سے بج رہی تھی۔ دفعتاً مصعب کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو وہ اس کا سبب سمجھ ہی نہ پایا، مگر پھر گھنٹی کے دوبارہ بجنے پر ہڑبڑا کر بستر سے نکلا اور دروازہ کھولنے کے لیے بھاگا۔

دروازہ کھلا تو اس کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔ اس کے سامنے خالو جان، امینہ خالہ اور جویریہ کھڑے تھے اور ان کے برابر میں عبادہ کھڑا اپنے ازلی بے پرواانداز میں مسکرا رہا تھا۔

خوشی سے مصعب کے حواس جواب دے گئے۔ وہ جھٹکے سے واپس مڑا اور مہمانوں کو اندر بٹھانا بھول کر اندھا دھند اندر کی جانب بھاگا۔

"اماں! باباجانی! عبادہ آگیا...... اماں! باباجانی! عبادہ آگیا!" وہ زور زور سے ان کے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگا۔

اس کی آوازیں سن کر نور، ہاجر اور سعد بھی اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے اور حیرت سے مصعب کو دیکھنے لگے۔ اچانک ہاجر کی نظر عبادہ پر پڑی تو وہ معاملہ سمجھتے ہی خوشی سے نور کے ساتھ لپٹ گئی۔

"نور! عبادہ آگیا! عبادہ واپس آگیا!...... اب یہ مسئلہ ختم ہو جائے گا!" وہ خوشی سے جھومتے ہوئے بولی تو نور کے چہرے پر بھی رونق آگئی۔ جتنی دیر میں باباجانی اور اماں معاملہ سمجھ کر کمرے سے باہر آئے، خالو جان اور امینہ خالہ لاؤنج میں آچکے تھے۔ جویریہ نے نور اور ہاجر کو کونے میں کھڑا پایا تو ان کو کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ان کے پیچھے ہی کمرے میں آگئی۔

"نور! ہاجر! اب تم دونوں بھیا کے سامنے آنے سے احتیاط کرنا، کیونکہ وہ اب تم لوگوں سے پردہ کرتا ہے!" جویریہ نے سرگوشی کی تو نور اور ہاجر نے حیرت سے اس کو دیکھا گویا کہہ رہی ہوں کہ 'ہم سے بھی پردہ!!!'

اچانک باہر لاؤنج سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہ تینوں دروازے کی جانب لپکیں اور کھلے دروازے کی درز سے باہر جھانکنے لگیں۔

باباجانی کی غصے سے بھری آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ وہ قریباً چلّا رہے تھے اور کہیں سے بھی ایک مہذب خاندان کا فرد نہیں لگ رہے تھے۔

"برخوردار! تم نے کیا زندگی کو کھیل سمجھ رکھا ہے؟ ہمیں آکسفورڈ کا جھانسا دے کر یہ کون سا راستہ تم نے اختیار کیا ہے؟ کیا تم اپنے ساتھ نور کو بھی موت کے منہ میں لے جانا چاہتے ہو؟"

"خالو جان! زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے"، عبادہ نے ادب سے سر جھکا کر دھیرے سے کہا، "مجھے اس دنیا میں محض دنیا کمانے اور عیاشیاں کرنے کے لیے تو نہیں بھیجا گیا...... میری بلکہ ہم سب کی زندگی کا مقصد تو اللہ کی کامل بندگی کے ذریعے آخرت کمانا ہے"۔

عبادہ کے چہرے پر داڑھی آچکی تھی جس میں وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ البتہ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار بھی نمایاں تھے۔ جلد کی رنگت جھلس سی گئی تھی۔ نجانے کن کن حالات سے گزر کر آیا تھا۔ اس نے سادہ سی شلوار قمیض زیب تن کر رکھی تھی اور سر پر جالی دار ٹوپی تھی۔ سات ماہ کے عرصے میں وہ بالکل ایک بدلا ہوا انسان نظر آرہا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم سب جہنم میں جانے والے ہیں؟" باباجانی تیز آواز میں بولے۔ امینہ خالہ نے عبادہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"استغفر اللہ خالو جان! میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تو صرف......"، اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی مگر باباجانی اس کی بات سننے پر تیار ہی نہ تھے۔

"لوگ یہاں رہ کر بھی تو دین پر عمل کرتے ہیں؛ کیا پتھر کے زمانے میں جا کر ہی دین کا کام کرنا ضروری ہے؟" باباجانی درشتگی سے بولے۔

"خالو جان!" عبادہ پھر ادب سے گویا ہوا، "ہمیں پورے کا پورا دین میں داخل ہونے کا حکم ہے۔ ہم اپنی مرضی سے یہ نہیں کر سکتے کہ دین کے جس حکم پر چاہیں عمل کر لیں اور جسے چاہے چھوڑ دیں"، اس نے چہرہ اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

"تو کیا دین پر عمل کے لیے ہر انسان کو قبائلی علاقوں میں جانا پڑے گا؟" باباجانی استہزائیہ انداز میں بولے۔

"یہ کس نے کہہ دیا خالو جان؟" وہ ذرا سا مسکرایا اور اس کا یہ مسکرانا باباجانی کو مزید کھولا گیا۔

"کل کے بچے ہو اور ہمیں دین سکھانے چلے ہو! جو لوگ سالہا سال سے دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں کیا وہ سب غلط ہیں؟"

"بات یہ نہیں ہے خالو جان! بات دراصل یہ ہے کہ مجھے تو جہاد کرنے کا حکم ہے، لہٰذا جہاد جہاں بھی ہو رہا ہو گا میں وہیں جاؤں گا۔ نفاذِ شریعت کی خاطر جہاد آج ہر مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز اور روزہ؛ لہٰذا جہاد تو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ ہاں! البتہ کل کو اگر اسلام آباد میں جہاد شروع ہو گیا تو میں قبائلی علاقہ جات کو چھوڑ کر یہاں آجاؤں گا"۔ عبادہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"اچھا! تو اب تمہارا ارادہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے لڑنے کا ہے!!! قبائلی علاقہ جات میں تو پاک فوج ہی لڑ رہی ہے ناں!" باباجانی کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، رگیں تن گئی تھیں اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ انھیں عبادہ کا یوں بحث کرنا پسند نہیں آرہا۔ عبادہ نے کچھ بولنا چاہا تو خالو جان نے اس کو اشارے سے چپ کرا دیا۔ "میری بات غور سے سنو! اگر تمہارے یہی طور طریقے

رہے تو ہماری طرف سے تم معاملہ ختم ہی سمجھو!'' وہ بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے آہستہ آواز میں بولے اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

پوری گفتگو کے دوران پہلی بار عبادہ کے چہرے کا رنگ اڑتا نظر آیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے باباجانی کو جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چہرہ موڑ کر سوالیہ نظروں سے اماں کی طرف دیکھا، گویا پوچھنا چاہ رہا ہو کہ آپ کی اس معاملے میں کیا رائے ہے؟

اماں خاموش تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ مصعب اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے قریب بیٹھ کر انھیں اپنے ساتھ لگا کر دلاسہ دینے لگا۔ عبادہ نے بھی آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ نور، ہاجر اور جویریہ کے ساتھ ابھی تک دروازے پر لٹکی ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ اپنی ماں کی بے بسی دیکھ کر اس کا دل ٹوٹ سا گیا تھا۔ کیسے وہ سب کے سامنے تماشا بنی ہوئی تھیں۔ اس کو ڈھیروں رونا آنے لگا۔

''خالہ! فکر نہ کریں۔ ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ پریشان نہ ہوں''، وہ دھیرے سے بولا تو انھوں نے اس کے سر کا بوسہ لیا۔

''میرے بچے! میں کیا کروں؟ میں بے بس ہوں۔ تمہارے خالو کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ جب وہ کوئی بات سوچ لیتے ہیں تو اپنے بھائیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے''۔ وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگیں۔

''آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟'' عبادہ نے پر امید نگاہوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹے! مجھے تو دین کا کچھ علم نہیں، مگر تمہاری یہ بات دل کو لگتی ہے کہ اگر دین پر عمل کرنا ہے تو پورے دین پر کرنا چاہیے؛ کچھ لے لیا، کچھ چھوڑ دیا، یہ رویہ صحیح نہیں لگتا''۔

''خالہ!'' عبادہ اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے ہچکچایا۔ ''نور کے کیا خیالات ہیں اس بارے میں؟'' وہ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے کب سے بے چین تھا۔

نور کا دل دھڑکا۔ وہ اس کے خیالات بارے پوچھ رہا تھا۔ نجانے اماں کیا کہہ دیں؟

''بیٹے! نور کی تو تم فکر نہ کرو۔ وہ تو ایسی ہے کہ تم اسے افریقہ کے جنگلات میں بھی لے جاؤ گے تو وہ صبر شکر سے چلی جائے گی۔ تم بس اپنے خالو کو منانے کی فکر کرو''۔ اماں آہستگی سے گویا ہوئیں۔

خالو جان اور امینہ خالہ ان کے مابین ہونے والی گفتگو خاموشی سے سن رہے تھے۔

'یا اللہ! تو ہی یہ معاملہ سنوار دے'، نور دل ہی دل میں دعا کرتی دروازے سے ہٹ گئی۔ ہاجر اور جویریہ ابھی تک باہر ہونے والی گفتگو کی طرف متوجہ تھیں۔

☆☆☆☆☆

''عبادہ! آخر تم معاملے کی نزاکت کو سمجھتے کیوں نہیں ہو؟'' مرتضیٰ صاحب عبادہ پر بری طرح برس رہے تھے۔

''بابا! میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا؛ مگر میں کیا کروں کہ فرض کی پکار مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی''، وہ بے بسی سے بولا۔

احمد صاحب کے گھر سے آنے کے بعد سے اب عبادہ کی اس کے ماما بابا کے ہاتھوں کلاس جاری تھی۔

''تمہیں ماں باپ کی خدمت کا فرض یاد نہیں؟ ہم سے اجازت لینا بھی تمہارے نزدیک ضروری نہیں؟'' ماما چیک کر بولیں۔

''کیوں نہیں یاد ماما! لیکن جب جہاد فرض عین ہو جائے تو ماں باپ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں رہتی''۔

''تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ تمہارے ماں باپ نے تمہیں کتنی چاہت سے پڑھایا لکھایا...... اور کس طرح اپنا پیٹ کاٹ کر تمہارا آکسفورڈ میں داخلہ کروایا...... اور اب تم ہمارے ہی خوابوں کو یوں اپنے قدموں تلے کچل ڈالو گے!!'' ماما نے اس پر جذباتی حملہ کرنا چاہا مگر وہ بالکل بھی متاثر نہ لگ رہا تھا۔

''ماما! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آج مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ امت کی مائیں اپنے جوان بیٹوں کے لاشے اٹھا اٹھا کر تھک گئی ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ کفار کی قید میں روز کتنی ہی ہماری بہنوں کی عزت لوٹی جاتی ہے؟...... ماما! وہ ہمیں پکارتی ہیں! وہ ہمیں دہائیاں دیتی ہیں!'' عبادہ کہتے کہتے رو پڑا، ''ماما! وہ ہمیں خط بھیجتی ہیں کہ ہماری مدد کرو، اور اگر کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم ہمیں مار ہی دو۔ ماما! کیا ہماری جویریہ اور امت کی جویریاؤں میں صرف یہ فرق ہے کہ یہ ہمارے گھر میں پیدا ہوئی اور وہ کہیں اور؟'' اس سے مزید کچھ نہ بولا گیا اور وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

ماما، بابا اور جویریہ اس کے یوں جذباتی ہو جانے سے خود بھی کافی متاثر لگ رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی، بس عبادہ کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

''لیکن بیٹا! کیا پوری دنیا میں یہ صرف تمہارا ہی فرض ہے؟'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد ماما کی آواز سنائی دی۔ عبادہ نے اتنی عجیب نظروں سے ان کی جانب دیکھا کہ انھوں نے خفت سے چہرہ موڑ لیا۔

''ماما! اگر جویریہ کو میری آنکھوں کے سامنے کوئی کافر اٹھا کر لے جا رہا ہوتا تو کیا تب بھی آپ یہ بات کہہ سکتی تھیں؟'' عبادہ تاسف سے سر ہلا کر بولا۔

''اللہ نہ کرے! فضول باتیں کیوں منہ سے نکالتے ہو!'' بابا دہل کر بولے۔

''پھر بابا! امت کی باقی بچیاں بھی تو میری بہنیں ہیں، میری ہی ذمہ داری ہیں''۔

''تم سے بحث فضول ہے۔ نجانے کہاں سے سیکھ آئے ہو ماں باپ کے سامنے زبان چلانا۔ تمہارا دین تمہیں یہ نہیں سمجھاتا کہ ماں باپ کے آگے بولتے نہیں!!'' ماما جب لاجواب ہو گئیں تو غصے سے اٹھ گئیں۔ عبادہ بھی سرعت سے ان کے پیچھے لپکا اور ''ماما! ماما'' پکارتا ان کے پیچھے ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

دن گزرتے گئے۔ عبادہ صرف ایک ماہ کے لیے آیا تھا مگر دس دن گزرنے کے بعد ہی واپس جانے کے لیے شدید بے چین ہو چکا تھا۔ نور کے لیے حالات تاحال ویسے ہی تھے۔ عبادہ کا مسئلہ پورے خاندان کا پسندیدہ موضوع بنا ہوا تھا۔ جہاں چند افراد اکٹھے ہوتے اسی پہ بحث چھیڑ دیتے۔

عبادہ کی واپسی کے دن قریب آ گئے تھے۔ آج وہ اپنی فیملی کے ساتھ احمد صاحب کے گھر ان کو الوداع کہنے جا رہا تھا...... اس بات سے بے خبر کہ اس کے لیے کیسا طوفان منتظر ہے۔

☆☆☆☆☆

خاندان کے سب ہی چھوٹے بڑے تایاجان کے لاؤنج میں پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ خالو جان اور امینہ خالہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ وہیں موجود تھے۔ عبادہ سر جھکائے سب کے درمیان خاموشی سے بیٹھا تھا۔ جبکہ نور کونے میں بیٹھی اپنی اماں کے سینے سے لگی ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی۔

باباجانی کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ عبادہ کی واپسی کا سن کر انھوں نے فیصلہ سنا دیا کہ وہ ابھی اور اسی وقت معاملہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مصعب نے یہ کہہ کر مخالفت کرنا چاہی کہ آپ نور کی مرضی تو دریافت کر لیں تو اسے یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ ''نور کو اپنے اچھے برے کا کیا پتا''۔

تایاجان اور موحد چچا نے بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ اتنا پرانا معاملہ یوں ایک چھوٹی سی بات پر ختم نہیں کرنا چاہیے، مگر ان کی بھی باباجانی کے سامنے ایک نہ چلی۔ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ انجام کار یہ ہوا کہ خالو جان نے بھری محفل میں غصے سے امینہ خالہ سے کہہ دیا کہ آئندہ میں کبھی تمہیں اس خاندان سے رابطہ کرتے نہ دیکھوں اور جویریہ اور عبادہ کو باہر چلنے کا کہہ کر گھر سے نکل گئے۔

تایاجان اور موحد چچا کی ملامت سن کر باباجانی بھی بپھر گئے اور تیز تیز قدم اٹھاتے گھر سے نکل گئے۔

امینہ خالہ نے بے ساختہ نور کو اپنے سینے سے لگا لیا اور رونے لگیں۔ آخر جویریہ اور عبادہ آگے بڑھے اور امینہ خالہ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ دونوں نے اپنی اکلوتی خالہ کو بوجھل دل سے سلام کیا کہ نجانے کب دوبارہ ان کی شکل دیکھ سکیں۔ اماں نے بھی روتے ہوئے ان سب کو رخصت کیا۔

عبادہ امینہ خالہ اور جویریہ کو گاڑی میں بٹھا کر کسی بہانے سے باباجانی کو ڈھونڈنے دوبارہ اندر آ گیا۔ پھر باباجانی کو نہ پا کر تایاجان اور موحد چچا سے نہایت عاجزی سے سلام اور دعاؤں کی درخواست کر کے اور باباجانی کو سلام کہہ دینے کا کہہ کر مصعب اور سعد کو الوداع کہتا باہر نکل گیا۔ وہ سب اداس دلوں کے ساتھ اس کو جاتا دیکھتے رہے۔

عبادہ بھی بوجھل دل لیے، من من بھاری قدم اٹھاتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، جہاں خالو جان بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

نور کا رشتہ ختم ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ اس دن سے اب تک پورے گھر پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ خالہ، عبادہ یا جویریہ کے ذکر پر سب گھر والے ہی افسردہ ہو جاتے۔ باباجانی سب گھر والوں کا طرزِ عمل دیکھ رہے تھے مگر جاننے کے باوجود انجان بنے ہوئے تھے۔

اماں اور امینہ خالہ کا رابطہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ایک آدھ دفعہ امینہ خالہ اور اماں نے چپکے سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر دونوں کے شوہروں کو پتا چل گیا اور ان کو خوب دھمکیاں سننی پڑیں، جس کے بعد دونوں نے اسی میں عافیت جانی کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے، شاید آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کر دے۔

☆☆☆☆☆

آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ آندھی اور تیز بارش کا شور ہر طرف گونج رہا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اسلام آباد کو گہرے بادلوں نے گھیر رکھا تھا۔ دوپہر ہونے کے باوجود لگتا تھا کہ سورج غروب ہونے والا ہو۔

نور اپنے بستر میں گھسی عبادہ کی دی ہوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ ہاجر اپنے بستر پر نیم دراز، کانوں میں ہیڈ فون لگائے لیپ ٹاپ پر کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔ مومنہ نے چند روز قبل ہی اسے مختصر الفاظ میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا تصور سمجھا دیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ مومنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا کہ:

''یورپ میں نویں صدی عیسوی میں چرچ یعنی عیسائی مذہبی رہنماؤں کا بادشاہت کے ساتھ ایک مضبوط جوڑ قائم ہوا۔ یہ سب اپنے نفس اور شیطان کے بندے تھے۔ الٰہی تعلیمات سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ نتیجتاً (Holy Roman Empire) مقدس رومی سلطنت کے نام پر ایک ایسی حکومت وجود میں آئی جو بادشاہ، کلیسا اور جاگیرداروں کا گٹھ جوڑ تھی اور اس گٹھ جوڑ کو انھوں نے خدائی اختیارات دے رکھے تھے۔ مزید یہ کہ عوام کو ان کے رب اور اس کی عطا کی ہوئی شریعت سے برگشتہ کرنے کے لیے اس خود ساختہ شیطانی حکومت کو ''اللہ کی حکومت'' اور بادشاہ کو ''ظلّ الٰہی'' قرار دیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ یورپ میں ظلم و جبر، عوام کا استحصال اور خواتین کی عصمت دری عام ہو گئی۔ عوام کے لیے بائبل پڑھنا ممنوع تھا اور کسی بھی قسم کے علمی و تحقیقی کام کی سزا زندہ جلا دیا جانا تھا۔ اس طرح وہاں مذہب اور آزادی، تعلیم اور سائنس کے درمیان کشمکش کے سیاہ دور کا آغاز ہوا۔ تقریباً چار پانچ سو سال کی کوششوں سے ان لادین عیسائیوں نے سترہویں صدی عیسوی میں انقلابِ فرانس کی صورت میں آزادی حاصل کر لی

اور چونکہ وہ اللہ کے دین سے برگشتہ تھے لہٰذا انھوں نے بادشاہت کو ختم کر کے درست الٰہی تعلیمات کے نفاذ کی بجائے، نظامِ جمہوریت نافذ کر دیا"۔

کتاب میں قیامت کی چھوٹی نشانیوں سے متعلق باتیں پڑھ کر نور کو خوف محسوس ہو رہا تھا اور سردی کے باوجود اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور نظر اٹھا کر ہاجر کی طرف دیکھا۔ وہ مکمل طور پر فلم میں منہمک تھی، اس سے بے خبر کہ قیامت ان سے کتنی قریب ہے۔ نور نے جھرجھری سی لی اور دوبارہ کتاب کی جانب متوجہ ہو گئی۔

پڑھتے پڑھتے جب وہ اس مقام پر پہنچی کہ جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث درج تھی کہ اسلام کی سب سے آخر میں ٹوٹنے والی کڑی نماز ہو گی تو بے اختیار اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ وہ میکانیکی انداز میں اٹھی اور وضو کرنے باتھ روم میں گھس گئی۔

وضو کے بعد جب اس نے نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز بچھائی تو ہاجر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، "نماز پڑھنے لگی ہو؟"

"ہاں!" وہ دھیرے سے بولی تو ہاجر نے بھی نجانے کیا سوچ کر لیپ ٹاپ کا فلیپ بند کیا اور اٹھ گئی۔ دو منٹ بعد وہ بھی نور ساتھ کھڑی نماز پڑھ رہی تھی۔ نور نے نماز مکمل کر کے جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار ہی اس کو ڈھیر سارا رونا آ گیا۔ وہ خود بھی اس کی وجہ نہ سمجھ پائی۔ ہاجر نماز پڑھ کر دوبارہ لیپ ٹاپ کھول چکی تھی۔

وہ کافی دیر دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے بیٹھی رہی۔ آج کم از کم بھی دو یا تین سال کے بعد اس نے نماز پڑھی تھی۔ بچپن میں کسی نے نماز سکھائی ہو گی مگر بڑے ہو کر اس کو کبھی نماز پڑھنے کی توفیق نہ ہوئی تھی، اس لیے اب اس کو کچھ سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ کیا دعا مانگے۔ آخر وہ صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا قرب مانگ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

کتاب جہاں سے چھوڑی تھی، وہیں سے دوبارہ شروع کی۔

جب وہ جہاد کے بیان پر پہنچی تو یہ حدیث پڑھ کر اسے جھٹکا سا لگا۔ لکھا تھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسلام ابتدا میں اجنبی تھا اور عن قریب یہ دوبارہ اجنبی ہو جائے گا، پس خوش خبری ہو اجنبیوں کے لیے"۔

نور یہ پڑھ کر سوچ میں پڑ گئی۔ اسلام کیسے اجنبی ہو جائے گا جبکہ دنیا میں ہم مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہیں؟ وہ کون لوگ ہوں گے جن کے لیے خوش خبری ہے؟ وہ یہ سوچ کر آگے پڑھنے لگی کہ شاید اسی کتاب سے اسے اپنے سوالات کا جواب مل جائے۔ لکھا تھا:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی عادل (بادشاہ) کے عدل یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جا سکتا"۔

نور پھر چونک اٹھی۔ کون ہوں گے یہ لوگ جو جہاد کرتے رہیں گے؟

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا!...... عبادہ!...... ہاں! عبادہ بھی تو جہاد کرنے ہی گیا ہے۔ نور کا دماغ چکرانے لگا۔ تمام حدیثیں سمجھ میں آنے لگی تھیں۔ وہ بھی تو ہمارے معاشرے میں، اپنے ہی لوگوں کے بیچ، اپنے خاندان میں 'اجنبی' بن گیا تھا۔

نور بستر پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور خالی خالی نظروں سے ہاجر کی طرف دیکھنے لگی۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنی بے مقصد زندگی گزار رہی ہے اور یہ کہ اس کی زندگی کا مقصد پڑھ لکھ کر زیادہ پیسے کما لینے اور اچھا پہن اوڑھ لینے سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا۔ وہی مقصد جو عبادہ نے باباجانی کے سامنے بیان کیا تھا، یعنی اللہ کی مکمل بندگی، مکمل سپردگی اور اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرنا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ہاجر!"

ہاجر نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ہاجر! سنو تو!"

"اوں ہوں نور! ابھی نہیں بھئی!" ہاجر مچل کر بولی۔

"سنو ناں ہاجر!"

"ابھی نہیں سن سکتی، فلم کا کلائمکس ہے"، ہاجر لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔

"نہیں! پہلے میری بات سنو، بہت ضروری ہے"، نور بے چین ہو کر بولی۔

اب کی بار ہاجر نے نظریں ترچھی کر کے اس کی جانب دیکھا اور اس کے تاثرات دیکھ کر بالآخر لیپ ٹاپ بند کیا اور کانوں سے ہیڈ فون نکال دیے۔

"اب بولو! کیوں پریشان ہو؟"

"بہت بڑا مسئلہ ہے، تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ زندگی موت کا مسئلہ ہے!" وہ دھیرے سے بولی اور پھر ہاجر کے دلچسپی ظاہر کرنے پر اس نے وہ ساری باتیں آسان الفاظ میں اس کے گوش گزار کر دیں جو اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ دو سال گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ نور کالج سے فارغ ہو کر یونیورسٹی میں آ گئی۔ ابو بکر یونیورسٹی کے فائنل ایئر میں تھا۔ باباجانی اس کے ڈپریشن بارے جان لینے کے باوجود اسے واپس بلوانے پر تیار نہ تھے۔

ابو بکر دین سے بہت قریب ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت اس گھر کے مکینوں پر پڑ چکی تھی۔ مصعب، نور اور ہاجر تینوں ہی دھیرے دھیرے دین سے قریب ہونے لگے۔ مصعب باجماعت نماز کی پابندی کرنے لگا تھا اور چھوٹی چھوٹی داڑھی بھی رکھ لی تھی، جبکہ نور اور ہاجر کا پہلا قدم سر ڈھانپنا اور باقاعدگی سے نماز پڑھنا تھا۔ تینوں نے گانے سننے سے بھی توبہ کر لی تھی۔

ان تینوں بہن بھائیوں میں آنے والی یہ تبدیلیاں کسی سے چھپی نہ رہ سکی تھیں اور یوں پورا خاندان ہی ان کے پیچھے پڑ گیا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب خود ہی ٹھنڈے پڑ گئے۔ عبادہ سے نور کا رشتہ ختم ہوئے سال بھر بھی نہ گزرا تھا کہ باباجانی نور کے لیے دنیادار قسم کے رشتے ڈھونڈنے لگے۔ اماں بھی بادل نخواستہ ان کا ساتھ دیتیں، حالانکہ دل سے وہ اب بھی اپنے بھانجے کو ہی چاہتی تھیں۔

ان ہی دنوں ملک کے قبائلی علاقہ جات میں فوجی آپریشن شروع ہو گیا۔ اخباروں میں روز ہی خبریں چھپتیں کہ فلاں جگہ اتنے عسکریت پسند مارے گئے اور اتنے گرفتار کر لیے گے۔ ان خبروں کی وجہ سے اماں بہت پریشان رہتی تھیں کیونکہ ان کے پاس عبادہ کی خیریت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کوئی کہتا کہ عبادہ مر چکا ہے، کوئی کہتا کہ گرفتار ہو گیا ہے، کوئی کہتا کہ گھر واپس آ گیا ہے...... غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

آخر تنگ آ کر اماں نے عزیر ماموں سے پتا کروانے کی ٹھانی۔ پہلے تو وہ امینہ خالہ کے بارے میں بات کرنے پر ہی تیار نہ تھے کہ آج کل کے حالات میں عبادہ جیسوں کے خاندان سے تعلق رکھنا ہی خطرناک تھا۔ محض تعلقات کا شک پڑ جانے پر بھی لوگوں کی جانوں کو خطرہ تھا۔ آخر کار مشکل سے بس اتنا ہی پتا چلا کہ تین ماہ پہلے خبر ملی تھی کہ عبادہ گرفتار ہو گیا ہے مگر اب معلوم نہ تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا اسے مار دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

سردیوں کا موسم تھا اور چھٹی کا دن۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے مگر نور ابھی تک مزے سے گرم لحاف میں گھسی خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی کہ دفعتاً ہاجر دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"نور! نور! جلدی اٹھو! ابھی تک سوئی پڑی ہو؟ باباجانی کے فرینڈ اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں"، اس نے آگے بڑھ کر نور کے اوپر سے لحاف کھینچا۔

"ہاجر! تمہیں اللہ ہدایت دے، سردی ہے! لحاف واپس کرو!" نور سردی سے ٹھٹھر کر بولی۔

"نور محترمہ! دن کے گیارہ بج رہے ہیں، اب اٹھ بھی جاؤ!" ہاجر نے اس کو جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"گیارہ بج گئے؟ اِنّاللہ وِانّا اِلیہ راجعون......! میں نے تو فجر بھی نہیں پڑھی!" وہ پریشانی سے بولی اور پاس پڑا موبائل اٹھا کر چیک کرنے لگی۔ "حیرت ہے! الارم کیوں نہیں بجا؟"

"بجا تھا، میں نے بند کر دیا تھا! نیند میں پتا ہی نہیں چلا"، ہاجر خجالت سے بولی۔

نور نے گھور کر اس کو دیکھا۔

"نماز قضا کروا دی میری۔ خود پڑھی ہے؟"

"ہاں! بس آخری وقت میں پڑھی ہے اسی لیے تمہیں جگا نہیں سکی"، ہاجر یہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھی مگر پھر کچھ سوچ کر واپس مڑی، "نور! اجمل انکل آج اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں...... تم تیار ہو جانا"، وہ دھیرے سے بولی تو نور کا چہرہ اتر گیا۔

"کم آن یار! پریشان نہ ہو، جو ہو گا بہتر ہی ہو گا"۔

"ٹھیک ہے!" نور غائب دماغی سے بولی اور باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆☆☆

مہمان آ چکے تھے اور نور ابھی تک اپنے کمرے سے نہ نکلی تھی۔ ہاجر اس کو بلانے کے لیے کمرے میں گئی تو وہ سُتا ہوا چہرہ لیے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"کم آن نور! فکر کیوں کرتی ہو؟" ہاجر اس کو غمگین دیکھ کر خود بھی دکھی ہو گئی، "ایوری تھنگ ول بھی فائن! (سب ٹھیک ہو جائے گا)"۔

"ہاجر! تھک گئی ہوں میں یوں شو پیس بن بن کر!" اس نے خفگی سے کہا۔

دو سال کے عرصے میں نجانے یہ کونسا واں رشتہ تھا جو نور کے لیے آیا تھا۔ نور تو سب ہی کو پسند آئی تھی مگر باباجانی نے رشتے کے معاملے میں اتنی باریک چھلنی لگائی تھی کہ کوئی رشتہ ان کے معیار پر پورا ہی نہ اترتا تھا۔

"فکر نہ کرو! امید ہے کہ یہ رشتہ باباجانی کو پسند آ ہی جائے گا"۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"اس کے پاپا آرمی میں کرنل ہیں ناں!...... یار! انکل اجمل کے بیٹے کا رشتہ ہے...... اس نے خود بھی شاید آرمی جوائن کی ہے۔ گھرانہ بھی اچھا اور دیکھا بھالا ہے۔ اور پتا ہے کیا......!" وہ اچانک رازداری سے بولی، "باباجانی تو شاید ہاں بھی کر چکے ہیں...... بس آفیشلی ہی معاملہ طے ہونا ہے"۔

"اچھا!" وہ دھک سے رہ گئی۔

"اچھا اب آ بھی جاؤ! مہمان اتنی دیر سے انتظار کر رہے ہیں"، ہاجر اس کو بیڈ سے زبردستی اتار کر قریباً کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے گئی۔

☆☆☆☆☆

مہمان جا چکے تھے۔ سب گھر والے لاؤنج میں بیٹھے آج کے معاملے پر غور کر رہے تھے۔

"اچھا لگا ارمغان!...... کیوں مصعب؟" باباجانی کہہ رہے تھے۔

"جی اچھا ہی لگ رہا تھا"۔ مصعب دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر بولا، "بس ذرا مغرور سا لگا تھا"۔

شاید مصعب کو ارمغان پسند نہ آیا تھا۔

"ارے نہیں! اس نے ابھی ابھی آرمی جوائن کی ہے...... نئے نئے فوجی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا"، باباجانی جب کچھ سوچ لیتے تو انھیں ان کی رائے سے ہٹانا بہت مشکل تھا، اس لیے وہ خاموش ہو گیا۔

"کیوں فریحہ؟" باباجانی اماں کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ہاں! اس کی امی تو بہت اچھی تھیں مگر مجھے تو سب سے زیادہ اس کی چھوٹی بہن لائبہ پسند آئی۔ بہت سویٹ بچی ہے"۔ اماں کو پتا تھا کہ مخالفت کی گنجائش نہیں ہے ورنہ مسئلہ کھڑا ہو جائے گا، "مگر" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں، "نور کے سکارف پر انھیں اعتراض تھا"۔

"ہوں!" باباجانی نے ہنکارا بھرا، "اوکے نور! ہم ہاں کر رہے ہیں،...... کوئی ایشو تو نہیں؟" باباجانی نے کارپٹ پر بیٹھی نور کو مخاطب کیا۔ اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ابو بکر! تم کب تک آسکتے ہو؟" ابو بکر فون کان سے لگائے ایک سٹور سے نکل رہا تھا۔

"اماں! ابھی تو میرے ایگزیمز ہیں، اگلے مہینے تک ہی آسکتا ہوں"۔

"چلو ٹھیک ہے! اگلے مہینے ہی منگنی کا فنکشن رکھ لیں گے۔ تم آنے کی کوشش کرنا"، اماں کی آواز سنائی دی۔

"اماں! ارمغان کیسا ہے؟ عرصہ ہو گیا ہے اس سے ملے ہوئے"، وہ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ اماں اس کی بات سن کر خاموش ہو گئیں گویا کسی گہری سوچ میں ہوں۔ اس نے اپنا رخ اپارٹمنٹ کی جانب کر لیا۔

"لگتا تو اچھا ہی ہے...... اس کی بہن بھی بہت اچھی ہے مگر...... اس کی امی ذرا تیز سی لگ رہی تھیں؛ پہلے ہی دن نور کے سکارف پر اعتراض کر رہی تھیں"، کچھ دیر بعد اماں کی آواز سنائی دی۔

"اماں! آپ پہلے ہی ان کو کلیئر کر دیں کہ نور سکارف لے گی، ورنہ بعد میں مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے"، ابو بکر چونک کر بولا۔

نیویارک کی سڑکوں پر گاڑیاں تیزی سے رواں دواں تھیں۔ ابو بکر نے بائیں دائیں دیکھ کر سڑک پار کی۔

"بیٹا! تمہارے بابا اور میں نہیں چاہتے کہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ اگر ارمغان کو کوئی اعتراض ہوا تو شادی کے بعد دونوں میاں بیوی خود ہی معاملہ ہینڈل (سنبھال) کر لیں گے"۔

"مگر اماں!......" ابو بکر نے اختلاف کرنا چاہا تو اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم ابھی چھوٹے ہو ابو بکر! بڑوں کے معاملات میں مت بولو"، اماں کے لہجے میں ناگواری صاف محسوس کی جا سکتی تھی، "پہلے ہی تمہارے باباجانی کو کوئی رشتہ پسند نہیں آرہا تھا"۔

(باقی صفحہ نمبر 63 پر)

عالَمِ اسلام کی بیماری

موجودہ عالم اسلام کی بیماری، پریشانی اور بے اطمینانی نہیں ہے، بلکہ حد سے بڑھا ہوا اطمینان و سکون، دنیا کی زندگی پر قناعت اور حالات سے مصالحت ہے، آج دنیا کا عالمگیر فساد اور انسانیت کا زوال اور ماحول کی خرابی اس کے اندر کوئی بے چینی نہیں پیدا کرتی، اس کو زندگی کے اس نقشہ میں کوئی چیز غلط اور بے محل نظر نہیں آتی، اس کی نظر میں اپنے ذاتی مسائل اور مادّی فوائد سے آگے نہیں بڑھتی، اس کی موجودہ افسردگی اور مُردہ دلی کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کا پہلو خلش سے اور اس کا دل تپش سے خالی ہے۔

طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

اس لیے ضروری ہے کہ یہ مبارک کش مکش پھر پیدا کی جائے اور اس اُمت کا سکون برہم کیا جائے، اس کو اپنی ذات اور اپنے مسائل کی فکر کے بجائے (جو جاہلی قوموں کا شعار ہے) انسانیت کا درد و غم، ہدایت و رحمت کی فکر اور آخرت اور محاسبہ الٰہی کا خطرہ پیدا ہو، اس اُمت کی خیر خواہی اس میں نہیں ہے کہ اس کے لیے سکون و اطمینان کی دعا کی جائے بلکہ اس میں ہے کہ اس کے لیے درد و اضطراب کی دعا کی جائے اور برملا کہا جائے:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

سلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

گھر کے اندر قدم رکھتے ہی وہ ایک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گئے۔ صبح گھر سے جاتے ہوئے وہ اسی لاؤنج سے گزر کر نکلے تھے، مگر اب کہیں سے لگ ہی نہ رہا تھا کہ یہ وہی کمرہ ہے۔ پورے کمرے میں جگہ جگہ اصلی و نقلی پھولوں سے آرائش کی گئی تھی۔ شیفون، سِلک اور جالی کے رنگ برنگے دوپٹے بڑے قرینے سے مختلف جگہوں سے یوں لٹکائے گئے تھے کہ وہ نہایت حسین تاثر دے رہے تھے۔ کمرے کی چاروں دیواروں پر رنگین برقی قمقموں کی تار بل کھاتی گزر رہی تھی، اور اس پر جلتے بجھتے قمقمے کسی تقریب کی سی فضا پیدا کیے ہوئے تھے۔ وہ حیران نظروں سے اس تمام آرائش و زیبائش کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھے۔ لاؤنج، اس سے متصل چھوٹی سی گیلری، گیلری میں کھلنے والے تمام دروازے بند تھے مگر یہاں انہوں نے نوٹ کیا کہ ہر دروازے پر لگے آرائشی پھولوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی کارڈ آویزاں تھا جس پر کوئی ننھا سا پیغام تحریر تھا۔ پہلے ہی دروازے پر چسپاں کارڈ پر افشاں رنگ مار کر سے لکھا تھا 'میں پھول ہوں، مجھے مہکنے دو!'، اگلا دروازہ یہ پیغام لیے ہوئے تھا 'مسلی ہوئی کلیوں کو ہر رنگ میں کھِنے دو!'۔ گیلری کا اختتام ڈائننگ روم کے دروازے پر ہوتا تھا، اور اسی میں کچن کا دروازہ بھی کھلتا تھا۔ وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے مگر ڈائننگ روم اپنے معمول کے مطابق ہی تھا۔ گویا کہ تقریب اور اس کی تمام سج دھج لاؤنج اور گیلری تک محدود تھی۔ انہیں اپنے پیچھے کسی دروازے کے کھلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ہلکی ہلکی ہنسی کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ فوراً پلٹے، سامنے ہی فائزہ بیگم اور بینش، دونوں اپنے بہترین جوڑوں میں ملبوس، ہادیہ و جویریہ کے کمرے سے نکل رہی تھیں۔

'فائزہ!'، ان کی آواز پر وہ ٹھٹک کر پلٹیں، بینش بھی رک گئی تھیں۔ 'یہ سب کیا ہو رہا ہے آج؟'، انہوں نے ہاتھ سے اپنے اطراف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

'یہ...... عثمان آج بچیوں نے خاص طور پر اپنا دن منایا ہے، پھولوں کے دن کے نام سے۔ یہ سب کچھ انہوں نے خود کیا ہے۔ صبح سے لگی ہوئی تھیں ساری کاموں پر۔ سارا گھر سجایا ہے، کچھ سنیکس کا بھی انتظام خود ہی کیا۔ مجھے تو ان کی ساری پلاننگ معلوم ہی نہ تھی، دوپہر کو میڈیا والے آئے تو پتہ چلا کہ ان بچیوں نے تو پوری تقریب کا انتظام کیا ہوا ہے......'، فائزہ بیگم فخریہ مسکراتے ہوئے انہیں تفصیل سنا رہی تھیں۔

'...... میڈیا والے؟؟ کون سے میڈیا والے آئے ہیں؟...... یہ کیا ہو رہا ہے؟ کون سا دن منایا ہے تم سب نے؟......' عثمان صاحب حیران و ششدر کھڑے تھے۔

'پھولوں کا دن...... یعنی لڑکیوں کا دن۔ آج سے ان بچیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہر پلیٹ فارم پر آواز اٹھائیں گی۔ اصل میں تو یہ سب نسرین کی خاطر کیا ہے۔ تاکہ نسرین کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، آئندہ کبھی کوئی اور لڑکی ایسی زیادتی کا شکار نہ ہو۔ اس کے لیے انہوں نے پورا لائحہ عمل طے کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ لڑکیوں کو بہادر، آزاد اور خود مختار بننا ہو گا، اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے۔ پھر یہ جو تقریب کی ہے ناں ساری، اس کی کوریج کے لیے بی بی سی اردو والوں کے دو رپورٹر بھی آئے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ پوری ویڈیو رپورٹ جاری کریں گے۔ ٹی وی پر تو شاید نہیں...... مگر انٹرنیٹ پر کریں گے......' فائزہ بیگم کی خوشی اور جوش و خروش دیدنی تھا۔

'اور یہ سب کس کی اجازت سے ہو رہا ہے؟...... کیا صولت آپا بھی ہیں یہاں؟'، عثمان صاحب نے قدرے سخت لہجے میں ان سے پوچھا۔

ان کے اس سوال پر بینش نے انہیں عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ فائزہ بیگم کوئی جواب دیتیں، وہ بول اٹھی تھی، 'آپا نہیں آئیں، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن جہاں تک اجازت کا سوال ہے تو کیا عورت کو کوئی اچھا اور نیک کام کرنے سے پہلے بھی پوری دنیا سے اجازت لینے کی ضرورت ہے؟'۔

نبیلہ، فاطمہ، ہادیہ اور جویریہ کی مصروفیات اپنے عروج پر تھیں۔ چھوٹے چھوٹے نعروں اور پیغامات کی صورت میں اپنی دعوت پھیلانے کا کام جویریہ کے سپرد تھا۔ اس کا دماغ رنگوں اور آرائش و زیبائش کے کاموں میں خوب چلتا تھا، لہٰذا وہ چارٹ پیپر سے ننھے ننھے کارڈز کی صورت میں انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب شو کارڈ، پوسٹر اور بلے کارڈز تیار کرتی جنہیں وہ گھر میں جگہ جگہ آویزاں کر دیتی۔ فاطمہ نے انٹرنیٹ کا محاذ سنبھال رکھا تھا۔ وہ اپنی تحریک میں پیدا ہونے والی نئی صورت حال لمحہ بہ لمحہ انٹرنیٹ پر اپڈیٹ کرتی رہتی۔ ہر نیا نعرہ اور ہر نیا پوسٹر جو گھر میں آویزاں ہوتا، وہ ساتھ ہی فیس بک، ٹوئٹر، انسٹاگرام اور دیگر ویب سائٹس پر بھی چڑھ جاتا، سنیپ چیٹ اور ٹک ٹاک کے لیے پوری علیحدہ پلاننگ تھی۔ مگر ان سب میں شاید سب سے زیادہ مصروف نبیلہ اور ہادیہ ہی تھیں۔ کہ انہیں ذہنوں اور دلوں کا محاذ درپیش تھا۔ لوگوں کے سوالات کے جواب، اعتراضات کا ردّ، اپنی دعوت کے حق میں دلائل اور پورے گھر کی ذہنی تیاری انہوں نے اپنے ذمّے لے رکھی تھی۔

نبیلہ کی کوشش ہوتی کہ نسرین کو بھی ساتھ ساتھ رکھے، تاکہ وہ جس صدماتی کیفیت کا شکار ہو کر حد سے زیادہ تنہائی پسند اور گوشہ نشین ہوتی جا رہی تھی، وہ اس سے باہر نکلے۔ وہ اس کے سامنے مسلسل ان باتوں کی تکرار کرتی رہتی کہ اسے اپنے آپ کو مضبوط بنا کر اپنے مسائل کا حل خود تلاشنا ہو گا۔ وہ چاہتی تھی کہ نسرین اپنے آپ کو اس حد تک مضبوط، بااختیار اور قابل بنائے کہ ارشد سے ہر ظلم و زیادتی کا پورا پورا بدلہ لے سکے۔ صولت بیگم اس کی اس سوچ سے

متفق نہ تھیں، ان کا خیال تھا کہ یہ محض قسمت کی بات تھی کہ نسرین کے حصّے میں جو شخص آیا، وہ اس کے قابل نہ تھا۔ وہ نبیلہ کے اندر دہکتی انتقام اور غصّے کی آگ سے خائف تھیں اور ہر وقت اسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ عورت کو زندگی میں بہت دیکھ بھال اور سنبھل کے قدم اٹھانا ہوتے ہیں۔ کوئی چھوٹی سی غلطی بھی کسی بھیانک انجام پر منتج ہو سکتی ہے۔ مگر اس معاملے میں نبیلہ ان کی ایک بھی سننے پر تیار نہ تھی۔

'آپ لوگوں نے سب کی ایک سوچ بنادی ہے۔ آپ لوگوں کا ذہن اس طرح کام کرتا ہے کہ جس عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو اور وہ اسے خاموشی سے سہتی رہے، بس اللہ کا نام لے کر برداشت کرتی رہے اور دعاؤں سے کام چلاتی رہے، وہ بہت اچھی نیک بی بی ہے۔ ہاں اگر وہی عورت اپنے اوپر مزید ظلم برداشت کرنے سے انکار کر دے، کہے کہ میں اپنے حق کی خاطر لڑوں گی، اپنی قسمت خود بناؤں گی، کوئی زیادتی نہیں برداشت کروں گی، تو وہ بری ہے۔ بس وہ تو بے حیا ہے، چڑیل ہے، آزاد عورت ہے۔ اس کا ذکر کرنا بھی آپ لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ لیکن اچھی طرح سن لیں، اگر میں بدتمیز اور چڑیل ہوں تو یونہی سہی، مگر میں نہ تو اپنے ساتھ اور نہ اپنی بہنوں کے ساتھ مزید کوئی زیادتی برداشت کروں گی اور نہ آپ لوگوں کے پرانے فرسودہ طریقوں اور خیالات پر عمل کر کے انہیں کسی اور تجربے کی نذر کروں گی'۔ اس کا انداز صاف اور دوٹوک تھا۔

ماں کی جانب سے مخالفت کی وجہ سے اس کا اکثر وقت عثمان اور جاوید صاحب والے پورشن میں گزرتا تھا۔ بینش چچی اس کے خیالات اور ارادوں سے صد فیصد متفق تھیں، اور ہر ہر کام میں ان کی جانب سے مدد اور حمایت یقینی ہوتی تھی۔ فائزہ چچی سادہ مزاج اور طبیعت کی مالک تھیں۔ وہ اکثر اس کے انقلابی خیالات سن کر قدرے پریشان ہو جاتیں، کہ اتنے بڑے بڑے خیالات اور ارادے ان کے نزدیک چند لڑکیوں کے بس کی بات نہ تھی۔ مگر اگر وہ ان کی حوصلہ افزائی اور حمایت نہ کرتی تھیں تو مخالفت بھی نہ کرتی تھیں۔ نبیلہ کے لیے اتنا بھی بہت تھا۔ اس کی دعوت کا ہدف خواتین تھیں، اسے جہاں کہیں دونوں چچیاں، یا نسرین یا اور کوئی نہیں تو سلمیٰ، لبنیٰ یا آپا جی ہی فارغ نظر آتیں تو وہ ان کے پاس پہنچ جاتی اور کوئی نہ کوئی مسئلہ چھیڑ دیتی۔

'...... آپ ہی بتایئے، کیا والدین کی خدمت بیٹیوں پر فرض نہیں؟ مگر ہمارے ہاں عجیب اصول ہے۔ بیٹی شادی کے بعد دوسرے گھر چلی جاتی ہے اور وہاں جا کر ساس سسر کی تو خوب خدمت کروائی جاتی ہے مگر اگر والدین کی خدمت کے لیے گھر جانے کی بات کرے تو فوراً سب کے موڈ بگڑ جاتے ہیں......'، یہ فائزہ بیگم کی دکھتی رگ تھی، ان کے والدین بزرگ بھی تھے اور ضعیف بھی مگر دوسرے شہر میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے انہیں کئی کئی ماہ بعد میکے جانے کا موقع ملتا تھا۔

'...... حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ساس سسر کی خدمت بیٹے کا فرض ہے، بہو کا نہیں۔ مگر ہمارے یہاں کے مرد اپنی سب ذمہ داریاں بیوی کے کندھے پر ڈال کر خود ہر چیز سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی احساس دلاؤ تو آگے سے اپنا یہ احسان جتلا دیتے ہیں کہ میں تمہارے لیے کما کر نہیں لاتا؟ بھئی میں تو کہتی ہوں کہ عورت اپنے لیے خود کمائے مگر کسی مرد کی دست نگر نہ بنے'، نبیلہ تنفر سے کہتی۔

'...... شادی کے شروع میں تو جاوید اکثر ہی مجھے گھر لے جاتے تھے، مگر اب تو جب بھی بات کرو گھر جانے کی تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں کہ تمہیں اپنے گھر کی کوئی پرواہ نہیں، بس میکے جانے کا شوق ہے......'، بینش کو بھی اپنا دکھ یاد آ گیا۔

'...... حالانکہ یہ مرد سارے اتنی دین کی باتیں کرتے ہیں...... مگر سب کچھ صرف اپنے مفاد کے لیے۔ اگر دین ہی سے پوچھا جائے تو معلوم ہو گا کہ بیوی کو ہفتے میں کم از کم ایک بار ماں باپ سے ملوانا شوہر کا فرض ہے......'، نبیلہ نے دونوں چچیوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔

'کیا واقعی......؟'، فائزہ چچی نے حیرت واستعجاب سے پوچھا۔

'...... اور کیا چچی! اور بیوی کو والدین سے ملنے سے منع کرنا تو قطعاً جائز نہیں ہے مگر دین کی یہ باتیں تھوڑا ہی بتائیں گے یہ مرد...... یہ تو اپنے آپ کو پھنسانے والی بات ہو گی'۔

موضوعات کی کوئی کمی نہ تھی، ایک لامتناہی فہرست تھی۔ کبھی یہ زیادتی نمایاں کی جاتی کہ مرد کس بھرپور انداز سے اپنی زندگی جیتے ہیں، جہاں چاہا گئے، جب چاہا گھر آئے۔ ان کے سیر سپاٹے، ان کی ہوٹلنگ، ان کا دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اور پھر اس سب کا موازنہ کیا جاتا خواتین کی گھر کی چار دیواری میں مقید روکھی پھیکی زندگی سے۔ کہیں جانا ہو تو پہلے اجازتوں کا طویل مرحلہ، پھر اپنے ساتھ ساتھ کسی نگران داروغہ کی طرح کسی مرد کی موجودگی، پھر مردوں کا مسلسل جلدی جلدی کا شور مچانا، کہیں سیر کے لیے لے بھی گئے تو اس میں اتنی روک ٹوک، پابندیاں اور ڈانٹ ڈپٹ ہوتی کہ سارا مزہ ہی غارت ہو جاتا۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، جیسے پر کاٹ کر کبوتر کو فضا میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ تمہیں تو ہر نعمت میسر ہے، آزاد فضا اور بہترین غذا۔

بینش کو رہ رہ کر اس بات کا دکھ کھائے جاتا کہ شادی کے محض کچھ ہی عرصہ بعد وہ ساری توجہ، محبت اور احترام وعنایات کا سلسلہ ختم ہو گیا جس کی وہ شادی کے آغاز میں بہت جلد عادی ہو گئی تھی۔ کہاں تو یہ حال تھا کہ دن میں ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد جاوید کی کال آ جاتی تھی، پیغامات کا سلسلہ اس کے علاوہ تھا، اور کہاں یہ حال کہ کبھی بھولے سے وہ فون کر بھی لے تو جاوید چڑ کر کہتے کہ کتنی بار کہا ہے بارہ سے تین بجے کے دوران کم سے کم فون کیا کرو، مصروفیت عروج پر ہوتی ہے۔ یہ وہی جاوید تھے جو شام کو روزانہ جلدی گھر پہنچنے کی کوشش کرتے تاکہ بینش کو اس کے والدین کے گھر یا کسی دوست یا سہیلی کے گھر یا اور کہیں نہیں تو باہر کہیں گھمانے پھرانے ہی لے جاتے۔ وہ سارا دن شام کے انتظار میں گزارتی تھی اور جاوید کے آنے سے پہلے خوب اچھی طرح تیار ہو کر بڑی چادر اوڑھ کر اس کی منتظر بیٹھ جاتی۔ جیسے ہی وہ آتا تو بمشکل ہی چائے کا ایک کپ یا کوئی چھوٹی موٹی چیز کھانے پینے کے لیے رکتا، ورنہ روز ہی اس کا اصرار ہوتا تھا کہ کھانا باہر کھائیں گے۔ مگر سال بعد ہی شہیر کی پیدائش کے بعد یہ سب آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا گیا تھا۔ اور اب تو یہ حال تھا کہ کہیں باہر جانے سے پہلے بینش کو کم از کم ایک دن پہلے جاوید سے اپائنٹمنٹ

لینی پڑتی تھی تا کہ وہ اپنی مصروفیات میں سے اس کے لیے کچھ فرصت کے لمحات نکال لے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جاوید نے اسی عرصے میں دکان کی تیسری برانچ کھولی تھی اور اس کا تمام تر کام اسی کے کندھوں پر تھا مگر اصل بات تو یہی تھی کہ جہاں چاہ، وہاں راہ۔ جب چاہ ہی نہ ہو تو کتنی ہی فرصت کیوں نہ ہو، بیوی کے لیے وقت نہیں نکل سکتا۔ جاوید سے بات کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، کیونکہ وہ بینش کے اس قسم کے شکوے شکایتوں اور باتوں سے سخت نالاں تھا۔ ادھر وہ ایسا کوئی ذکر چھیڑتی، ادھر وہ چڑ کر کوئی نہ کوئی سخت بات کہہ کر موضوع لپیٹنے کی کوشش کرتا، یا اگر بالکل ہی بس نہ چلتا تو اٹھ کر کمرے سے واک آؤٹ کر جاتا۔ بینش بیچاری من ہی من میں کڑھتی جلتی کلستی رہ جاتی۔

نبیلہ، ہادیہ اور جویریہ کی باتیں سن سن کر کبھی کبھی تو فائزہ بیگم کے دل میں بھی یہ گلہ پیدا ہونے لگتا کہ انہوں نے زندگی کا ایک طویل عرصہ عثمان صاحب جیسے خشک پتھر سے سر پھوڑتے پھوڑتے گزار دیا۔ شاید پے در پے تین بیٹیوں کی پیدائش نے ان کا دل بیوی بچوں سے اچاٹ کر دیا تھا اور انہوں نے اپنی دنیا دکان کے کام اور گھر میں آ کر اپنی کتابوں کی کولیکشن تک محدود کر لی تھی۔ پھر کتابوں میں وہ جو کھوئے تو ایسا کھوئے کہ گھر میں دو بیٹوں کی آمد کے بعد بھی ان کی دلچسپی کا محور گھر اور بچے کبھی نہ بن سکے تھے۔ ایسے ہی کسی وقت وہ دل میں پیدا ہوتے اس خیال کے تحت عثمان صاحب سے ان کی بے نیازی کا شکوہ کر بیٹھیں تو وہ اچھل ہی پڑے۔

'کیا مطلب مجھے آپ کی اور بچوں کی پروا نہیں ہے؟......'، انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ 'کیا میں آپ لوگوں کو وقت نہیں دیتا؟ یوں کہیے بیگم صاحبہ کہ بچے سب بڑے ہو گئے ہیں، ان کے اپنے اپنے مشاغل اور مصروفیات ہیں، وہ ہمیں وقت نہیں دیتے۔ رہیں آپ، تو آپ ہی بتائیے کہ میں نے کب آپ کو وقت دینے سے انکار کیا ہے؟'۔

'نہیں......وہ......میرا مطلب ہے...... آپ کبھی خود سے آ کر کوئی بات ہی نہیں کرتے...... میں کوئی بات کروں تو بس جواب دے دیتے ہیں......'، وہ فوراً ہی بوکھلا گئیں۔

'تو محترمہ...... گفتگو کے لیے یہ تو شرط نہیں ہے کہ میں ہی آغاز کروں۔ اگر آپ کو یہ گلہ ہے کہ ہم آپس میں گفتگو کم کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی کم ہی کوئی موضوع چھیڑتی ہیں۔ یعنی کہ مجھے بھی یہ شکایت ہو سکتی ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات چیت ہی نہیں کرتیں، مجھے وقت نہیں دیتیں، آپ کو میری پروا نہیں ہے'، عثمان صاحب نے تفصیل سے ان کے اعتراض کا رد کیا۔ لبوں کے کونوں میں شریر مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔ فائزہ بیگم سدا کی سادہ تھیں، کسی کی بھی خفگی سے وہ فوراً پریشان ہو اٹھتیں، وہ اپنے بچوں میں سے کسی کی ناراضگی برداشت نہ کر پاتی تھیں تو یہاں تو مجازی خدا تھا، جو ان سے لاپروائی برتنے کا شکوہ کر رہا تھا۔ وہ اپنے گلے شکوے سب بھول بھال کر حیرت سے عثمان صاحب کا چہرہ تک رہی تھیں، کہیں کسی سنجیدہ ناراضگی کے آثار تو بظاہر نظر نہ آ رہے تھے۔

اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی لیکن چونکہ نبیلہ اور کمپنی کا زیادہ تر وقت عثمان صاحب کے پورشن میں ہی گزرتا تھا، اس لیے اکثر ہی کوئی نہ کوئی بات بھی ان کے کانوں میں پڑتی ہی رہتی۔ جس کی وجہ سے وہ آج کل کافی پریشان رہنے لگے تھے۔ اپنی بیگم کی طبیعت سے وہ واقف تھے، وہ تو جس کے ساتھ رہتیں، اسی کے رنگ میں ڈھل جاتیں، سو آج کل بچیوں سے سنی ہوئی باتیں ان کی زبان پر بھی رواں ہوتیں۔ بچیاں سب بڑی ہو رہی تھیں، ان سے خود ان کے حقوق اور فرائض کے حوالے سے بات کرنا عثمان صاحب کو بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ جوان ہوتی بیٹیوں سے بات کرتے ہوئے انہیں حیا آتی تھی۔ مگر جو کچھ آج کل ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا وہ بھی انہیں شدید تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا، کسی کو تو کچھ کرنا ہی تھا۔ اور معاملہ ہاتھ سے نکلتا ہوا ہی لگ رہا تھا۔

حد تو یہ تھی کہ گھر میں مسلسل ہوتی ان باتوں کی تکرار سن سن کر سلمیٰ کو بھی لگنے لگا تھا کہ نذیر اس کے ساتھ تمیز سے پیش نہیں آتا۔ اور سلمیٰ تو سلمیٰ، لبنیٰ نے نجانے کس کیفیت میں آ کر پرویز سے کہہ دیا کہ وہ آئندہ اپنی مہینے بھر کی تنخواہ میں سے صرف آدھے روپے باپ کو دیا کرے گی۔ جس پر پرویز نے اس کی تو جو طبیعت صاف کی سو کی، مگر اگلے ہی دن عمیر سے بھی شکایت کی کہ نبیلہ باجی کی باتوں سے ان کے گھر میں فساد پیدا ہو رہا ہے۔

نبیلہ، فاطمہ، ہادیہ اور جویریہ اپنی تمام تر کوششیں اور صلاحیتیں کھپائے ہوئے تھیں۔ جس کے کچھ کچھ نتائج بھی انہیں نظر آ رہے تھے، مگر سب کچھ اتنا آسان بھی نہ تھا۔ صولت بیگم کی مخالفت اپنی جگہ موجود تھی جس سے نبیلہ کو بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ جو کچھ بھی تھا وہ بہرحال اس کی ماں تھی۔ اور اپنی ماں سے انسان حمایت کی توقع کرتا ہے، مخالفت کی نہیں۔ نسرین کا رویہ بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ جتنا اس کو محفلوں میں گھسیٹنے کی کوشش کرتی، وہ اتنا ہی اس سے کنی کتراتی تھی۔ حتیٰ کہ اب تو وہ عبد اللہ کو بھی بہنوں کے پاس نہ جانے دیتی بلکہ اس کی کوشش ہوتی کہ وہ اور عبد اللہ، زیادہ سے زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی بند ہو کر گزاریں۔

مگر گھر کے لڑکوں کا جو رویہ تھا وہ سب سے خراب تھا۔ وہ نبیلہ، فاطمہ، جویریہ یا ہادیہ کو دیکھتے ہی ہُوٹنگ کرنا اور سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے۔ مذاق اڑانا، قہقہے لگانا، بات بات میں ان کے جملے اور نعرے بگاڑ بگاڑ کر انہیں سنانا، یہ سب تو انہوں نے معمول بنا لیا تھا۔ زوار اس سب میں پیش پیش تھا۔ وہ ان کی تضحیک و توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ حیرت انگیز طور پر لڑکوں کے اس رویّے کے جواب میں نبیلہ کا رویّہ بہت صبر و تحمل اور برداشت والا تھا۔ وہ ان کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے صرف اور صرف خواتین کی ذہن سازی پر توجہ دے رہی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ آپس میں فاطمہ، جویریہ اور ہادیہ کو وہ یہ باور کرانا نہ بھولتی کہ گھر کے لڑکوں اور مردوں کا رویّہ بالکل وہی ہے جس کی اسے توقع تھی، آخر ان کے مفادات جو زد پہ تھے۔

اور پھر وہ ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہ تھی۔ نبیلہ کی خاتون مہم پوری سرگرمی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ زمینی طور پر اس کا اتنا وجود نہیں تھا جتنا انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر تھا۔ اسے خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی دیگر تنظیموں کی جانب سے زبردست حمایت اور حوصلہ افزائی

وصول ہوئی تھی۔ نوجوان نسل میں اس کی دعوت اور پیغام بہت تیزی سے بہت زیادہ مقبول ہوا تھا۔ اس زبردست پذیرائی نے نبیلہ اور اس کی تینوں مشیر ان کے حوصلے اور عزم کو بے حد بُوسٹ کیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں انہوں نے گھر میں ایک ٹی پارٹی کا بندوبست کیا تھا، جس میں بعض چنیدہ ٹی وی چینل کے رپورٹر بھی مدعو تھے۔

پارٹی کا سارا انتظام گھر کے لان میں کیا گیا تھا۔ لان کے کونے میں پھولوں کے کنج کے عین سامنے بڑے قرینے سے کرسیاں ترتیب وار رکھی گئی تھیں۔ نبیلہ کے دائیں بائیں ہادیہ اور فاطمہ بیٹھی تھیں، جبکہ دو خواتین رپورٹر ذرا فاصلے پر ان کے مقابل رکھی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ کیمرہ مین اپنے اپنے مقام پر چوکس کھڑے اپنے فرائض تندہی سے انجام دے رہے تھے۔ چاروں اطراف کیمرے ایسے سیٹ کیے گئے تھے کہ وہ نبیلہ کو فوکس میں لیے ہوئے تھے مگر لان اور گیٹ تک کا تمام حصّہ کَوَر کر رہے تھے۔ نبیلہ کے عین سامنے لان ٹیبل پر مائیک اور وائس ریکارڈر وغیرہ سیٹ کیے گئے تھے۔ پوری تقریب کی ریکارڈنگ کی جا رہی تھی۔

اب نجانے یہ نبیلہ کی بدقسمتی تھی یا عثمان صاحب کی، کہ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئے، تقریب اپنے عروج پر تھی۔ گیٹ سے گاڑی اندر لاتے ہوئے وہ لان کے مناظر کی چند جھلکیاں دیکھ چکے تھے، اور کیمروں اور دیگر آلوں کی موجودگی میں انہیں یہ سمجھنے میں بالکل دشواری نہ ہوئی کہ آج بھی گھر میں میڈیا مدعو تھا۔ گھر کی بچیوں کے اس انتظام وانصرام پر اس بار وہ حیران نہیں ہوئے تھے۔ البتہ انہیں شدید غصّہ آ رہا تھا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ باہر نکلے اور تیزی سے ڈگ بھرتے ہوئے لان کے سرے تک پہنچ گئے۔ وہاں لحظہ دو لحظہ رک کر انہوں نے پورے منظر نامے کا جائزہ لیا اور پھر بلا توقف سیدھا ان کے عین درمیان جا پہنچے۔

’یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم سب نے؟ کیا ہو رہا ہے یہاں؟...... بند کیجیے یہ کیمرے......! اٹھائیں یہ سارا سامان......! یہ میرا گھر ہے کوئی تماشا خانہ نہیں...... جب دیکھو میڈیا والے اپنی ریڑھی لگائے کھڑے ہوتے ہیں......!‘، اونچی آواز میں بولتے ہوئے انہوں نے اپنے قریب ترین کیمرہ مین کا کیمرہ آف کرتے ہوئے کہا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے باقیوں کو بھی اپنا بوریا بستر سمیٹنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ان کی اچانک آمد پر ہادیہ اور نبیلہ، دونوں ہی پریشان ہو کر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ لان میں موجود باقی سارے کیمرے گھوم کر اب عثمان صاحب کو فوکس میں لیے ہوئے تھے۔ پوری تقریب میں ایک عجیب ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔

’چچا جان یہ لوگ...... یہ لوگ ہماری دعوت پر آئے ہیں......!‘، انہیں سب کو چلتا کرتا دیکھ کر نبیلہ نے پریشانی کے عالم میں انہیں پکارا۔ ان کی اچھی خاصی تقریب میں اچانک ہی عثمان صاحب نے رخنہ ڈال دیا تھا۔

’خاموش رہو تم......! تم کب سے اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ گھر میں دعوتیں کرتی پھر رہی ہو......؟ کس نے تمہیں اجازت دی اس سب کی......؟‘، وہ پلٹ کر دھاڑے۔ ان کی دھاڑ نے نبیلہ کو تو خاموش کروایا ہی، ہادیہ پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ عثمان صاحب آگے بڑھ بڑھ کر میڈیا والوں سے ان کا سامان اٹھوا رہے تھے۔ وہ تو سب کو رخصت کیے بغیر دم لینے والے نہ تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر ایک خاتون رپورٹر آگے بڑھی اور نبیلہ کو اس کے سکتے سے باہر نکالا۔

’میڈم نبیلہ......! آپ نے گھر کے مردوں کی جانب سے اس مخالفت کا ذکر نہیں کیا......؟ کیا یہی وہ رویّہ ہے جس نے آپ کو اس مہم کا آغاز کرنے پر مجبور کیا......؟‘، وہ مائیک اس کی جانب بڑھائے اس کے جواب کی منتظر تھی۔ جواباً نبیلہ محض خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

’سنا نہیں آپ نے محترمہ......؟ میں نے کہا اٹھایئے اپنا سامان اور جایئے یہاں سے...... اس گھر میں میں مزید کوئی تماشہ برداشت نہیں کروں گا۔ اس قسم کے تماشے آپ لوگ گھر سے باہر لگایا کیجیے......!‘، عثمان صاحب ان کی طرف آتے ہوئے کڑک کر بولے۔ ’اور تم سب...... اٹھو اور فوراً اپنے کمروں کا رخ کرو......! اور اگر اب میں نے تم میں سے کسی کو بھی باہر دیکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گا تم سب کی......!‘، آخر میں انہوں نے بیٹیوں کو مخاطب کر کے سختی سے حکم جاری کیا۔

اس تقریب کی ریکارڈنگ تین مختلف چینل کر رہے تھے۔ اسے انٹرنیٹ سمیت ٹی وی پر بھی نشر ہونا تھا۔ اتنی بہترین تقریب سے اتنی بدترین صورتحال کا تو نبیلہ نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ عثمان چچا نے پوری دنیا کے سامنے ان کو بے عزت کر دیا تھا۔ کتنی شرم کی بات تھی ان کے لیے کہ خود جس تقریب کا اہتمام کیا تھا، اسے یوں بے دردی سے عثمان صاحب نے ختم کر دیا تھا۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ان کی عزت افزائی کے یہ سارے مناظر تمام کیمروں نے محفوظ کر لیے تھے۔ یہی سوچ تھی جس نے آخر کار نبیلہ کے اندر کچھ کرنے کی روح پھونکی۔ اسے اس تقریب کو بچانا تھا، اپنی مہم کو بچانا تھا، اتنے ہفتوں کی اپنی محنت کو اکارت جانے سے بچانا تھا۔ یہ اس کی عزت کا سوال تھا۔ وہ اپنی تمام تر توانائی جمع کر کے عثمان صاحب سے مخاطب ہوئی۔

’چچا جان یہ تقریب ہم نے لڑکیوں کے حقوق کی حفاظت کی خاطر......‘، اس نے کہنا چاہا۔

’خاموش ہو جاؤ نبیلہ...... کون سے حقوق ہیں جو تم لوگوں کو نہیں مل رہے...... عجیب پاگل پن اور دیوانگی ہے جو تم سب پر چھائی ہوئی ہے......!‘، وہ اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولے۔

’چچا جان......!‘، نبیلہ نے حیرت اور صدمے سے ان کی جانب دیکھا، ’چچا جان...... یہ ہماری اتنے ہفتوں کی محنت ہے...... آپ اس طرح یہ سب ختم نہیں کر سکتے۔ کیوں بھیج رہے ہیں آپ ان لوگوں کو......‘۔

’میڈم نبیلہ...... میڈیا کا فرض سچے حالات کو بیان کرنا ہے...... اگر آپ کہتی ہیں تو ہم یہاں سے نہیں جائیں گے، جب تک آپ کہیں گی، ہم تقریب کی کوریج کریں گے......‘، یہ وہی خاتون رپورٹر تھیں جنہیں گرم گرم خبروں کے لیے بہترین مواد میسر آ گیا تھا۔ مزید چسکے لینے کے لیے وہ غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر نبیلہ کی مدد کو آئیں۔

’شٹ اَپ......! اینڈ کلیئر آؤٹ......!...... آپ لوگ میرا مکان ابھی اور اسی وقت خالی کریں ورنہ مجھے قانونی مدد حاصل کرنی پڑے گی......!!‘، عثمان صاحب نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے انتہائی درشتی سے ان خاتون کو جواب دیا۔

(باقی صفحہ نمبر 37 پر)

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے 'ادارہ نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

مسلماں کا زوال|مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا

مسلمانوں کے زوال کی وجہ عبادات میں کمی نہیں بلکہ دنیاوی معاملات میں بے ایمانی اور اسلام کو عبادات تک محدود کرنا ہے۔

قادمون یا اقصیٰ! | شیخ حامد کمال الدین صاحب نے لکھا

#بیت_المقدس کو حضرت عمرؓ کے بعد مسلمانوں نے دو بار فتح کیا (امام مہدی کے بغیر!!!)۔ ایک بار صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں (جو کہ نہایت مشہور ہے)، دوسری بار رکن الدین بیبرسؒ کی زیرسرکردگی (جو کہ زیادہ مشہور نہیں)۔

تیسری بار بھی "ایسے ہی" فتح کرلیں تو بڑی بات نہیں، اور یہی قوی تر ہے ان شاءاللہ!

لاتوں کے بھوت......|فیض اللہ خان نے لکھا

انیس سال پہلے جب آپ لاؤ لشکر کے ساتھ افغانستان پہ چڑھائی کرنے آرہے تھے تو امارت اسلامیہ نے کہا تھا بات کرلیتے ہیں لیکن طاقت کا بھی الگ ہی زعم ہوتا ہے تو انہیں خاک نشیں، وحشی، جاہل، اجڈ قرار دے کر جنگ کو ترجیح دی، آج انہی سے بات کر رہے ہیں عزت دے رہے ہیں۔

جنہیں گوانتاناموبے کے پنجروں میں رکھا گیا وہی مذاکراتی وفد کا حصہ تھے۔ امریکہ نے اپنی تاریخ کی مہنگی ترین جنگ لڑی۔ شہری و فوجی قتل کرائے۔ کروڑوں انسانوں کو بے گھر کیا بشری حقوق پامال ہوئے کئی ممالک کھنڈر ہو گئے......(تب جا کر بات سمجھ میں آئی)!

یاددہانی|ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

اسلام تلوار کے زور پر پھیلا؟

جی بالکل......بطور نظام......نہ کہ بطور ایمان!

بالکل ویسے ہی جیسے آج کل امریکہ اپنے دین لبرل ازم اور ڈیموکریسی کو بموں کے زور پر پھیلا رہا ہے۔[1]

جارج بش نے ۲۰۰۴ء میں کہا تھا کہ "آزادی" خدا کی طرف سے اس کرۂ ارض پر بسنے والے ہر مرد و عورت کے لیے سب سے بڑا تحفہ ہے۔ اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ اس "آزادی" کو پھیلانے میں مدد کریں......!!!

اب یہاں "آزادی" سے جو آزادی مراد ہے، اگرچہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی بتائے دیتے ہیں کہ اس سے مراد اصل میں "اسلام" سے آزادی ہے......!!!

یاعمر !عدلت فامنت فنمت|زبیر منصوری نے لکھا

وہ سینکڑوں میل کا طویل سفر طے کر کے اُس بستی میں پہنچے تھے! ان کے لباس اور گھوڑے بتاتے تھے کہ وہ کسی بڑے بادشاہ کے بھیجے ہوئے سفیر ہیں اور تحفے بتاتے تھے کہ ان کا بادشاہ اس سے مرعوب تھا جس کے پاس وہ بھیجے گئے تھے۔

اُس کھجوروں والی سرزمین پر پہنچ کر انہوں نے ایک صحرا نشین سے پوچھا 'تمہارے بادشاہ کا محل کس طرف ہے؟'۔ 'بادشاہ؟' 'محل؟' اس کے لیے یہ دونوں ہی لفظ اجنبی تھے!

مگر مسافروں کو اجنبی جان کر اس نے اشارہ کیا۔ اُدھر چلے جاؤ وہیں خلیفہ کا گھر ہے۔ وہ قریب پہنچے تو اس کچے اور دربان سے محروم کھلے دروازے والے گھر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پتہ چلا بیت المال کے کچھ اونٹ صحرا میں کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں، خلیفہ انہیں تلاش کرنے نکلا ہے اُدھر ہی کہیں ڈھونڈ لو۔

خطۂ زمین کا سب سے طاقتور انسان۔ لاکھوں میل زمین اور دسیوں ملکوں کا سکندرِ اعظم سے بڑا فاتح۔ دنیا کو کئی نئے سسٹمز (systems) دینے والا انسان۔ عمر......! (اللہ جس سے راضی ہوا)۔

بیت المال کے اونٹ......تنہا......تپتا صحرا......

(باقی صفحہ نمبر 57 پر)

[1] فاضل لکھاری کا مقصد 'عسکریت' کی طرف اشارہ ہے ورنہ تمام عالَم شاہد ہے کہ آج دینِ لبرل ازم و ڈیموکریسی محض 'عسکریت' (جو اخلاق کے بنا ہو تو ظلم و جبر کہلاتی ہے) کے ذریعے نہیں بلکہ ظلم و عدوان کے ذریعے پھیلایا جا رہا ہے اور اسلام 'عسکریت' یعنی جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے پھیلا، وہ جہاد جس کا لائحہ و قانون اور ضابطۂ اخلاق خود اللہ ربّ العالمین، الرحمٰن والرحیم کا عطا کردہ ہے۔ (ادارہ)

افغان بحران کا واحد حل بات چیت ہے: پاکستانی وزیرِ خارجہ

پاکستانی وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی نے گزشتہ دنوں افغان کٹھ پتلی حکومت کے ایک عہدہ دار عبداللہ عبداللہ سے اس کی پاکستان آمد پر ملاقات کی اور اس موقع پر ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں برسوں سے جاری مسائل کا کوئی فوجی حل نہیں نکلا اور اب سب متفق ہیں کہ افغان بحران کا واحد حل بات چیت ہے۔ مزید فرمایا کہ افغانستان میں پائیدار امن صرف ملک کے اندر سے آسکتا ہے، کوئی باہر سے مسلط نہیں کر سکتا۔

اِس وقت پاکستانی حکومت و فوج کی منافقانہ پالیسی سب پر عیاں ہوتی ہے کہ جس فوج و حکومت نے امریکہ کو افغانستان میں جنگ مسلط کرنے کے لیے اپنے ہوائی اڈے، زمینی راستے، انٹیلی جنس تعاون، حتیٰ کہ اپنے ملک کی بیٹیاں اور بیٹے تک حوالے کر دیے، اور آج جب لاکھوں شہدا کی قربانیوں اور جہاد فی سبیل اللہ کی برکت سے امریکہ شکست کھا کر بھاگ رہا ہے اور اپنی شکست کو چھپانے کے لیے مذاکرات کا سہارا لے رہا ہے تو اب یہ کافروں کے غلام ایسے بیان دے کر اپنے داغ دار دامن کو دھونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ یہی حکومت و فوج آج بھی پاکستان میں ایسے نظامِ جمہوریت کی محافظ ہے جس کی بنیادیں ہی کفر و شرک پر مبنی ہیں اور یہی ادارے پاکستان میں اسلامی نظام کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

افغانستان سے غیر ملکی افواج کا عجلت میں انخلا غیر دانش مندانہ اقدام ہو گا: عمران خان

امریکہ کے ایک موقر روز نامے ’واشنگٹن پوسٹ‘ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں پاکستان کے وزیرِ اعظم عمران خان نے افغانستان سے غیر ملکی فورسز کے جلد انخلا سے گریز پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایک غیر دانش مندانہ اقدام ہو گا۔

امریکی آقا نے تو اپنے غلاموں کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر لیا اور اب آقا کے سہارے جینے والے پکار رہے ہیں کہ جلدی نہ کرو، ہماری نمک حلالی کا بھی کچھ خیال کرو!

یہ ہے وہ منافقانہ چہرہ جو ایک طرف کہتا ہے کہ ’فوجی حل‘ کوئی حل نہیں اور دوسری طرف اپنے آقا کو اخباری کالموں کے ذریعے مشورے دیتا ہے کہ نہ جاؤ۔ دراصل ان کو خطرہ افغانستان میں ’شریعتِ مطہرہ‘ کے نفاذ سے ہے، کہ پڑوس میں شریعت نافذ ہو گی تو اس کی برکتوں سے ہمارے عوام بھی جاگیں گے اور یہاں بھی اقامتِ دین کی تحریک زور پکڑے گی تو پھر ہمارے اقتدار کا کیا ہو گا؟

گویا معاملہ الٹ ہونے کا خطرہ ہے اور یہ عرضی دائر کی جا رہی کہ......

’آپ کی‘ تو جیسے تیسے کٹ ’ہی گئی‘

’ہمارا‘ کیا ہو گا جنابِ عالی؟!

منظور پشتین کا ڈاکٹر نجیب اللہ کو خراجِ تحسین

”ڈاکٹر نجیب اللہ نے اپنی زندگی افغانستان میں دیرپا امن کے قیام کی خاطر قربان کی۔ اس نے جنگ کے خاتمہ کے لیے بھرپور کوششیں کی۔ وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے!“

گزشتہ دنوں افغانستان کے سابق کمیونسٹ صدر ڈاکٹر نجیب اللہ کی چوبیسویں برسی کے موقع پر پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے رہنما منظور پشتین نے اپنے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر درج بالا بیان جاری کیا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر نجیب اللہ ایک کمیونسٹ اور اسلام دشمن شخص تھا جس نے روس کے افغانستان سے نکلنے کے بعد مسلمانوں اور مجاہدین پر بے تحاشا مظالم ڈھائے۔ بعد ازاں یہ شخص مجاہدین کی جانب سے کابل فتح ہونے کے بعد طالبان عالی شان کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور مسلمانوں کے خلاف بے انتہا جرائم کے ارتکاب کے سبب اس کو سرِعام پھانسی دی گئی۔

منظور پشتین کی جانب سے ایسا بیان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ شخص پشتونوں کے تحفظ کی آڑ میں پشتونوں کے اندر سے اسلامی غیرت و حمیت نکال کر ان کو سیکولر اور بے دین بنانا چاہتا ہے۔

پھر حقیقت یہ بھی ہے کہ جن پشتونوں کے حقوق کی حق تلفی کے بعد ان کے تحفظ کے لیے یہ نکلا ہے؛ ان پشتونوں پر ’پشتون‘ ہونے کے سبب مظالم نہیں ہوئے بلکہ ان ’پشتونوں‘ کا قصور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ، اسلامی غیرت و حمیت اور جہاد و مجاہدین کی حمایت و نصرت ہے۔ پھر ان ’جرائم‘ (شریعت کا مطالبہ، اسلامی غیرت اور جہاد) کے سبب پشتونوں کے ساتھ ’پنجابی‘ بھی اسی طرح ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہیں جس طرح پشتون۔ بلکہ اعداد و شمار نکالے جائیں تو اس وقت ’پنجابی‘ درج بالا ’جرائم‘ کے سبب زیادہ جیلوں میں پڑے ہیں اور لاپتہ ہوئے ہیں۔ بلکہ جو فوج و حکومت ’پشتونوں‘ پر ظلم کرتی رہی ہے اس میں ظلم کرنے والوں میں خود ’پشتونوں‘ کی ایک بڑی تعداد ہے۔ فوج میں جنرل احسان الحق خان سے لے کر لیفٹیننٹ جنرل طارق خان جیسوں تک بڑے بڑے پشتون ہی تھے اور اب بھی ہیں اور یہ ایف سی، لیویز و خاصہ دار جو سابقہ قبائلی علاقوں میں ظلم کا بازار گرم کرتے رہے سب پشتون تھے!

مسئلہ گورے اور کالے کا نہیں، عربی و عجمی، پشتون اور پنجابی کا نہیں ہے؛ جو اسلام کا نام لیتا ہے تو اس پنجابی پر ظالم پنجابی اور پشتون پر ظالم پشتون سب مل کر مسلط ہو جاتے ہیں!

بین الافغان مذاکرات: طالبان افغانستان میں اسلامی نظامِ حکومت پر مصر

قطر کے دارالحکومت دوحہ میں گزشتہ ماہ سے کابل انتظامیہ (اشرف غنی کے زعم میں افغان حکومت) اور طالبان کے وفود افغانستان میں امن کے قیام کے لیے مذاکرات کا ایجنڈا طے کرنے میں مصروف ہیں۔ طالبان کی جانب سے جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا کہ مذاکرات کے دوران طالبان کا بنیادی نقطہ افغانستان میں اسلامی نظام حکومت کا قیام ہے اور اسلامی نظام حیات ہی افغانستان میں امن کا ضامن ہے اور اسی سے جرائم اور بدعنوانی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ طالبان افغانستان میں موجودہ نظام حکومت کو غیر قانونی اور ملک میں امریکہ کے قبضے کی علامت کے طور پر دیکھتے ہیں۔

آج طالبانِ عالی شان کا عالمِ کفر کے سامنے ببانگِ دہل شریعت کے نفاذ کا اعلان اس بات کا ثبوت ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ ہی کے ذریعے اسلام کو قوت ملتی ہے اور اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ و غالب ہو سکتا ہے۔

بھارت: بابری مسجد کیس، عدالت نے بی جے پی کے چار رہنماؤں سمیت تمام افراد کو باعزت بری قرار دے دیا

بھارتی عدالت نے 1992ء میں ہندوؤں کی جانب سے شہید کی جانے والی تاریخی بابری مسجد کے کیس کے فیصلہ میں 49 ملزمان میں سے 32 کو ناکافی ثبوت ہونے کی وجہ سے باعزت بری کر دیا۔

اس کیس میں سابق نائب وزیر اعظم ایڈوانی، اور بی جے پی کے دیگر دور ہنماؤں پر الزام تھا کہ انہوں نے ہندو انتہاپسندوں میں بابری مسجد کو گرانے کے لیے اشتعال پیدا کیا۔

سولہویں صدی عیسوی سے قائم بابری مسجد کو 1992ء میں ہندو انتہا پسندوں نے سرکاری سرپرستی میں شہید کر دیا تھا اور اس کی جگہ رام مندر بنانے کا اعلان کیا تھا۔

فیصلے میں 49 ملزمان میں سے 32 کو باعزت بری کر دیا گیا اور 17 افراد اس کیس کی ساعت کے عرصہ میں ہی مر گئے اور ان کی چتاؤں کو جلانے کی صورت میں اس دنیا میں ظاہراً بھی ان کا عذاب شروع ہو گیا۔

28 سال بعد، 850 گواہان، 7000 سے زائد دستاویزات اور سانحہ کی 100 سے زائد رپورٹس، تصاویر اور ویڈیوز کی موجودگی کے باوجود بابری مسجد کیس کو یہ کہہ کر ختم کر دینا کہ ”مسجد گرانے کی منصوبہ بندی کا کوئی ثبوت نہیں ملا“، اس بات کی گواہی ہے کہ بھارتی ریاست اور اس کے ادارے اسلام دشمنی میں آج پہلے سے کہیں آگے نکل چکے ہیں اور ان سے نمٹنے اور گائے اور بندروں کے پجاری ہندوؤں سے اپنا دارالاسلام واپس حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے حبیب محمد ﷺ کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے بھارت سمیت برصغیر میں جہاد کے عَلَم کو بلند کرنا ہو گا اور تلوار کے ذریعے سندھ و ہند کے حکمرانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر اللہ کی زمین پر ایک بار پھر اللہ کا نظام غالب و نافذ کرنا ہو گا۔

خودکشی کرنے والے امریکی فوجیوں کی تعداد میں اضافہ، حکام پریشان

گزشتہ برس کے مقابلے میں رواں برس حاضر سروس امریکی فوجیوں میں خودکشی کے رجحان میں تیس فیصد کا ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ اعلیٰ حکام فوجیوں میں خودکشی کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کے حوالے سے پریشان ہیں۔

امریکی فوج میں خودکشیوں کا رجحان ایک دیرینہ مسئلہ ہے۔ امریکی حکام کا نیوز ایجنسی 'اے پی' سے گفتگو کرتے ہوئے کہنا تھا کہ گزشتہ برس کے مقابلے میں رواں برس خودکشی کرنے والے فوجیوں کی تعداد میں بیس فیصد اضافہ ہوا ہے اور اگر حاضر سروس فوجیوں کی خودکشی کی بات کی جائے تو یہ تعداد گزشتہ برس کے مقابلے میں تیس فیصد زائد ہے۔ امریکی حکام کے مطابق اس کی بڑی وجوہات میں فوجیوں کی جنگی علاقوں میں تعیناتی، قدرتی آفات سے مقابلہ اور امریکی شہروں میں بدامنی کے وہ واقعات ہیں، جہاں ان فوجیوں کو امن و امان کے لیے بلایا جاتا ہے۔

امریکی حکام کا کہنا ہے کہ اب فوجیوں کی جنگ زدہ علاقوں میں تعیناتی کی مدت کم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی صحت کا مزید خیال رکھنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ اسی طرح ذہنی دباؤ کے شکار فوجیوں کا پتا لگانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی بھی استعمال کی جائے گی۔

امریکی حکام نے رواں برس کی خودکشیوں کی مجموعی تعداد نہیں بتائی لیکن مارچ کے بعد سے صرف امریکی ایئر فورس میں تقریباً ایک سو اہلکاروں نے خودکشیاں کی ہیں، جبکہ سنہ 2018ء میں تقریباً 541 فوجیوں نے اپنی جان خود لی تھی۔

اعلان از ادارہ

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے تمام معزز لکھاریوں سے التماس ہے کہ اپنے مضامین ہر ماہ کی تیس (30) تاریخ تک[1] مجلّے کی مجلسِ ادارت تک (بذریعۂ ای میل یا جو طریقۂ رابطہ کاری آپ سے طے ہو) پہنچا دیا کیجیے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

[1] مثلاً اگر آپ نومبر ۲۰۲۰ء کے شمارے کے لیے مضمون بھیجنا چاہتے ہیں تو اسے تیس (30) اکتوبر ۲۰۲۰ء تک مجلّے کی مجلس ادارت تک پہنچا دیجیے۔

عباس تابش

مارنے والو! کوئی تم کو نہ مر کر مار دے

تو پرندے مار دے سرو و صنوبر مار دے
تیری مرضی جس کو دہشت گرد کہہ کر مار دے

تیرا اس کے ماننے والوں سے پالا پڑ گیا
جو پرندے بھیج کر لشکر کے لشکر مار دے

تم بھی موسیٰ کے تعاقب میں چلے تو آئے ہو
دیکھنا تم کو نہ یہ نیلا سمندر مار دے

تو نے جس کے ڈھونڈنے کو بھیج دی اتنی سپاہ
یہ نہ ہو وہ تجھ کو تیرے گھر کے اندر مار دے

اس کو کیا حق ہے یہاں بارود کی بارش کرے
اس کو کیا حق ہے مرے رنگلے کبوتر مار دے

فیصلے تاریخ کے، میدان میں ہوتے نہیں
مارنے والو! کوئی تم کو نہ مر کر مار دے

روشنی کے واسطے پندار کا سودا نہ کر
سامنے سورج بھی ہے تو اس کو ٹھوکر مار دے

گونج تو بھی اس کے لہجے میں پہاڑوں کی طرح
تابش اس کی بات تو بھی اس کے منہ پر مار دے

اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے عقیدۂ مُسلح جہاد کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے!

''اسلام میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مسلح جہاد کا عقیدہ قطعی اور بدیہی ہے۔اس لیے جو شخص اس عقیدے کا منکر ہوا اور اُس کے نزدیک اسلام میں مسلح جہاد کا کوئی تصور نہ ہو وہ بلا شبہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور جو شخص یہ عقیدہ تو رکھتا ہے لیکن قدرت کے باجود جہاد کے کسی شعبے میں حصہ نہیں لیتا تو وہ تارکِ فرض اور فاسق ہے۔

میدانِ جنگ کے علاوہ بھی جہاد کے بہت سارے شعبے ہیں، جن پر عملی جہاد موقوف ہے۔اور جن میں ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لے سکتا ہے، مثلاً مجاہدین کی مالی مدد کرنا، مسلمانوں کو جہاد کی تربیت دینا، جائز ذرائع ابلاغ سے نشر و اشاعت کرنا، مجاہدین کی حمایت اور اُن کے لیے دعا کرنا...... صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ:

'جس نے جہاد میں نہ حصہ لیا اور نہ ہی جہاد کا عزم کیا، پھر یوں ہی مر گیا تو وہ نفاق کے ایک حصے پر مرا۔'

غور کر کے اپنے حالات کا جائزہ لیں۔آج بعض نام نہاد مسلمان نظریۂ جہاد کے خلاف بولتے ہیں اور امتِ مسلمہ کے دل و دماغ سے فریضۂ جہاد کو کھرچ کھرچ کر نکالنا چاہتے ہیں، وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ایسے لوگ درحقیقت جھوٹے نبی مرزا قادیانی دجال کے سچے امتی ہیں۔کیونکہ قادیانی دجال کو انگریز ملعون نے نبی ہی اسی لیے بنایا تھا کہ وہ مسلمانوں کو جہاد سے متنفر کر دے تاکہ کفار سے ٹکر لینے والا کوئی نہ رہے۔قادیانی دجال اپنے مقصد بعثت میں تو کامیاب نہیں ہوا لیکن وہی کام بعض نام نہاد دین داروں نے بڑی صفائی کے ساتھ کر ڈالا۔ چنانچہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی جہاد کے خلاف زہر اگلنے والے موجود ہیں۔''

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

(بحوالہ خطبات الرشید)